﴿ يَا بُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾

حضرت لقمان علیہ السلام کی

چار نصیحتیں

جزء اول

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

۱۵ر رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء مسجد دار العلوم کنتھاریہ، بھروچ گجرات

فہرست مضامین

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِيْكَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ، أَمَّابَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿يَابُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾[سورۂ لقمان:١٦] صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلاَنَا الْعَظِيْمُ ۔

دوستو بزرگو اور عزیزو! اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت سی نصیحتیں فرمائی ہیں، کبھی خود نصیحت فرمائی، کبھی انبیاء کرام کی زبان پر نصیحتیں جاری فرمائی، اور کبھی اولیاء کی کی ہوئی نصیحتیں نقل فرمائی ہیں، ان نصیحتوں میں ایک نصیحت حضرت لقمان کی ہے جو نبی نہیں تھے مگر ولی تھے اور ملہم تھے یعنی ان کو الہام ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں الہام فرمایا، انہوں نے اپنے لڑکے کو نصیحت فرمائی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے

کلام پاک میں نقل فرمادیا ہے، ایک باپ اپنے بیٹے کو جو نصیحت کرتا ہے اور کرسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان پر جاری فرمایا، جو اللہ کو بہت پسند آئی اور اپنے کلام میں اس کو داخل وشامل فرمادیا، ظاہر بات ہے کہ وہ کتنی مہتم بالشان نصیحتیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اپنے ایک ولی کی نصیحتوں کو اپنے کلام میں نقل فرمارہا ہے اور ایسے کلام میں نقل فرمارہا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی صحیح کلام ہو ہی نہیں سکتا، ظاہر ہے کہ اس کی اہمیت ہے، اس کی عظمت ہے، جب ہی تو نقل فرمارہے ہیں، اس بنا پر ان نصیحتوں کی طرف بھی خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے چند ایسی نصیحتیں فرمائی ہیں کہ اگر ہم ان کو مستحضر رکھیں تو ہماری دینی ودنیوی فلاح کیلئے کافی وافی ہے، ہمارے اخلاق اور عقیدہ کے اعتبار سے جتنی ضرورتیں ہیں وہ سب اس کے اندر مندرج ہیں، عقائد کی بھی اس کے اندر نصیحت ہے، اخلاق کی بھی نصیحت ہے، معروفات کی بھی نصیحت ہے اور منکرات سے بچنے کی بھی نصیحت ہے، سب اس کے اندر موجود ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے حکیم لقمان کے ذریعہ ایک مرتب نسخہ تیار فرمادیا، جیسے جسمانی نسخے مرتب ہوتے ہیں، بقراط کے نسخے مرتب ہیں، جالینوس کے نسخے مرتب ہیں، حکیم لوگ ان کو دیکھ دیکھ کر نسخے لکھ دیتے ہیں، آپ جب کبھی کسی حکیم کے پاس جائیں تو فوراً وہ مرتب نسخے کھولے گا اور اس میں تھوڑی بہت ترمیم کرکے آپ کو نسخہ لکھ کر دے دیگا، تو جب ظاہری نسخوں کی اتنی قدر ہے، اتنی منزلت ہے تو میرے دوستو! جو نسخہ باطنی اصلاح کیلئے ہو، دینی اصلاح کیلئے ہو، عقائد کی اصلاح کیلئے ہو وہ ہم اور آپ

کیوں نہ مستحضر رکھیں، اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو نقل فرمادیا اور اپنے کلام میں شامل فرمادیا تو اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

ابھی میں نے معارف القرآن میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جو نصیحتیں نقل فرمائیں وہ تو فرمائی ہی ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی علماء نے ان کی بہت سی نصیحتیں جمع کی ہیں اور مستقل اس کی ایک تفصیل ہے، میں تو یہ سوچتا ہوں کہ اگر اس کو الگ جمع کرا کے شائع کر دیا جائے تو بہت بہتر ہوگا، اگر ان کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں کی ہر ہر نصیحت لاکھوں لاکھ روپئے کی ہے۔ اس بنا پر ان نصیحتوں کو مستحضر رکھنا بہت ضروری اور مفید ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت لقمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے، اسلئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں بیان فرمائیں گے؟ علماء کیوں نہیں بیان فرمائیں گے؟ میں سمجھتا ہوں کہ فارسی کی پہلی کتاب میں بھی نصائح لقمان ''صد پند لقمان'' کے نام سے مذکور ہیں۔

حضرت لقمان حکیم کا ایک واقعہ

لقمان حکیم کا ایک واقعہ یاد آیا، حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بیان فرماتے تھے، کہتے تھے کہ وہ کسی باغ میں کہیں ملازم تھے، اتنے بڑے حکمت والے لیکن ایک باغ کے مالک کے یہاں ملازم تھے، چنانچہ حضرت لقمان غلاموں کی صف میں تھے، کسی نے ان کو خریدا نہیں، اخیر میں ایک باغ کے مالک

نے انہیں باغ میں پانی ڈالنے کیلئے خرید لیا، اب وہ اس باغ میں رہنے لگے اور ذمہ داری کے ساتھ کام کرنے لگے، ایک دفعہ باغ کا مالک وہاں چلا آیا اور کہا کہ درخت سے پھل توڑ کر لے آؤ، وہ گئے اور توڑ لائے، اس نے کھایا تو نہایت ہی ترش تھا، اس نے منہ بنا کر کہا کہ اتنا کھٹا پھل لے آئے تم کو معلوم نہیں کہ اس درخت کا پھل کھٹا ہوتا ہے، لقمان حکیم نے کہا کہ حضرت! آپ نے باغبانی کیلئے مجھ کو ملازم رکھا ہے پھل چکھنے کیلئے تو نہیں رکھا ہے، میں نے اب تک پھل کو چکھا ہی نہیں کہ معلوم ہو سکے کہ کس درخت کا پھل کیسا ہے، اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دیتے ہیں تو کچھ خوبیاں بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ ایسی دیانت کہ اس سے پہلے پھل چکھا ہی نہ تھا۔

بہر حال اس وقت مجھے یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی نصیحتیں خود اپنے کلام میں نقل فرمائی کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: ﴿يَا بُنَيَّ﴾ اے میرے لڑکے! لڑکے کو خطاب کیا، اس سے معلوم ہوا کہ باپ کو کبھی لڑکوں کو خطاب بھی کرنا چاہئے، نصیحت اور موعظت بھی کرنا چاہئے، یہ نہیں کہ دوسروں کیلئے تو خوب نصیحت و موعظت ہو اور اپنے لڑکے لڑکیوں کو کبھی نصیحت نہ ہو، جبکہ قرآن پاک و حدیث شریف میں بچوں کے تربیت کی خاص تاکید کی گئی ہے۔

چند سال پہلے کی بات ہے کہ ہم خواجہ صبیح الدین صاحب کے ولیمہ میں شرکت کیلئے الہ آباد سے میرٹھ جا رہے تھے۔ تبلیغی جماعت کے امیر مولانا کمال الدین صاحب بھی ساتھ تھے، اثناء سفر ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو امریکہ سے جلد ہی آئے ہوئے تھے، انہوں نے اپنا یہ تاثر سنایا کہ مکمل کام کیلئے چار

کاموں کی ضرورت ہے اولاً کتاب وسنت کی تعلیم، ثانیاً تزکیہ نفوس، ثالثاً دعوت و تبلیغ، رابعاً تصنیف وتالیف۔ نیز فرمایا کہ کتب اسلامیہ کی تصنیف وتالیف کی بھی سخت ضرورت ہے اور اس کیلئے خلوت ویکسوئی کی حاجت ہے، ان چاروں کاموں کے کرنے کیلئے چار جماعتوں کی ضرورت ہے، جو ان خدمات کو خلوص کے ساتھ انجام دیں، اسلئے کہ ہم تو امریکہ میں اسلام کی خوبیاں بیان کر کے کسی کو متأثر کرتے تھے اس کے بعد ان کے ہاتھ میں اسلام کی مذمت کی کوئی ضخیم کتاب پہنچ جاتی تھی جس سے اسلام کے خلاف تاثر ہوجاتا تھا اسلئے تصنیف و تالیف کی بھی سخت ضرورت ہے۔

عمومی مجلس میں خطاب آسان ہوتا ہے

اسی سفر میں مولانا کمال الدین صاحب نے فرمایا کہ بھائی ہم لوگوں کو چاہئے کہ جیسے باہر تعلیم وتبلیغ کرتے ہیں اپنے گھر میں بھی بیٹھ کر اپنی کتاب سنایا کریں۔ میرے دل پر اس بات کا اثر ہوا، اس وقت تک ہمارے یہاں مستقل تعلیم وتربیت کی مجلس کا سلسلہ نہیں تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس کے بعد میں نے اپنے مکان پر ہفتہ میں ایک دن مجلس کا مقرر کیا، بہت سی عورتیں پہلے سے اس کا مطالبہ کرتی تھیں کہ کوئی مجلس کیجئے تا کہ ہم لوگوں کو دینی نفع ہو، اسی بنا پر مجلس کا سلسلہ قائم کیا جو اب تک الحمدللہ بیسیوں سال سے جاری ہے، اب ماشاء اللہ عمومی مجلس کی شکل ہے، جس میں اہلیہ، بہوئیں، لڑکیاں، پوتیاں، نواسیاں پابندی سے شریک ہوتی ہیں اور

عمومی خطاب ہونے کی وجہ سے اپنے گھر کی عورتوں کو بھی تعلیم ہوتی ہے جس سے غیر عورتوں کے ساتھ گھر کی عورتوں کو دینی وایمانی نفع ہورہا ہے۔

اب حضرت لقمان کی نصائح سنئے:

حضرت لقمان کی پہلی نصیحت

حضرت لقمان اپنے لڑکے کو خطاب کر کے فرمارہے ہیں یَا بُنَیَّ ! اے میرے لڑکے! ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ﴾ نماز کو درست کرو۔ اقامت صلوٰۃ بہت ضروری ہے، اس سے پہلے عقائد کی تعلیم دیتے ہوئے شرک سے بچنے کی تعلیم دی تھی ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ اب اعمال کی نصیحت فرمارہے ہیں، اور اعمال میں سب سے اہم اور اعظم عمل نماز ہے۔ اسلئے سب سے پہلے اس کی اقامت کی نصیحت فرمارہے ہیں۔

اقامت صلوٰۃ اور ادائے صلوٰۃ میں فرق

چونکہ نماز کی اقامت اہم ہے اسلئے اقامت صلوٰۃ فرمایا ادائے صلوٰۃ نہیں، چنانچہ ''یَا بُنَیَّ ! اَدِّ الصَّلٰوۃَ'' نہیں فرمایا کہ نماز کو ادا کرو، اسلئے کہ ادا تو جیسے تیسے ہو ہی جاتی ہے، بلکہ اقامت صلوٰۃ کی تاکید کی، تاکہ نماز سنن ومستحبات کی رعایت کیساتھ پڑھی جائے، بغیر اس کے نماز کی اقامت نہ ہوگی بلکہ اس کی ادائیگی ہوگی۔

جس حدیث شریف میں اسلام کے بنیادی اعمال کو بیان فرمایا گیا ہے اس

میں بھی ’’ اقامت صلوٰۃ ‘‘ ہی کا لفظِ استعمال ہے، ادائے صلوٰۃ کا لفظ نہیں ہے۔ زکوٰۃ کیلئے تو اداءِ زکوٰۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مگر نماز کیلئے کہیں بھی لفظ اداء کا ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ نماز ایک مرکب چیز ہے، اسکے بہت سے اجزاء ہیں، اور زکوٰۃ کے اجزاء نہیں ہیں بلکہ اسکے دینے کے ساتھ نیت کرلی جائے تو کافی ہے، رہی نماز تو اس کے بہت سے اجزاء ہیں، مثلاً، قرأت، رکوع، سجود، قعدہ، پس ضروری ہے کہ جب قرأت کرو تو سنت کے مطابق کرو، رکوع کرو تو سنت کی رعایت کرو، رکوع سے اٹھو تو پورا مستوی اور برابر ہو جاؤ، یہ سب نماز کے اجزاء ہیں، جن میں سے ہر ایک کو سنت کے مطابق ادا کرو گے تو اقامت صلوٰۃ کا اطلاق ہوگا ورنہ نہیں۔

ایک صحابی کا واقعہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی آئے اور انہوں نے نماز پڑھی۔ اسکے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ’’اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ‘‘ [متفق علیہ، مشکوٰۃ:۷۵] یعنی جاؤ نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، حالانکہ انہوں نے نماز پڑھی تھی، لیکن چونکہ تعدیل ارکان کے ساتھ نہیں پڑھی تھی اسلئے اقامت نہیں پائی گئی تھی اس بنا پر فرمایا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اسلئے وہ واپس گئے اور جلدی جلدی نماز پڑھ کر پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ‘‘ یعنی جاؤ

اور نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ پھر بھی انہوں نے نماز صحیح طور پر نہیں پڑھی۔ اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو نماز پڑھ کر بتلایا کہ اس طرح اطمینان کے ساتھ نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا ادا کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اس کیلئے اقامت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ صحیح بات یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگوں کو نیت باندھنے تک کا بھی ڈھنگ نہیں ہے، رکوع، سجود سبھی میں غلطیاں کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

وہ بزرگ کیسے ہوسکتا ہے!

بہرحال میرے دوستو! اقامت صلوٰۃ میں تکبیر تحریمہ کی درستگی بھی ہے، رکوع کی درستگی بھی ہے، سجدہ کی درستگی بھی ہے، میں نے خود حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، فرمایا کہ ایک شخص جو ولایت کیساتھ مشہور تھا، ایک صاحب ان سے ملنے گئے تو وہ وہاں نہیں ملے، تو انہوں نے دریافت کیا کہ وہ نماز کہاں پڑھتے ہیں؟ کہا یہاں پڑھتے ہیں، تو انہوں نے ان کی جائے نماز دیکھی اور سجدہ کی جگہ کا بغور معائنہ کیا، تو وہاں انہیں انگلیوں کے نشان ٹیڑھے اور کھلے ہوئے ملے، انہوں نے کہا کہ یہ شخص بزرگ نہیں ہوسکتا، کیونکہ نماز میں سجدہ کی حالت میں انگلیاں قبلہ کی جانب اور ملی ہوئی ہونی چاہئے، اور یہاں تو الٹا معاملہ ہے پس جو شخص سنت کے مطابق سجدہ بھی نہ کرے وہ بزرگ کیسے ہوسکتا ہے۔

ایسا شخص ولی نہیں ہوسکتا

''موافقات'' جو علامہ شاطبی کی بہت مشہور کتاب ہے، انہوں نے اس میں لکھا ہے کہ ایک شخص مشہور بالولایت تھا، ایک شخص ان سے ملنے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوک رہے ہیں، پس فوراً چلے آئے اور کہا کہ جو شخص ایک ظاہری سنت کی حفاظت نہیں کر سکتا یعنی اس پر عامل نہیں تو اس پر باطنی سنتوں پر عمل سے کب اطمینان کیا جا سکتا ہے، لہٰذا ایسا شخص ولی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی دیوار پر تھوک دیکھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگواری ہوئی جس کے آثار آپؐ کے چہرۂ انور سے ظاہر ہو رہے تھے جیسا کہ مروی ہے: ''رأی النبی صلی الله علیه وسلم نخامة فی القبلة فشق ذالك علیه حتی رئی فی وجهه فقام فحکه بیده'' [رواہ البخاری، مشکوۃ ۱/۷۱] اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک بات پر گہری نظر رکھی ہے اور صحابۂ کرامؓ کی ہر اعتبار سے تربیت فرمائی ہے۔

پھر اسکے بعد علامہ شاطبیؒ موافقات میں تحریر فرماتے ہیں: ''هذا اصل اصّله ابو یزید بسطامی رحمه الله للقوم وهو انّ الولایة لاتحصل لتارك السنة وان کان جهلا منه'' [الاعتصام ۱/۹۴] کہ یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ ولایت تارک سنت کو حاصل نہیں ہوتی اگر چہ ترک جہالت ہی کی وجہ سے ہو۔

میرے دوستو! اقامت صلوٰۃ بہت بڑی چیز ہے، بہت اہم چیز ہے، غالباً

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی خشوع وخضوع کیساتھ نماز پڑھتے تھے، کسی نے کہا حضرت آپ نماز بہت اچھی پڑھتے ہیں، کہا مجھ سے اچھی مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز بھی اچھی اور خراب ہوتی ہے۔ اسی لئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ "وھو اشبه بصلوة النبی صلی الله علیه وسلم" یعنی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے سب سے زیادہ مشابہ نماز پڑھتے تھے، صحابہ میں ان کو یہ ایک امتیازی شان حاصل تھی۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت لقمان نے اپنے لڑکے کو یہ نصیحت کی کہ نماز قائم کرو، یعنی سنت کے مطابق ادا کرو، فرائض وواجبات کی رعایت تو ضروری ہی ہے، لیکن اقامت کا تقاضا ہے کہ مستحبات اور آداب کی بھی رعایت کرنا چاہئے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دعا بھی فرمائی ہے: "اللھم انی أسئلك تمام الوضوء و تمام الصلوة و تمام رضوانك و تمام مغفرتك " [مطالب عالیہ ۱/۲۵] اے اللہ! میں تمام وضو کا سوال کرتا ہوں، یعنی پورے طریقہ پر وضو کرنے کی توفیق مرحمت فرما، کامل نماز پڑھنے کی توفیق مرحمت فرما، اور ظاہر ہے کہ جب وضو پورا ہوگا تو نماز بھی پوری ہوگی اور جب نماز پوری ہوگی تو پھر اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ملے گی، اور جب رضا مل جائے گی تو اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیگا۔ یہ مغفرت کا عشرہ چل رہا ہے، جب اللہ تعالیٰ اعمال سے راضی ہوجائے گا تو مغفرت فرمادیگا، وضو ٹھیک سے کروگے، نماز ٹھیک سے پڑھوگے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیگا،

اور جب راضی ہو جائیگا تو مغفرت بھی فرما دیگا، معلوم ہوا کہ مغفرت کا مدار اعمال پر ہے، جب آدمی نیک اعمال کرتا ہے تو اس پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، اسکے بعد اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ تو اقامت صلوٰۃ معمولی چیز نہیں ہے، بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی دولت ہے، لوگوں نے بڑے بڑے فضائل اس کے ذریعہ حاصل کئے، اس کے ذریعہ بڑی بڑی کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔

نماز سے کیا ملے گا؟

میرے دوستو بزرگو! لوگ کہتے ہیں کہ نماز سے کیا ملے گا، تو سنئے! ایک تحصیلدار صاحب تھے تو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان کی بیوی اصلاح اور دعا کیلیے برابر خط لکھا کرتی تھیں، وہ نمازی تھیں اور ان کے شوہر نماز نہیں پڑھتے تھے، انہوں نے حضرت کو خط لکھا کہ حضرت! دعا کر دیجئے کہ ہمارے شوہر کو نماز کی توفیق ہو جائے، وہ یہ کہتے ہیں کہ نماز سے کیا ملتا ہے۔ حضرت تھانویؒ نے جواب میں لکھا کہ جب وہ کہیں کہ نماز سے کیا ملتا ہے تو کہہ دینا کہ نماز سے نماز ملتی ہے، چنانچہ جب خط کا جواب موصول ہوا تو تحصیلدار صاحب نے بھی اس کو پڑھا اور کہا کہ میری بیوی اتنا میرے لئے دعا کراتی ہے، لاؤ اب نماز شروع ہی کر دوں، چنانچہ انہوں نے نماز شروع کر دی۔

نماز تہجد کی برکت

یقیناً نماز بہت بڑی برکت کی چیز ہے، اللہ ہم سب کو توفیق دے، جن کے

گھروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی ان کے گھر میں سویرے کوئی اٹھتا بھی نہیں، منہ دھوتا بھی نہیں، وہ منہ بھی صاف نہیں کرتے، ان کو طہارت بھی حاصل نہیں ہوتی، اور جس گھر میں نماز پڑھی جاتی ہے، وہ لوگ صبح جلدی اٹھ جاتے ہیں، پاک صاف ہوکر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، پھر چائے وغیرہ پیتے ہیں، اور بہت چاق و چوبند رہتے ہیں، اور جو شخص تہجد کی نماز پڑھتا ہے اس کا تو پوچھنا ہی نہیں، وہ تو نشیط القلب ہوکر اٹھتا ہے، مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں آیا ہے **"فان صلی انحلت عقدۃ فاصبح نشیطا طیب النفس"** [متفق علیہ، مشکوٰۃ:۱۰۸] یعنی جو شخص تہجد کی نماز پڑھتا ہے اس کی گرہ کھل جاتی ہے اور اس کا قلب نشیط ہو جاتا ہے۔ یعنی خوش وخرم ہو جاتا ہے اور رات کی عبادت اور ذکر سے اس کو نشاط اور خاص سرور حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ کے متعلق آتا ہے کہ وہ رات بھر جاگتے تھے اور صبح کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے ہیں اور چہرہ بالکل ہشاش بشاش رہتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کے انوار و برکات ان کو حاصل ہوتے تھے۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

نماز کی برکت

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک پولیس کے آدمی تھے، ان کے ذمہ جیل کے قیدیوں کو کچہری لے جانا تھا، ایک مرتبہ وہ ایک قیدی کو لے جا رہے تھے، راستہ میں ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا، وہ نماز پڑھنے لگے، موقع

غنیمت جان کر وہ قیدی فرار ہو گیا، اب نماز سے فارغ ہو کر اِدھر اُدھر تلاش کیا لیکن کہیں نہیں ملا، وہ دوبارہ نماز میں مشغول ہو گئے، نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ مجرم کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ مجھے بیڑی اور زنجیر پہنا ئیے اور لے چلئے، انہوں نے کہا کہ کیا بات ہو گئی، ابھی تو تم بھاگ گئے تھے، اور ابھی اس طرح حاضر ہو کر یوں کہہ رہے ہو؟ تو اس نے کہا کہ جب میں بھاگتا تھا تو جس طرف جاتا تھا ادھر اندھیرا ہو جاتا تھا اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا تھا، اور جب ادھر چلتا تھا تو راستہ صاف نظر آتا تھا، اسلئے میں نے سوچا کہ جیل میں رہوں گا تو آنکھوں کے ساتھ جیتا رہوں گا۔ چنانچہ اس مجرم کو وہ سپاہی لے گئے اور کاروائی سے فارغ ہو کر دوبارہ جیل کے سپرد کیا۔ چونکہ اس سپاہی کا اللہ تعالیٰ سے تعلق تھا، انہوں نے نماز پڑھ کر اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا اور وہ ملزم بھاگ گیا، سب لوگ مجھ پر لعن طعن کریں گے کہ نماز پڑھنے کی وجہ سے ملزم بھاگ گیا، لہٰذا اس کو لوٹا دے۔ تو اللہ نے اس کی اس عاجزی اور دعا کی لاج رکھ لی اور اس کو لوٹا دیا، جب یہ واقعہ سپاہی کے افسر کو معلوم ہوا کہ ہمارا سپاہی اس درجہ کا ہے تو اس نے اس کو بلایا اور کہا کہ آج سے تمہاری یہ ڈیوٹی معاف ہے اب تم یہیں بیٹھ کر نماز پڑھا کرو۔ چنانچہ وہ فارغ ہو کر نماز ہی پڑھتا رہتا تھا۔

پس اللہ تعالیٰ نے نماز ایک بہت بڑی نعمت ہمیں عطا فرمائی ہے، نماز مؤمنین کی معراج ہے، نماز مؤمنین کیلئے تحفۂ خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے کہ ہم نماز کو اس کے تمام آداب کی رعایت کے ساتھ ادا

کرنے والے بن جائیں اوراس کے برکات سے بہرہ ور فرمائیں۔آمین

حضرت لقمان کی دوسری نصیحت

دوسری نصیحت یہ فرمائی ﴿ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ نیکی کا حکم کیا کرو۔نیکی تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ نماز ایک نیکی ہے، زکوٰۃ ایک نیکی ہے، حج ایک نیکی ہے، اس کے علاوہ بداخلاقیوں کو چھوڑ دینا بھی نیکی کا کام ہے، حسن خلق کو اختیار کرنے کا حکم دینا یہ بھی ایک نیکی ہے، صحیح راستہ بتلانا، مدد کرنا، سفارش کرنا، عیادت کرنا، زیارت کرنا یہ سب نیکیاں ہیں، نیکیاں صرف ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ﴾ ہی نہیں ہے، بلکہ ﴿ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ کہہ کر عام کردیا کہ جتنے بھلائی کے کام ہیں وہ سب نیکیاں ہیں، سب پر عمل کرو اور سب کا حکم دو۔

معروف اور منکر دو چیزیں ہیں، جس کام کو کرنے کا اللہ اور اسکے رسول نے حکم دیا ہے وہ معروف (نیکی) ہے، اور جس کام سے رکنے کیلئے کہا وہ منکر (برائی) ہے، اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام پاک میں ان لوگوں کی تعریف فرمائی جو معروف کا حکم کرتے ہیں اور منکرات سے روکتے ہیں، ﴿ یَأمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ﴾ [سورۂ آل عمران:۱۰۴] جتنی فضیلتیں ہیں وہ سب انھیں دونوں پر عمل کرنے سے مرتب ہوتی ہیں، اور تقویٰ کی تعریف بھی صاحب جلالین نے یہی فرمائی ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ،تقویٰ اگر چہ دل کا عمل ہے لیکن اس کی علامت یہ ہے کہ صاحب تقویٰ نیکیوں پر عمل کرتا ہے اور برائیوں سے بچتا ہے اور

اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اچھی باتوں کا امر کرتا ہے اور بری باتوں سے منع کرتا ہے۔

تو معروف کے معنی نیکی کے ہیں، جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج نیکی اور عبادت کے کام ہیں اسی طرح عیادت بھی خود ایک مستقل نیکی اور عبادت ہے، کسی بیمار کی مزاج پرسی کر لینا اور ''لَابَأسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالیٰ'' [بخاری، مشکوٰۃ :۱۳۴] کہہ لینا بھی ایک حدیث شریف پر عمل ہے اور نیکی و عبادت کا کام ہے۔ اسی طرح مریض کی عیادت کے وقت اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر سات مرتبہ یہ دعا پڑھنا بھی نیکی ہے:

''اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ أَنْ يَّشْفِيَكَ''

[ترمذی، مشکوٰۃ شریف :۱۳۵]

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم [متوفی: ۸ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ بمطابق ۱۷ رمئی ۲۰۰۵ء رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً] کے ہاں جانا ہوا تو دیکھا کہ جو لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو اولاً ایک شخص یہ دعا بالجہر کرتا ہے اور دوسرے لوگ آمین کہتے ہیں، اسلئے اس دعا کا بھی اپنی زندگی میں معمول بنانا چاہئے، بھائی کے یہاں جاؤ تب بھی پڑھو، بہن کے یہاں جاؤ تب بھی پڑھو، کسی رشتہ دار کے یہاں جاؤ تب بھی پڑھو، اپنی زندگی میں اس کا معمول بنانا چاہئے، اسلامی معاشرہ یہی ہے، اور یہ جو ہر موقع پر غیر اسلامی معاشرہ جڑ پکڑ رہا ہے اس کو اسلامی معاشرہ سے بدل دو، سلام بھی اسلامی طریقہ پر ہونا چاہئے، ملنا جلنا بھی اسلامی معاشرہ کے مطابق ہونا چاہئے، اپنی زبان کو بھی اسلامی و ایمانی زبان رکھنا چاہئے۔ کوئی خوشی

کی بات سنو تو الحمدللہ، ماشاء اللہ کہو، کوئی رنج کی بات سنو تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھو، اسی طرح کوئی کام کرنے کا ارادہ ہو یا کہیں جانا ہو تو مطلقاً نہ کہو کہ کل پرسوں فلاں جگہ جائیں گے بلکہ انشاء اللہ کے ساتھ کہنا چاہئے۔

دین پر عمل کرنے کیلئے معاشرہ بنانا ہوگا

معاشرہ جب صحیح ہوگا تو دین پر عمل کرنا آسان ہو جائیگا، اور اگر معاشرہ بدلے گا یعنی غیر اسلامی ہو جائیگا تو پھر انفرادی طور پر دین پر عمل کرنا بہت مشکل ہو جائیگا، حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بہت عمدہ مثال دی ہے، فرمایا کہ آج کل جو لوگ کہتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنا مشکل ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ معاشرہ ہی اسلامی نہیں جیسے کوئی حکیم آئے اور کسی مریض کیلئے زکام کا نسخہ یہ تجویز کرے کہ تم گل بنفشہ، سپستان وغیرہ جوش دے کر اس کو پیو، اب پورے شہر میں میں ڈھونڈا لیکن کہیں گل بنفشہ نہیں ملا، سپستاں نہیں ملا، اب کوئی کہے کہ حکیم لوگوں کی دوا بہت مشکل ہوتی ہے، وہ کہے گا کہ بھائی اب تمہاری کوتاہی ہے کہ تم نے اس کا استعمال ہی چھوڑ دیا تو اب کون اس کو اپنی دوکان پر رکھے گا، اس کیلئے تو معاشرہ بنانا ہوگا، اس کا استعمال کرنا ہوگا تو لوگ اس کو اپنی دوکان پر رکھیں گے اور پھر آسانی سے وہ دستیاب ہو جائے گا، اسی طرح سے شریعت پر عمل کے معاملہ میں بھی ہمیں یہی نسخہ استعمال کرنا ہوگا، آج جو ہم کو دین میں تنگی محسوس ہوتی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اس کا معاشرہ ہی نہیں بنایا، اگر

سب لوگ اس دین پر عمل کرنے لگیں تو پھر کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

ابھی پرسوں ہی لندن سے ایک بڑی مسجد کے امام صاحب کا فون آیا کہ میں تراویح میں قرآن شریف ہی نہیں پڑھ پا رہا ہوں، میں کیا کروں؟ ان کو کسی خارجی عمل کا شبہ ہے، آسیب یا سحر کا اثر ہے، تو میں نے ان سے کہا کہ اس کا علاج تو آپ کریئے لیکن ساتھ میں خمیرہ گاؤزباں یا خمیرہ مروارید کا استعمال بھی رکھیں، اس سے دماغ کو قوت آجائے گی پھر پڑھنا آسان ہو جائیگا۔ کل پھر فون آیا کہ یہاں تو خمیرہ نہیں ملتا، شاید بولٹن میں مل جائے، اور بولٹن یہاں سے کئی سو کلومیٹر دور ہے، پھر میں نے کہا کہ چھوڑ یئے ان سب کو اور آپ معوذتین پڑھ کر دم کر لیا کیجئے، اس نیت سے کہ ہمارے قلب کو سکون ہو جائے، کوئی بلا ہو تو دور ہو جائے، اس سے انشاء اللہ سکون ہو جائے گا۔ بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا اگر کسی چیز کا عمل معاشرہ میں چھوٹ جاتا ہے تو پھر اس پر عمل میں تنگی محسوس ہوتی ہے جیسا کہ وہاں لندن میں یونانی دواؤں کا چونکہ استعمال نہیں ہے اس لئے اس دوا کے ملنے میں تنگی ہو گئی اور اس کو عمل میں لانا دشوار ہو گیا۔

میرے دوستو! معاشرہ میں تبدیلی کی وجہ سے شرعی احکام پر عمل کرنا ہمارے لئے دشوار ہو گیا ہے، اگر عام رواج ہوگا تو پھر کوئی دشواری نہ ہوگی۔

چنانچہ عیادت کرنا، تعزیت کرنا، اپنے بھائی سے جا کر ملنا، ان سب چیزوں کی کتنی فضیلت ہے، روایتوں میں آتا ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من مسلم يعود مسلما غدوة الّا صلى عليه سبعون الف

ملك حتى يمسى" [رواہ الترمذی وابوداؤد، مشکوۃ ۱۳۵] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں جو شخص صبح کے وقت کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کیلئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ پھر کیوں نہیں یہ عمل کیا جاتا۔

میرے دوستو! آپ لوگوں کی کتنی بڑی سعادت کی بات ہے کہ دین کی باتوں کو سننے کیلئے اور مسلمان بھائیوں کی ملاقات کیلئے بڑودہ، احمد آباد، گودھرا اور لوناواڑہ وغیرہ شہروں سے آئے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا بہت اجر وثواب دیں گے، اور جو لوگ ان باتوں کا خیال نہیں کرتے، اس قسم کا داعیہ وجذبہ ان کے اندر نہیں ہے ان کا حال قابل افسوس ہے۔ اسلئے کہ کسی کو اس کا مال مانع ہے، کسی کو اس کے اہل وعیال مانع ہیں، کسی کو کاروبار اور کسی کو اس کا ناتمام علم ہی مانع ہے، دین کی باتوں کو سننا تک گوارہ نہیں کرتے، اگر سنیں تو اصلاح ہو جائے، لیکن سنتے ہی نہیں، پہلے سنو گے تب تو اصلاح ہوگی! ﴿سمعنا و اطعنا﴾ اطاعت کیلئے پہلے سننا ہے جہاں ذرا سا مال آ گیا تو بس سمجھتے ہیں کہ ہمیں کہیں جانے کی ضرورت ہی نہیں، اور اگر کوئی ڈاکٹر بن گیا تو سمجھتا ہے کہ میرے پاس تو بہت سے مریض آتے ہیں مجھے کہیں جانے کی کیا ضرورت، میں بھی دل کے ڈاکٹر کے پاس جاتا ہوں، دل میں سوچتا ہوں کہ ہم تو اس کے پاس آئے ہیں اپنے اس ظاہری دل کے علاج کیلئے، اور یہ تو ہم سے بھی بڑا دل کا مریض ہے، ہم تو قلب ملکی کے مرض میں مبتلا ہیں، اور یہ قلب ملکوتی کے مرض میں مبتلا ہے، میں مروں گا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ دو گز زمین کے نیچے چلا جاؤں گا، اور اگر یہ مریگا تو اپنے کفر وشرک کی وجہ سے کروڑوں

میل نیچے چلا جائے گا۔ میرے دوستو! شرک، کفر اور نفاق جس قلب میں ہو وہ دل شدید بیمار ہے، قرآن کریم میں ہے ﴿فی قلوبهم مرض﴾ ان کے قلب میں مرض ہے، یہ جو گوشت کا لوتھڑا ہے وہ قلب نہیں بلکہ جو قلب باطنی ہے جسے ملکوتی قلب کہتے ہیں جس پر سعادت وشقاوت کی بنیاد ہے، اس کے اندر شرک ہے، اس کے اندر کفر ہے، اس کے اندر نفاق ہے، اس کے اندر کبر ونخوت ہے، یقیناً یہ امراض قلبیہ اس مرض قلبی سے کہیں زیادہ خطرناک اور مہلک ہیں۔ اعاذنا اللہ

بداخلاق کی سزا

ایک حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان العبد ليبلغ من سوء خلقه اسفل من درك جهنم'' [الطبرانی] یعنی انسان اپنی بداخلاقی کی وجہ سے جہنم کے سب سے نچلے حصہ میں ڈالا جائیگا۔

دوستو بزرگو! یہ بداخلاقیاں ایسی مہلک ہیں جن کے اصلاح کی بہت کم لوگوں کو فکر ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ بہت ہی عمدہ بات ہے کہ آپ لوگ اسی اصلاح کی خاطر آئے ہیں، یہ طلب ہے انشاء اللہ اس سے رہبری اور رہنمائی ہوگی اور انشاء اللہ اس سے اصلاح ہو جائیگی، ہوسکتا ہے کہ ایک ہی مرتبہ آنے پر اللہ تعالیٰ نجات کا فیصلہ کردے، کوئی ٹھکانہ نہیں، اللہ کی ذات غنی ہے کہ اس تھوڑے عمل کو اپنی رحمت سے قبول فرمائیں اور جہنم سے نجات دے کر جنت میں داخل فرمادیں۔

بہر حال میرے دوستو بزرگو! قلب کے اندر امراض اور بیماریاں ہوتی ہیں، جن کی اصلاح ضروری ہے، اگر کسی کو کینسر کی بیماری ہے تو چند دن یا چند مہینے اس بیماری کو جھیلے گا اور پھر اس دنیا سے رخصت ہو جائیگا اور اس بیماری سے نجات مل جائیگی۔ لیکن وہ بیماریاں جو قلبی ہیں یعنی بغض وحسد اور کبر وکینہ وغیرہ ان کی اصل سزا تو مرنے کے بعد ہی ملے گی۔ زندگی میں جو چاہو کرو، جتنی بھی انانیت، کبر اور بڑائی، رعونت ونخوت کرنا چاہو کرو لیکن مرنے کے بعد سب پتہ چل جائے گا کہ اس کی کیا سزا مل رہی ہے۔

فسوف ترى اذا انكشف الغبار

أ فرس تحت رِجلك أم الحمار

گرد وغبار چھٹے گا تب پتہ چلے گا کہ تم گھوڑے پر سوار ہو یا گدھے پر۔

آنکھ بند ہوتے ہی پتہ چل جائیگا کہ بلکہ جاں کنی کی حالت میں ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے کہ کیا ہے، جو مؤمن ہوتا ہے اس سے کہا جاتا ہے " اذا كان الرجل صالحاً قالوا اخرجي ايتها النفس الطيبة كانت في الجسد الطيب اخرجي حميدة وابشري بروح وريحان ورب غير غضبان" فرشتے قریب المرگ کے پاس آتے ہیں اگر وہ نیک ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اے پاک جان! تو پاک بدن میں تھی اس حال میں نکل کہ تیری تعریف کی گئی ہے اور تجھے خوشخبری ہے سکون کی اور جنت کے رزق کی اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی۔

اور جو اس کے برعکس ہوتا ہے یعنی کافر، اس سے کہا جاتا ہے "اخرجي

ایتها النفس الخبیثة کانت فی الجسد الخبیث اخرجی ذمیمة وابشری بحمیم و غساق" [رواہ مسلم، مشکوۃ/۱۴۱] اے خبیث جان جو خبیث بدن میں تھی اس حال میں نکل کہ تیری برائی کی گئی ہے اور یہ خبر سن لے کہ تیرے لئے گرم پانی اور پیپ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے " الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر" [رواہ مسلم، مشکوۃ/۴۳۹] یعنی دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ اسلئے جب وہ اپنا جہنم کا ٹھکانہ دیکھے گا تو کہے گا کہ دنیا ہی میں ہم مزے میں رہے، چاہے وہ فقر و فاقہ میں ہی کیوں نہ رہا ہو، لُو دھوپ ہی میں کیوں نہ رہا ہو، لیکن جہنم کے عذاب سے تو کم ہی تھا۔ برخلاف مؤمن کے جب وہ اپنا ٹھکانہ دیکھے گا تو کہے گا کہ ہمیں دنیا میں کیوں روک رکھا ہے؟ ہمیں ہمارے ٹھکانے پر پہنچادو۔ کیونکہ ہم جنت کی خوشبوؤں کو سونگھ رہے ہیں، جنت کی زیبائشوں کو ہم دیکھ رہے ہیں، دنیا کی زیبائش کوئی زیبائش نہیں، یہاں کی کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا " ما لاعین رأت ولاأذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر " [متفق علیہ، مشکوۃ شریف:۴۹۵] ایسی نعمتیں ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کبھی اس کا خیال کسی انسان کے دل و دماغ میں آیا ہوگا۔ یعنی ایسی صورتیں ہوں گی جنہیں کبھی کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہوگا اور ایسے نغمے ہوں گے کہ کبھی کسی کان نے نہ سنا ہوگا، اور ایسے ایسے علوم و معارف ہوں گے کہ قلب بشر پر کبھی اس کا گذر نہیں ہوا ہوگا، وہاں نغمات وگانے

سننا منع نہیں ہے، یہاں گانوں اور نغمات کو چھوڑ و گے تو وہاں کے نغمات سنو گے، یہاں کی شہوات کو چھوڑ و گے تو پھر وہاں شہوات پر تمہاری حکومت چلے گی، ﴿ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلاً مِّنْ غَفُوْرٍ رَحِيْمٍ﴾ [حم سجدہ:۳۱] (اور جنت میں تمہارے لئے ہر وہ چیز موجود ہوگی جس کی تمہارا دل خواہش کریگا اور جو تم وہاں طلب کرو گے وہ تم کو ملے گا یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور مہمانی کے ہوگا جو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔) اب کیا ہے! چند دن کیلئے شہوت کو دباؤ، مٹاؤ بھی نہیں بلکہ صرف دباؤ، پھر جنت میں تمہاری حکومت رہے گی، تمہاری مشیت چلے گی، جو بھی دل میں آئے کرو کوئی روک ٹوک نہ ہوگی، اللہ کے ارشاد کے مطابق اللہ کی مشیت پر چلو گے تو کل کے دن تم اپنی مشیت سے چلنا، ہم بالکل اختیار دے دیں گے۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو بنایا ہے، اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا خاص مقام رکھا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسوہ بنا کر بھیجا ہے، ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [سورہ احزاب/۲۱] (یقیناً تم لوگوں کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمدہ نمونہ موجود تھا۔) اسلئے ان کے اعمال کو بھی دیکھو اور اخلاق کو بھی دیکھو کہ کیا اعمال تھے اور کیا اخلاق تھے، پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اخلاق کو اختیار کرو گے اور اعمال کے مطابق چلو گے تو انشاء اللہ العزیز آنکھ بند ہوتے ہی اپنا ٹھکانا بلکہ زندگی میں اپنا ٹھکانا دیکھ لو گے، اور وہ ایسا ٹھکانا اور خزانہ ہوگا کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، یہاں صدر و وزیروں کو ایک ایک بیگہ دو دو

بیگہ پر مشتمل محل، بنگلہ مل جاتا ہے تو وہ کتنا ناز کرتے ہیں مگر وہ کتنے دن اس میں رہیں گے، اس کی حقیقت سن لو ۔

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھہری جانے والی جائے گی

سنو! بہت سے بڑے لوگ ایسے بھی ہوئے کہ پاخانہ میں جا کر مر گئے ان کا کوئی پرسان حال نہیں رہا، کنڈی توڑ کر کے نکالے گئے، یہ ہے محل یہاں کا اور یہ ہے بنگلہ یہاں کا۔

اور وہاں کی زندگی ہمیشہ ہمیش کی زندگی ہے، وہاں موت نہیں ہوگی بلکہ موت کو بھی موت آجائیگی، حدیثوں میں آتا ہے:

”جئی بالموت حتی یجعل بین الجنة والنار ثم یذبح “

[متفق علیہ، مشکوۃ ر ۴۹۳]

یعنی موت کو لایا جائیگا اور جنت اور جہنم کے درمیان رکھ کر اسے ذبح کر دیا جائیگا۔ جیسے اللہ نے موت کو پیدا کیا ویسے اس کو موت بھی دیں گے، اب جو جنت میں ہے وہ جنت میں رہے گا اور جو جہنم میں ہے وہ جہنم میں رہے گا، اب کسی کو موت نہیں آئے گی، یہاں تو موت مصیبتوں کا بھی خاتمہ کر دیتی ہے اور نعمتوں کا بھی خاتمہ کر دیتی ہے، یہاں کی موت ” ھاذم اللّذات “ یعنی لذتوں کو توڑ دینے والی ہے، اسی طرح مصیبتوں کو بھی ختم کر دینے والی ہے، یعنی موت جیسے لذات کو توڑنے والی ہے اسی طرح مصیبتوں بھی توڑ دینے والی ہے، مصیبت

موت تک ہی تو ہے، موت آئی مصیبت ختم، اس بنا پر میرے دوستو! وہاں موت ہی نہیں رہے گی، جو جہنم میں ہے جہنم میں ہی رہے گا اور جو جنت میں ہے وہ جنت میں ہی رہے گا، ﴿خَالِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ہمیشہ ہمیش رہے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی زبان پر یہ نصیحتیں جاری فرمائیں کہ:

﴿یَا بُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ نماز کو قائم کرو، اچھی باتوں کا حکم دو اور بری باتوں سے روکو، گانا بجانا یہ سب منکرات میں سے ہیں، تھوڑی سی محنت پڑیگی، کان ذرا سا بند کرلو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے موقع پر اپنے کانوں کو بند کر لیتے تھے، بری اور نامشروع چیز سامنے آجاتی تو آنکھوں کو بند کر لیتے تھے، یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں کا حکم نہیں دیتا جس کو بندہ نہ کر سکے، سب کو کرنے کی قدرت ہے، یہ صرف نہ کرنے کا بہانہ ہے، صرف شیطان کا اغوا ہے اور نفس کا دھوکہ ہے۔

حضرت لقمان کی تیسری نصیحت

میرے دوستو! ایک نصیحت یہ بھی کی کہ ﴿وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ یعنی منکر سے لوگوں کو روکو اور اپنے کو برائی سے بچاؤ، ظلم سے بچاؤ، ظلم نہ کرو، اپنے ہاتھ سے، اپنی زبان سے کسی کو اذیت نہ پہنچاؤ، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده" [رواہ الترمذی والنسائی مشکوٰۃ: ۱۵] مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ سالم رہیں۔ اگر زراعت

کرر ہا ہے تو جھوٹے اور غلط طریقے سے کسی کی زمین ہڑپ نہ کرے، ابھی لندن سے ٹیلی فون آیا تھا یہی کہہ رہے تھے کہ ہماری زمین ایک شخص ہڑپ کرر ہا ہے، بہت پریشان تھے، وہاں بھی یہ سب چل رہا ہے، غلط سلط نام لکھوا لیتے ہیں اور زمین، مکان وغیرہ اپنے نام کر لیتے ہیں، کتنی بڑی اذیت کی بات ہے، مسلمان کی شان یہ ہے کہ زبان تو زبان اس کے قلم سے بھی لوگ محفوظ رہیں۔ قلم بھی زبان کے ہی کے حکم میں ہے۔

منکرات بہت ہیں، شراب پینا، رشوت لینا، غبن کرنا، غصب کرنا، کسی کو مارنا پیٹنا، قتل کرنا، یہ سب منکرات ہیں، اللہ تعالیٰ کو منکرات پسند نہیں ہیں، انہیں منکرات میں سے ایک منکر بے پردگی بھی ہے۔ جہاں تک ہو سکے پردہ کا اہتمام کرو۔ اس کی وجہ سے بہت سی برائیاں پھیل رہی ہیں۔ اسی بنا پر شریعت مطہرہ نے پردہ کیلئے کہا ہے، مردوں کو چاہئے کہ اپنی عورتوں کو پردہ میں رکھیں، آج پردہ نہ ہونے کی وجہ سے ایسی ایسی باتیں سننے میں آ رہی ہیں جو ایک مسلمان کی شان کے خلاف ہے، اس بنا پر منکرات سے خود بھی بچے اور دوسروں کو بھی بچانے کا اہتمام ہونا چاہئے، بدنظری، بدسمعی، یہ سب منکرات ہیں، ان سے بچنے کی مکمل کوشش کرنا چاہئے، ایسی جگہ نہ جاؤ جہاں جانے سے شریعت مطہرہ منع کرتی ہے۔

حضرت لقمان کی چوتھی نصیحت

بہرحال اس آیت کریمہ میں حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرر ہے ہیں

﴿ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ﴾ اور صبر کرو اس پر جو تم کو پہنچے، مثلاً کوئی گالی دے اس پر صبر کرو، اخلاق میں صبر کا خاص مقام ہے اگر اسی کو "سید الاخلاق" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ پس اگر کوئی سخت بات کہے اسکے جواب کے بجائے خاموشی اختیار کرلو اس کا بہت ثواب ملے گا، ایک بات کسی نے آپ کو کہی، وہ بات آپ نے اس کو کہہ دی، اس سے لوگ یہ سمجھیں گے کہ آپ بہت قوت والے ہیں، لیکن اگر صبر کرلیں گے تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ آدمی بہت زیادہ متحمل مزاج ہے، صابر ہے، اس میں زیادہ تعریف ہے۔

معاصی سے رک جانا صدیقین کا کام ہے

صبر کرنا، برداشت کرنا، ضبط کرنا یہ بہت اچھی خصلت ہے، بہت بڑی تعریف کی بات ہے، کسی نے اپنی آنکھوں کو روک لیا، اپنے کانوں کو روک لیا، اپنی زبان کو روک لیا، قدرت تھی کہ اس کو جاری کر دیتے، آنکھوں کو کھول کر نامشروع چیز کو دیکھ سکتے تھے، کانوں کو کھول کر گانا بجانا سن سکتے تھے، ہاتھ پیر کا غلط استعمال کر سکتے تھے، زبان سے غلط باتیں کہہ سکتے تھے، مگر چونکہ اللہ نے ان سب باتوں سے منع کیا ہے اس لئے رک گئے اور اس پر صبر کرلیا، یہ بہت بڑی کرامت ہے، طاعت پر عمل کرنا صالحین کا کام ہے اور معاصی سے رک جانا صدیقین کا کام ہے صالحین سے صدیقین کا درجہ بڑھا ہوا ہے، سب سے بڑا درجہ انبیاء کا، پھر صدیقین کا پھر شہداء کا اور پھر صالحین کا ہے، صدیقین انبیاء کے بالکل قدم کے نیچے ہوتے

ہیں، انبیاء کے قدم بقدم چلتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ انبیاء کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے، نبوت کا درجہ ان کو نہیں مل سکتا ہاں البتہ صدیقیت کا درجہ مل سکتا ہے، دیکھئے! صدیقین کا کتنا بڑا مقام ہے، تو صدیقین وہ ہیں جو معصیت سے بچتے ہیں۔ اس سے معصیت سے بچنے کی کتنی اہمیت معلوم ہوئی۔

امام بخاریؒ صدیقین میں سے تھے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کہ انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ مجھ سے غیبت کے بارے میں سوال نہیں کریگا، اس سے علماء نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی صدیقین میں سے تھے کیونکہ صدیقین ہی غیبت سے بچتے ہیں اور جب وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غیبت کے بارے میں مجھ سے نہیں پوچھے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ بھی صدیقین میں سے تھے۔

طریق کی بنیاد دو چیزوں پر ہے

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس طریق کی بنیاد دو چیزوں پر ہے:

۱ ..... تأمل۔

۲ ..... تحمل۔

تأمل کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی کام کرو سوچ کر کرو کہ یہ جائز بھی ہے یا نہیں، اور تحمل کا مطلب یہ ہے کہ خلاف طبیعت کوئی بات پیش آئے، کوئی مصیبت پیش آئے تو صبر کرو، بس پورے طریق کی بنیاد ان دو چیزوں پر ہے۔

ان نصیحتوں کے بعد یہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ﴾ بیشک یہ ہیں ہمت کے کام۔ یعنی یہ بڑے حوصلہ کی بات ہے، ان چیزوں پر عمل کرنا ہر کس وناکس کا کام نہیں بلکہ جس کا پختہ عزم اور بلند حوصلہ ہوگا وہی ان باتوں پر عمل کر سکے گا۔

خلاصۂ کلام

آگے اور بھی نصیحتیں ہیں، لیکن یہ مذکورہ چار نصیحتیں ہی کیا کم ہیں اگر عمل ہو جائے، وہ نصیحتیں یہ ہیں: نماز قائم کرو، معروفات کا امر کرو، خود بھی عمل کرو اور دوسروں کو بھی نیک باتوں کا حکم کرو، منکرات سے خود بھی بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ اور اس میں جو بھی پریشانی اور مصیبت پیش آئے اس پر صبر کرو، کیونکہ یہ سب باتیں عزم امور یعنی بڑے حوصلہ کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان نصیحتوں پر ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائے، اور جو جو نصیحتیں فرمائی ہیں چاہے قرآن مجید میں ہوں یا حدیث شریف میں ہوں یا بزرگوں نے فرمائی ہوں، اللہ تعالیٰ ان سب نصیحتوں پر ہم سب لوگوں کو عمل کی توفیق دے۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

دعا کیجئے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ، وَالصَّلَاۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے ان نصیحتوں پر عمل کرنیکی توفیق دے، یا اللہ! ہماری نمازوں کو درست فرمائیے، اپنی مرضی کے مطابق نمازوں کو ادا کرنیکی توفیق دے، یا اللہ! اپنی مرضی کے مطابق تلاوت کرنیکی، ذکر کرنیکی توفیق مرحمت فرمائیے، روزہ رکھنے کی اور دیگر عبادات اپنی مرضی کے مطابق کرنیکی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! حج، نماز، روزہ اور دیگر تمام اعمال صالحہ میں شریعت کے اصول کے مطابق ادا کرنیکی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! ہمارے اخلاق کو بھی درست فرما، ہمارے معاملات کو بھی درست فرما، ہمارے عقائد کو بھی درست فرما، یا اللہ! رمضان میں تقویٰ کی نعمت سے ہم سب لوگوں کو مشرف فرما، لباسِ تقویٰ سے آراستہ فرما، یا اللہ! قرآن پاک کے فیوض و برکات سے ہم سب لوگوں کو مالا مال فرما، یا اللہ! ہم سب لوگ جو یہاں جمع ہیں، اسے قبول فرما، یا اللہ! ہمارے کہنے کو، سننے کو، یہاں آنے کو، مشقت برداشت کرنے کو قبول فرما، یا اللہ! مزید ہمارے اندر طلب پیدا فرما، مزید ہمت اور حوصلہ پیدا فرما، مزید عزم پیدا فرما، عزم امور پر عمل کرنیکی ہم سب کو توفیق عطا فرما، یا اللہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل، تمام

صحابۂ کرام اور اولیاء عظام کے طفیل ہمارے اس آنے کو قبول فرما، اور ہماری تمام دعاؤں کو قبول فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

﴿ يَا بُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِہ ﴾

حضرت لقمان علیہ السلام کی

چار نصیحتیں

جزءدوم

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

۱۶ر رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء مسجد دار العلوم کنتھاریہ، بھروچ گجرات

فہرست مضامین

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِيْكَ لَهٗ ، وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ، أَمَّابَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿يَابُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [سورۂ لقمان:١٦] صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ ـ

دوستو بزرگو اور عزیزو! کل جس آیت کی تلاوت کی تھی آج بھی اسی آیت کی تلاوت کی تا کہ اس مفید مضمون کی تکرار ہو جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحتیں ہیں، اور ہر ایک نصیحت آب زر سے لکھے جانے اور اپنا معمول بنائے جانے کے لائق ہے، میں نے کہا تھا کہ اس

نصیحت کی فضیلت کیلئے یہی کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس کا ذکر فرمایا ہے، اپنے ایک ولی کی نصیحت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں جگہ دیا اس کی فضیلت کیلئے یہی کافی ہے۔ اب تلاوت کی ہوئی آیت کے متعلق سنئے:

ایک فطری اور طبعی بات

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو خطاب کیا ''یَا بُنَیَّ'' سے، یعنی اے میرے پیارے بیٹے! یہ ایک نہایت ہی محبت اور پیار بھرا خطاب ہے، ظاہر بات ہے کہ اس قدر محبت بھرے خطاب سے کسی لڑکے کو خطاب کیا جائیگا تو وہ یقیناً خوش ہو جائیگا اور فوراً متوجہ ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ خطاب میں ایسی رعایت ہونی چاہئے کہ خطاب میں دلکشی ہو جائے اور مخاطب کی رعایت کا پورا سامان ہو جائے، جب مخاطب کے مناسب حال خطاب کیا جاتا ہے تو اس سے اس کو خوشی و مسرت ہوتی ہے، میں نے کہیں لکھا ہوا دیکھا کہ آدمی سب سے زیادہ خوش اس بات سے ہوتا ہے کہ اس کو بیٹھنے کیلئے اچھا مقام دیا جائے، اسی طرح اچھے خطاب سے جب یاد کیا جاتا ہے تو بھی خوش ہوتا ہے، یہ ایک فطری اور طبعی بات ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے، کچھ دیر بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو قریب بلالیا اور اپنے پاس بٹھایا، اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، اور فرمایا

کہ کریم کو کریم ہی سمجھ سکتا ہے، کریم ہی کریم کی قدر کرتا ہے، ظاہر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ ﷺ کے داماد تھے، داماد کا ایک وقار اور ایک مقام سمجھا جاتا ہے، اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس سے خوش ہوئے ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو خاص جگہ پر بیٹھانا خوشی و مسرت کی بات ہے۔

اسی طرح اگر خطاب بھی اچھے الفاظ سے ہو تو یہ بھی خوشی کی بات ہے، وعظ ونصیحت میں اگر اچھے خطاب سے کسی کو مخاطب کیا جائے تو اس سے اس کو طبعی طور پر خوشی ہوتی ہے اور اس کا اچھا اثر پڑتا ہے۔ اور یہ خوش ہونا کوئی عجب یا کبر کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ انسانی فطرت وطبیعت کا ایک تقاضا ہے، بہر حال میں یہ کہہ رہا ہوں کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ''یَا بُنَيَّ'' سے پکارا جو نہایت جاذب قلب خطاب ہے ظاہر بات ہے کہ جب انہوں نے اتنے اچھے خطاب سے یاد کیا تو صاحبزادے بھی عظمت ومحبت کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوئے ہوں گے اور عرض کئے ہوں گے کہ فرمائیے میرے ابا جان! آپ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہیں، میں آپ کی ہر نصیحت ماننے اور عمل کرنے کیلئے تیار ہوں۔

جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیار بھرے لہجہ اور الفاظ میں یوں خطاب فرمایا ﴿يَا بُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى﴾ [الصافات: ۱۰۲] ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا برخوردار! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے۔ تو اسماعیل علیہ السلام نے عظمت ومحبت کے ساتھ

فرمایا﴿ یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ [الصافات: ۱۰۲] ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجئے انشاء اللہ آپ مجھ کو صابرین میں سے پائیں گے۔

ایک مصری عالم کا خطاب

مجھے یاد آتا ہے کہ جب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا پچاسی سالہ اجلاس ہوا تھا تو اس میں ایک مصری عالم کا بھی خطاب تھا، جب وہ مجمع سے خطاب کرنے کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا: ”أیها الإخوة!“ اے بھائیو! اور پھر انہوں نے کہا کہ مجھ کو آپ لوگوں کے خطاب کیلئے اس سے زیادہ پیارا کوئی لفظ نہیں ملا، اس بنا پر میں نے آپ حضرات کو ”أیها الإخوة!“ سے خطاب کیا۔

اسی طریقہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ہمیں جو ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے خطاب فرماتے ہیں اس میں بڑی کشش ہے، ہما شما کو اس کی قدر نہ ہو اور اس کی عظمت نہ ہو یہ اور بات ہے لیکن اس سے بڑھ کر دلار و پیار کا کوئی خطاب ہو ہی نہیں سکتا۔

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نہایت پیار و محبت کے الفاظ سے خطاب کیا، اس کے بعد جو اہم باتیں تھیں وہ بیان فرمائیں۔ چنانچہ بیان فرمایا کہ عقائد میں سب سے اول و اہم عقیدہ توحید کا ہے اس کے مقابلہ میں سب سے مذموم اور برا عقیدہ شرک ہے اس لئے اس سے منع کیا

۔اسکے بعد اعمال کا درجہ ہے اور اعمال میں سب سے افضل عمل نماز ہے، اسلیئے اس کا امر فرمایا۔نماز کی اللہ کے نزدیک بڑی قدر ہے اسی بنا پر میں نے چند روز قبل کہا تھا کہ انبیاء وصالحین کے ناخلفوں کی ناخلفی کو بتانے کیلیئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اضاعت صلوٰۃ کو ذکر کیا، چنانچہ ارشاد باری ہے : ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ [سورۂ مریم:۵۹] پھر انبیاء کرام کے بعد کچھ ایسے لوگ ان کے خلیفہ ہوئے جو نہایت نا ہنجار ونالائق تھے، ''بدنام کنندۂ نکونامے چند'' کے مصداق تھے، اپنے باپ دادا کے نام کو بدنام کرنے والے تھے، انہوں نے سب سے پہلے نماز سے غفلت برتی اور اس کو ضائع کردیا، اور اس کے بعد شہوت کے پیچھے پڑ گئے، دیکھئے! ان کی ناہنجاری کو ذکر کرنے کیلیئے اتباع شہوات سے پہلے اضاعت صلوٰۃ کا ذکر کیا، اضاعت کے مقابلہ میں اقامت ہے، اور اقامت کے مقابلہ میں اضاعت، لہٰذا معلوم ہوا کہ جب نماز کی اضاعت سب سے بڑی نالائقی و نااہلیت کی بات ہے تو نماز کی اقامت سب سے زیادہ صلاحیت اور اہلیت کی بات ہوگی۔

ایک عملی تبلیغ

ہمارے مرشد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر آج سب مسلمان جماعت سے نماز پڑھنے لگیں تو غیر مسلم مرعوب ہوجائیں، اور اسلام کی طرف کشش پیدا ہوجائے، اور فرماتے تھے کہ یہ عملی تبلیغ ہے، نماز پڑھتے دیکھ کر

لوگوں کو اسلام کی طرف کشش ہوتی ہے، اور جو مسلمان نماز نہیں پڑھتے ان کی وقعت غیر مسلموں کے دلوں میں بھی کم ہوجاتی ہے، ہم لوگ اکثر سفر کرتے رہتے ہیں، جب سفر میں نماز کا وقت ہوتا ہے تو ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں اس کی لوگوں کو قدر ہوتی ہے، بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اگر جگہ کی تنگی ہوتی ہے تو لوگ ہٹ جاتے ہیں، اور جو مسلمان نماز نہیں پڑھتے ان کی طرف غیر مسلم بھی زیادہ توجہ نہیں دیتے، حالانکہ وہ غیر مسلم ہیں لیکن اب بھی ان میں نماز کا احترام باقی ہے، اب تک میں نے نہیں دیکھا کہ نمازی کے سامنے سے کسی غیر مسلم نے گذرنے کی کوشش کی ہو، ٹی ٹی بھی کھڑے ہوجاتے ہیں، اور دیگر آنے جانے والے اور خوانچہ فروش بھی رک جاتے ہیں، کبھی کسی نے ناگواری کا اظہار نہیں کیا کہ کیا راستے میں نماز پڑھنے لگے، اور مسلمان کسی اور معاملہ میں تو نہیں مگر نماز کے بارے میں خیال کرتا ہے کہ نماز سے لوگوں کو تکلیف ہوجائیگی، مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ نماز نہ پڑھنے کا محض بہانہ ہے، اور غیر مسلموں کا حال یہ ہے کہ وہ نماز کی قدر کرتے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دہلویؒ نے لکھا ہے کہ امت محمدیہ کی خصوصیت توریت میں یہ لکھی ہے جو حضرت کعبؓ سے منقول ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی دھوپ کا ہر وقت لحاظ رکھیں گے (تاکہ نمازوں کو وقت پر ادا کرسکیں) جب نماز کا وقت آیا کریگا خواہ وہ کسی حالت میں ہوں نماز ادا کریں گے، حتیٰ کہ اگر کوڑا کرکٹ کی میلی جگہ پر ہوں جب بھی نماز وقت پر ادا کریں گے۔ اس کو میں نے اپنی مؤلفہ "اقوال سلفؒ" [جلد پنجم صفحہ ۲۸۷] میں بھی ذکر کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الصلوۃ عماد الدین" [فیض القدیر ۲۴۸/۴] نماز دین کا ستون ہے۔ نماز کو قائم کرنا بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

نیز ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں: "من ترك الصلوۃ متعمدا فقد کفر" [الترغیب والترہیب ۴۳۵/۱] جس نے نماز کو قصداً ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا، اس کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ تارک نماز کافر ہو جاتا ہے، حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا البتہ کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تو نماز کا چھوڑنے والا کافر ہی ہو جاتا ہے، نہ بھی ہو مگر قریب الکفر ہو جانا کیا کوئی معمولی بات ہے؟ اعاذنا اللہ تعالیٰ

نماز کے ضمن میں دیگر امور خیر کی تعلیم کی تاکید

نماز اللہ اور اس کے بندے کے درمیان وُصلہ ہے، جو نماز سے تعلق توڑتا ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ سے بھی تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ اس بنا پر نماز کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مروا اولادکم بالصلاۃ وهم ابناء سبع سنین واضربوهم علیها وهم ابناء عشر سنین وفرقوا بینهم فی المضاجع" [رواہ ابوداؤد، مشکوۃ: ۵۸] کہ جب بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا امر کرو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز کے ترک کرنے پر ان کو مارو اور ان کے بستروں کو الگ الگ

کردو۔ بھائی بہن اگر ایک جگہ سوتے ہیں تو اس کو الگ کردو، اسی طرح دوسری تمام برائیوں سے بچانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اسی طرح صرف نماز ہی کا نہیں بلکہ دیگر امور شرعیہ میں بھی ان کو پابند کرنے کا خیال رکھا جائیگا، مثلاً اگر روزہ رکھ سکتے ہیں تو ان کو روزہ کی عادت بھی ڈالو، انفاق فی سبیل اللہ کی بھی ان کو عادت ڈالو، جتنے امور خیر ہیں ان کے کرنے کا حکم دو اور ان کی تعلیم کا اہتمام کرو، صرف نماز کا حکم کردینے کی وجہ سے تمام امورِ خیر کی تعلیم کا حکم آ گیا۔ جب نماز جیسی بڑی اور مشکل چیز کا حکم دیا گیا ہے تو اس کے ضمن میں دیگر تمام اعمال جو نماز سے کم درجہ کے ہیں ان کا ذکر بدرجہ اولیٰ ثابت ہو رہا ہے، اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی اولاد کو تمام امور خیر کی تعلیم دیں، اور ان کی تربیت کا خوب خیال رکھیں۔

ہماری کتاب ''تربیت اولاد کا اسلامی نظام'' اس سلسلہ میں بہت اہم کتاب ہے، جو دراصل ایک شامی عالم علامہ عبداللہ علوانؒ کی تالیف ہے، جس کا اردو زبان میں ترجمہ مولانا حبیب اللہ مختار صاحب (کراچی، بنوری ٹاؤن) نے دو جلدوں میں کیا۔ (افسوس کہ ایسے باصلاحیت عالم کو گولی مار کر شہید کردیا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون) اسی کتاب کی میں نے تلخیص کی ہے، چونکہ اس کتاب کے بارے میں عرب علماء کرام نے لکھا ہے کہ آج تک تربیت اولاد کے بارے میں ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی، اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اسکی تلخیص کا کام کرالیا اور اس کے ترجمہ میں کچھ کمی زیادتی تھی اس کو درست کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی، اللہ کا فضل و کرم اور احسان ہے کہ اسکا انگریزی ترجمہ بھی ہو گیا اور پرسوں ہی طبع ہو کر یہ

کتاب یہاں آئی ہے، اور یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ اس کا گجراتی زبان میں ترجمہ مکرم عبدالقادر فاتی والا زید مجدہ نے مکمل کرلیا ہے، (جواب الحمدللہ طبع ہوچکی ہے) جو گجراتی زبان کے بہت مشہور ومعروف مترجم ہیں، بہت فصیح و بلیغ ترجمہ کرتے ہیں، اس سے قبل ہمارے لڑکے مولوی محبوب سلمہ کی کی کتاب "تصفیة القلوب" ترجمہ "تزکیة النفوس" ملقب بہ" شفائے دل" کا بھی گجراتی زبان میں ترجمہ کیا جو ماشاء اللہ بہت مقبول ہوا، اسی طرح تربیت اولاد کا بنگالی زبان میں بھی ترجمہ ہورہا ہے، (الحمدللہ طبع ہوچکی ہے) جس کے مترجم مولانا منظور عالم صاحب قاسمی ہیں جو ہمارے مدرسہ کے مدرس مولوی نورالانوار کے چچا ہوتے ہیں۔ دنیا میں بنگالی حضرات بھی بہت ہیں، جیسا کہ گجراتی حضرات۔

شریعت کا کمال

تو میں کہہ رہا تھا کہ تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں اس کتاب میں بہت مضامین ہیں، ایک انگریز کا قول لکھا ہے کہ جب بچہ ششکاری کو سمجھنے لگے اسی وقت سے اسکی تربیت شروع کردینی چاہئے، اور ہم لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ دس پندرہ سال تک بچے کو تربیت کی ضرورت ہی نہیں، جب بڑا ہوگا تب تربیت کی جائیگی، یہ ایک بہت ہی غلط نظریہ ہمارے اندر جڑ پکڑ چکا ہے، جب کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں کہ جب تمہارے بچے سات سال کے ہوجائیں تو نماز کا حکم کرو، اور بھائی بہن کے بستروں کو الگ الگ کردو، اس پر علامہ شامی نے بہت عمدہ

بات لکھی ہے کہ شارع علیہ السلام کی کتنی بڑی خوبی کی یہ بات ہے کہ دس سال کی ہی عمر سے تمام وہ بداخلاقیاں جو پیش آسکتی ہیں ان سے بچانے کیلئے کتنا زبردست اہتمام کیا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابھی اس کی کیا ضرورت ہے، ایسا واقعہ کہاں نہیں ہوتا ہے تو یہ نادانی کی بات ہے، سن لو مثل مشہور ہے:" لا تسلم جرة کل مرة " ہر مرتبہ گھڑا سالم نہیں ہوتا، اسلئے کہ گھڑا سیکڑوں مرتبہ صحیح سالم لوٹتا ہے مگر بعض مرتبہ کنویں میں مٹی کا گھڑا ڈالا جاتا ہے مگر گھڑا کنویں کی دیواروں سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتا ہے اور اندر کا اندر ہی رہ جاتا ہے، اور صرف رسی واپس آتی ہے۔

تو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہ نہ سمجھو کہ اتنے دنوں تک تو کچھ نہیں ہوا لہٰذا اب بھی کچھ نہیں ہوگا، ہونے کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے، ہونے والا کام ہو جاتا ہے، کوئی روک نہیں سکتا۔ اس بنا پر شریعت کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ جو چیزیں متوقع ہیں، جن کے وقوع کا امکان ہے، ان سے بھی شریعت نے منع کر دیا ہے۔ فَلِلّٰهِ دَرُّ الشَّارِعِ

سنت کے مطابق نماز پڑھنے کی ترغیب دی جائے

بہر حال میرے دوستو! تربیت کا مسئلہ بہت ہی اہم ہے، ابھی سے اضاعت صلوٰۃ پر نکیر کی جائے، نماز کی تاکید کی جائے، سنت کے مطابق نماز پڑھنے کی ترغیب دی جائے، ایک بزرگ تھے، انہوں نے ایک سن رسیدہ بوڑھے آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا تو رونے لگے، کسی نے کہا کہ حضرت! آپ کیوں رو رہے ہیں؟

فرمایا کہ یہ سنت کے خلاف نماز پڑھ رہا ہے اس کے بیٹے پوتے سب اسی کو دیکھ کر نماز پڑھیں گے تو اس کے ذریعہ سے اسی طرح خلاف سنت نماز پڑھنے کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

گھر میں جب بڑے لوگ سنت کے مطابق نماز ادا کریں گے تو ان کے بچے بھی ویسا ہی کریں گے، اور اگر اس کے برعکس کریں گے تو بچے بھی ویسا ہی کریں گے، مطلب یہ کہ گھر کے ماحول کا سب سے زیادہ اثر بچے پر ہوتا ہے، بڑے جیسا کرتے ہیں بچے بھی ویسا ہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ جب بڑے نماز کا اہتمام نہیں کرتے، وضو کا اہتمام نہیں کرتے، سنت کا اہتمام نہیں کرتے تو بڑوں کی دیکھا دیکھی بچے بھی انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہیں، تمام وہ خرابیاں جو بڑوں میں رہتی ہیں ان کو بچے جلدی پکڑ لیتے ہیں، اچھائی کو تو ذرا دیر میں اختیار کرتے ہیں لیکن برائی کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

اقامت صلوٰۃ میں خشوع وخضوع بھی داخل ہے

میرے دوستو! جب اس کا اہتمام ہم آپ کریں گے تو انشاء اللہ عبادت کے حسن کا ایک سلسلہ چلے گا، تو حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا اور اقامت صلوٰۃ میں جس طرح وضو کا اچھی طرح سنت کے مطابق کرنا اور وقت پر پڑھنا اور سنت کے مطابق پڑھنا داخل ہیں اسی طریقہ سے خشوع وخضوع بھی داخل ہے، جس طرح رکوع اور سجود فرض ہے اسی طرح خشوع وخضوع

بھی فرض ہے، اب یہ کہ کتنا فرض ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کتنی چھوٹ ہے یہ ایک دوسری بات ہے، لیکن یہ بات تو مسلّم ہے کہ اللہ نے خشوع پر فلاح مرتب فرمایا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ [سورۂ مومنون: ۲۰] یعنی فلاح پائی ان مؤمنین نے جو اپنی نمازوں میں خشوع پیدا کرتے ہیں۔ نماز میں وساوس آتے ہیں، ہر آدمی اس کی شکایت کرتا ہے کہ نماز میں وساوس آتے ہیں، اسکا علاج ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ہر رکن کے بارے میں یہ سوچو کہ ہم فلاں رکن ادا کر رہے ہیں، ہر رکن کی طرف اگر توجہ ہوگی تو انشاء اللہ العزیز اس کی برکت سے اللہ کی طرف توجہ ہو جائیگی۔

حضرت سعید بن مسیّبؒ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس حال میں کہ ان کا ہاتھ بار بار اپنی ڈاڑھی پر جا رہا تھا تو حضرت سعید بن مسیّب نے فرمایا: "لو خشع قلب هذا لخشعت جوارحه" [مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۸۷] یعنی اگر اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔ معلوم ہوا کہ خشوع کے لوازم میں سے سکون بھی ہے۔ خشوع تو قلب کا فعل ہے لیکن خضوع کا مطلب ہے اعضاء کو ساکن رکھا جائے۔ اب یہ نہیں کہ تھوڑی سی خارش ہوئی اور کھجلاتے ہی چلے جا رہے ہیں، اس سے عمل کثیر ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ عمل کثیر کے بارے میں فقہاء کرام نے مفصل بحث کی ہے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار کسی خارج صلوٰۃ کی طرح کسی کام میں مشغول ہو جانا عمل کثیر ہے، اسی طرح سے اگر کوئی شخص اتنا مشغول ہو کہ لوگ یہ سمجھیں کہ

یہ نماز میں نہیں ہے عمل کثیر ہے، اور یہی قول راجح ہے۔ میرے دوستو! آپ نماز بھی پڑھیں اور نماز نہ ہو، آپ حج کریں اور حج نہ ہو، یہ کتنے افسوس کی بات ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کم من صائم لیس له من صیامه الا الظمأ و کم من قائم لیس له من قیامه الا السهر" [رواہ الدارمی، مشکوۃ ۱۷۷] یعنی بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ ان کو بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ نہیں ملتا اور بہت سے تہجد پڑھنے والے ایسے ہیں کہ سوائے جاگنے اور مشقت اٹھانے کے کچھ نہیں ملتا۔ کتنے ڈرنے کی بات ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائیں۔

نماز کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان لوگوں کی نمازیں جو وضو، رکوع اور سجدہ کامل نہیں ادا کرتے ایسی ہوں گی کہ وہ سلام کے بعد ان کے منہ پر ماردی جائیں گی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے "لفت کما یلف الثوب الخلق ثم ضرب بها وجهه" (جمع الفوائد: ۹۸/۱) بعض لوگوں کی پوری نماز اور بعض کی آدھی نماز اور بعض کی تہائی نماز۔ مطلب یہ کہ جتنی دیر خشوع رہا اتنی نماز مقبول ہوگی اور جتنی دیر خشوع سے غافل رہا اتنی نماز مردود ہو جائیگی۔ یہ کتنے ڈرنے کی بات ہے، رکوع سجود اور دیگر ارکان بالکل صحیح ادا کیا لیکن خشوع سے یکسر خالی ہے اور یکسوئی حاصل نہیں ہے تو پھر ایسی نماز قابل رد ہے، ایسی نماز پھینک دی جائیگی اللہ تعالیٰ ہم سب کو خشوع و خضوع نصیب فرمائے اسی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد تین مرتبہ استغفار فرماتے تھے۔ "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا انصرف من صلوٰته

استغفر ثلاثا " [رواہ مسلم۔مشکوٰۃ:۸۸] دیکھئے! یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی معرفت کی بات ہے ۔ اپنی نماز جس کے بارے میں"قرۃ عینی فی الصلوۃ"فرمارہے ہیں۔[فیض القدیر ۳/۲۶۸] یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے،لیکن نماز کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ فرمارہے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفر اللہ کہنے کی کیا ضرورت، بظاہر تو الحمد للہ کہنا چاہئے تھا، کہ الحمد للہ میری نماز پوری ہوگئی اللہ کا شکر ہے کہ میں نے نماز پڑھی لیکن کہیں الحمد للہ کہنا ثابت نہیں بلکہ استغفر اللہ کہنا ہی ثابت ہے۔اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف استغفر اللہ کہنا بھی کافی ہے، استغفار کیلئے ضروری نہیں کہ پوری استغفار ہی پڑھی جائے بلکہ استغفر اللہ بھی ایک کلمہ ہے یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔اسی وجہ سے میں بتلاتا ہوں کہ اگر جلدی ہو یا کوئی ضروری کام ہو اور پورا استغفار "استغفر الله ربی من کل ذنب واتوب الیه " نہ پڑھ سکتا ہو تو سو مرتبہ صرف استغفر اللہ ہی پڑھ لیوے۔ کیونکہ حدیث سے یہ بھی ثابت ہے۔

تو میرے دوستو! خشوع وخضوع کا بھی بہت اہتمام کرنا چاہئے ، ہمارے بزرگان دین اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے،خشوع بہت بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

خشوع صلوٰۃ ایک مستقل رکن ہے۔جس طرح ہم کوشش کرتے ہیں رکوع، سجود اور قرأت سنت کے مطابق ادا ہوں تو اسی طرح اس کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ نماز میں خشوع پیدا ہو، اس کیلئے ارکان کی طرف توجہ کی جائے کہ ہم اللہ کے

سامنے کھڑے ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے، ہر سکون کو دیکھ رہا ہے، ہمارے ہر خیال کی اس کو اطلاع ہے، تو ضرور اس سے کچھ نہ کچھ اثر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: ﴿ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴾ [سورۂ بقرہ/۴۵] کہ نماز مشکل ہے لیکن خاشعین پر مشکل نہیں ہے، یعنی جو لوگ اللہ کا خیال رکھتے ہیں، قیامت کا یقین رکھتے ہیں ان کیلئے نماز آسان ہے۔

کوشش شرط ہے

ہمارے بزرگان دین نے اس کیلئے کتنی محنت اور کوششیں کیں، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ جو حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے استاذ تھے انہوں نے طلباء کو ایک حدیث پڑھائی "من صلى سجدتين لايسهو فيهما غفر الله له ما تقدم من ذنبه" [رواہ احمد۔ مشکوۃ/۵۸] یعنی جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اور اس میں کوئی سہو وغیرہ نہ ہو تو اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ ایک طالب علم نے پوچھا کہ حضرت! کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ نماز ان چیزوں سے خالی رہ جائے تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ کبھی کوشش بھی کی ہے؟ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا پہلے کوشش کرلو تب سوال کرنا، کوشش کرو ہوسکتا ہے کہ یہ دولت مل جائے، سب کچھ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے اگر وہ یہ کمال عنایت فرمادے تو کون روک سکتا ہے، کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دولت میسر تھی، صحابۂ کرام اس کے حصول

میں کوشاں تھے اور متعدد واقعات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ران میں تیر گھس گیا، لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی نہ نکل سکا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ جب وہ نماز میں مشغول ہوں اس وقت نکالا جائے۔ آپ نے جب نفلیں شروع کیں اور سجدہ میں گئے تو ان لوگوں نے اس کو زور سے کھینچ لیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو آس پاس مجمع دیکھا تو فرمایا کہ تم لوگ تیر نکالنے کے واسطے آئے ہو، لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو ہم نے نکال لیا تو فرمایا کہ مجھے خبر ہی نہیں ہوئی۔ یہ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استحضار اور خشوع و خضوع اور انابت الی اللہ جو درحقیقت "أن تعبد الله كأنك تراه" کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔ میرے دوستو! جب ہمارا بھی ایسا ہی تصور ہوگا اور ایسا ہی مراقبہ ہوگا تو ہماری نماز بھی نماز ہو جائیگی جو بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی نماز کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

اللہ کی آزمائش سے کوئی نہیں بچ سکتا

حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسریؒ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے، مفتی اعظم پاکستان تھے، ان کے انتقال کے بعد ہی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ مفتی اعظم پاکستان ہوئے، بڑے ہی صاحب خشوع و خضوع تھے، ایک مرتبہ انہیں بہت ہی زیادہ تکلیف دہ اور اذیت رساں نہایت بدبودار پھوڑا ہوگیا، اس کی مرہم پٹی خود ہی کرتے تھے اپنے بچوں کو چھونے نہیں

دیتے تھے، اتنا بڑا شخص ......اللہ غنی !...... اسی لئے کہتا ہوں کہ اللہ کی ابتلاء و آزمائش سے کوئی بچ نہیں سکتا، بس دعا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ آزمائش و ابتلا سے محفوظ رکھے، مجھے حیرت ہوئی کہ یا اللہ! اتنا بڑا صاحب نسبت شخص اور ایسی آزمائش! وہ فرماتے تھے کہ جب اذان ہوتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صور پھونکا جارہا ہے اور کہیں میرا پیشاب خطا نہ کر جائے، میں نے خود مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے سنا فرماتے تھے کہ ہمارے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے دو خلفاء بہت مشہور تھے ایک تو حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحبؒ جو ڈپٹی انسپکٹر تھے اور دوسرے حضرت مولانا ماسٹر عیسیٰ صاحبؒ الہ آبادی، [جو بعد میں عالم ہوئے] دونوں بڑے صاحب حال تھے، تو حضرت مصلح الامت فرماتے تھے کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے یہ دونوں خلیفہ حال و مقام میں عالموں سے بڑھے ہوئے ہیں، لیکن جب حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسریؒ آئے اور ان کا حال دیکھا تب مجھے اطمینان ہوا۔ بہرحال مولانا محمد حسن صاحبؒ حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے فرماتے تھے کہ حضرت! میں جب اذان سنتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا کہ صور پھونکا جارہا ہے اور کہیں میرا پیشاب نہ خطا کر جائے، اللہ تعالیٰ اور آخرت کے خوف کا یہ عالم تھا۔

نیز فرماتے تھے کہ آیت کریمہ ﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ﴾ [وہ اللہ تعالیٰ کی آگ ہے جو سلگائی گئی ہے جو دلوں تک پہنچے گی۔] پڑھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آگ قلب پر براہ راست اپنی سوزش پہنچارہی ہے، عجیب و

غریب حال تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں سب حالوں سے بڑھ کر حال یعنی خوف آخرت عطا فرمایا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنے بڑے موذی مرض میں بھی مبتلا کیا تھا۔ اس میں اللہ کی حکمت و مصلحت ہوتی ہے جسے ہم آپ سمجھ نہیں سکتے۔

ان کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ مولانا عبدالباری ندوی صاحبؒ ان کے پاس گئے، انہوں نے مدرسہ کی بڑی عالیشان عمارت بنوائی تھی، بہت بڑا دارالعلوم تھا، تو مولانا عبدالباری صاحب ندوی نے کہا کہ حضرت! اس عمارت کا کیا حاصل؟ تو چونکہ مولانا ندوی صاحب قلم تھے، بہترین لکھنے والے تھے اس کی مناسبت سے مولانا محمد حسن صاحبؒ نے جواب میں ان سے فرمایا کہ مولانا! حاصل تو نہ عمارت کا ہے نہ عبارت کا ہے۔ مولانا عبدالباری صاحب نے کہا کہ بہت ہی دنداں شکن اور مسکت جواب دیا۔

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ مولانا محمد حسن صاحبؒ کو بھی احسان کی دولت گراں مایہ حاصل تھی، تاہم اتنے بڑے مرض میں مبتلا تھے اور خود ہی مرہم پٹی کرتے تھے۔ آخر ڈاکٹروں نے کہا کہ آپریشن کر کے پیر کو کاٹنا پڑے گا، اور آپریشن کیلئے آپ کو بے ہوش کرنا پڑیگا۔ حضرت نے کہا کہ بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے بغیر ہی آپریشن کیجئے۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ حضرت! آپ برداشت نہیں کر پایئے گا، فرمایا تم کاٹو۔ چنانچہ ہوش وحواس میں ہی ٹانگ کاٹ دی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس صبر آزما آپریشن کے دوران اللہ کی معیت اور صبر کے ثواب کو مستحضر کر کے برداشت کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر وثواب کوئی معمولی چیز

نہیں ہے، چونکہ ہم لوگوں کو یقین نہیں، ہم لوگوں کو استحضار نہیں، اس بنا پر اجر وثواب کی بھی ہمارے نزدیک کوئی وقعت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا استحضار کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے، یا ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں، میرے دوستو! یہ بہت بڑی نعمت اور دولت ہے، اس کیلئے جب آدمی کچھ محنت کرتا ہے، مشقت برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ یہ دولت عطا فرما دیتے ہیں۔

حضرت زین العابدینؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے کہ جب آپ وضو کرتے ہیں تو آپ کا چہرہ زرد ہو جاتا ہے، تو فرمایا کہ نہیں جانتے کہ میں کس کے سامنے کھڑے ہونے جا رہا ہوں! یہ سب استحضار کی بات ہے، جس کی وجہ سے یہ حال ہوتا ہے۔

نماز جامع العبادات ہے

میرے دوستو! حضرت لقمان علیہ السلام نے اقامت صلوٰۃ کی اتنی جامع نصیحت فرمائی کہ اس کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا، آدمی جب نماز کو قائم کریگا تو وہ اور چیزوں کو بھی قائم کریگا، یعنی جب وہ نماز کو قائم کریگا تو زکوٰۃ بھی ادا کریگا، وہ تلاوت بھی کریگا وہ حج بھی کریگا، نماز کی اقامت سے ان تمام اعمال کی انشاء اللہ توفیق ہو جائیگی، آدمی جب ایک خیر کا کام کرتا ہے تو وہ خیر اپنی بہنوں کو بھی سمیٹ لیتی ہے، تو نماز کا یہی حال ہے، یہ جامع العبادات، جامع الاعمال ہے، نماز میں روزہ بھی ہے حج بھی ہے اور زکوٰۃ بھی ہے، آدمی نماز میں کھا پی نہیں سکتا یہ روزہ

ہو گیا، آدمی نماز میں تکبیر تحریمہ کہتا ہے یہ تلبیہ کے قائم مقام ہو گیا اور چونکہ نماز میں ستر عورت فرض ہے تو اس کیلئے کپڑا پہننا ضروری ہے اس کیلئے کپڑے خریدے گا تو کچھ پیسے صرف کرنے پڑیں گے یہ زکوٰۃ کی شکل ہوگئی، تو نماز جامع العبادات، جامع الاعمال بلکہ افضل العبادات ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ نماز کی فضیلت کیلئے اور اس کے ترک پر وعید کیلئے ضعیف روایتوں کی کیا ضرورت ہے بلکہ دو روایتیں ایسی ہیں کہ جو نماز کی طرف ترغیب کیلئے اور اس کے ترک پر ترہیب کیلئے بہت کافی وافی ہیں، ترغیب کیلئے تو "الصلوة عماد الدين" اور اس کی وعید کیلئے " من ترك الصلوة متعمدا فقد كفر" بہت کافی وافی ہے۔

جس عمل کا ترک کفر کے قریب پہنچادے اس عمل سے بدتر اور کونسا عمل ہو سکتا ہے، اور جس عمل پر پورے دین کا قیام موقوف و منحصر ہو اس سے بڑھ کر فضیلت والا عمل کونسا ہو سکتا ہے۔

امت محمدیہ کی امتیازی شان

بہر حال حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پہلی نصیحت تو یہ فرمائی کہ نماز کو قائم کرو، اور دوسری نصیحت یہ ہے: ﴿ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ معروف کا حکم کرو، امر بالمعروف پہلی امتوں میں فرض رہ چکا ہے مگر یہ امت محمدیہ کی تو امتیازی شان ہے، اب قیامت تک تو کوئی اور نبی نہیں آئیگا، لیکن انبیاء کرام کا کام

کرنیوالے انہیں کے ورثاء ہوں گے، انہیں کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ کام کریں، معروف کا امر کریں، لوگوں کو بتلائیں کہ یہ نیکی ہے اور یہ برائی ہے، کتنی بڑی فضیلت کی بات ہے۔

دین بالکل آسان ہے

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوارشاد فرماتے ہوئے سنا " فی الانسان ثلاث مائة مفصلاً فعلیه ان یتصدق عن کل مفصل منه بصدقة " [رواہ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ:۱۱۶] یعنی انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں لہٰذا ہر انسان کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے ہر جوڑ کے بدلے میں صدقہ دے۔ میں کہتا ہوں کہ ہر جوڑ پر ایک ایک نیا پیسہ اگر ادا کریں تب بھی تین سو ساٹھ پیسہ یعنی تین روپے ساٹھ پیسے دینے چاہئے، بتائیے کتنے لوگ اتنا اتنا روزانہ ادا کریں گے، مالدار لوگ بھی اس کی ہمت نہیں کریں گے الاماشاء اللہ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "یصبح علی سلامی من کل احد صدقة فکل تسبیحة صدقة وکل تحمیدة صدقة وکل تهلیلة صدقة و امر بالمعروف صدقة ونهی عن المنکر صدقة ویجزی من ذالك رکعتان یرکعهما من الضحی" [رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ:۱۱۶] یعنی صبح ہوتے ہی تمہاری ہر ہڈی پر صدقہ لازم ہو جاتا ہے لہٰذا ہر تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے ہر تحمید یعنی الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، ہر تہلیل یعنی

لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے، اور ان سب کے بدلہ میں نماز ضحیٰ کی دو رکعت پڑھ لینا کافی ہوتا ہے۔

کتنی بڑی بات ہے، ہمارا یہ دین کتنا آسان ہے، ہماری شریعت نے ہمارے لئے کتنی آسانیاں پیدا کر دیں، لیکن میرے دوستو! غذا کتنی ہی نرم ہو اگر کوئی کھانا ہی نہ چاہے تو پھر اس کیلئے سب غذا سخت ہی معلوم ہوگی، اسی طرح یہ دین بالکل آسان ہے لیکن اس شخص کیلئے جو اس کو اختیار کرے اور عمل کرنے کی کوشش کرے، پس اگر کوئی اس پر عمل کرنا چاہے تو واقعی سہولت ہی سہولت ہے، آسانی ہی آسانی ہے۔

دیکھئے نماز ہی کو لے لیجئے، اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے، میری اہلیہ کو گھٹنے میں شدید درد رہتا ہے، اب ڈاکٹر کہتا ہے کہ دیکھو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھو، پیر کو موڑو نہیں، کچھ افاقہ ہوا تو ایک دفعہ شوق میں پیر موڑ کر نماز پڑھ لیا فوراً درد شروع ہو گیا، اگر اس طرح نماز پڑھنا جائز نہیں ہوتا تو بتلایئے کس طرح نماز قائم کی جاتی، دو چار نماز کے بعد ہی پیر اور گھٹنے پر ورم آجاتا اور بالکل ہی معذوری کی کیفیت ہو جاتی۔ بہر حال میرے دوستو! کتنی بڑی سہولت ہے، مجبوری میں کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں، بظاہر کتنا برا معلوم ہوتا ہے، بعض لوگ اس کو کبر پر محمول کر سکتے ہیں، کاہلی پر بھی محمول کر سکتے ہیں، لیکن شریعت مقدسہ نے اس کی اجازت دی ہے بلکہ اگر بیٹھا نہ جائے تو لیٹ کر اور اشارہ سے بھی نماز پڑھ سکتے

ہیں، یہ کوئی معمولی سہولت نہیں ہے، اس سے بڑھ کر سہولت کیا ہوسکتی ہے! اب اگر کوئی سرپھرا یوں کہے کہ نماز ہی کیوں فرض کی گئی؟ تو پھر اس کا دماغ ہی گدھوں والا ہے، اب اس کو سمجھانا بہت مشکل ہے۔

دین تو بہت آسان ہے حدیث شریف میں ہے " **الدین یسر** "[رواہ البخاری مشکوٰۃ:۱۱۰] دین آسان ہے۔ اب وضو نہیں کرسکتے تو تیمّم کرلو، اگر ہاتھوں میں یا پیروں میں کچھ تکلیف ہے یا زخم ہے تو تیمّم کرلو کوئی ضرورت نہیں کہ کسی دوسرے کی خوشامد کرتے پھرو کہ ہم کو وضو کرادو، دیکھئے کتنی سہولت ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اسی طرح زکوٰۃ میں بھی دیکھئے کہ کتنی رعایت کی گئی ہے، زکوٰۃ اول تو ہر ایک پر فرض نہیں، اور فرض ہونے کیلئے کچھ شرائط ہیں، اس کیلئے نصاب کا ہونا ضروری ہے، حولان حول یعنی نصاب پر ایک سال کا گذرنا بھی شرط ہے کہ سب موسم گذر جائے جاڑا گرمی برسات سب موسم گذر جائے، اب اس کے بعد دیکھو کہ تمہارے پاس کتنا بچا ہے، اگر نصاب ہے اور قرض سے فاضل ہے تب تو زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے ورنہ نہیں۔ اور یہاں تو مختلف قسم کے ٹیکس ہوتے ہیں، انکم ٹیکس کو ہی دیکھ لیجئے، اس میں کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ کتنا قرض ہے بس تمہاری ماہانہ آمدنی مثلاً پانچ ہزار ہے تو ٹیکس ادا کرو، آپ کتنا ہی کہتے رہئے کہ ہم مقروض ہیں کوئی نہیں مانے گا، بس ہر حال میں ٹیکس بھرنا ہی ہے۔

اسی طرح حج کا معاملہ بھی ہے، یہ بھی ہر ایک پر فرض نہیں ہے، اپنے بال

بچوں کے نان ونفقہ کا انتظام ہو، ضروریات اصلیہ سے فاضل ہو، راستہ کا امن ہو وغیرہ بہت سی رعایات کے بعد حج فرض ہوتا ہے، یہ سب یسر ہی کی تو باتیں ہیں، ظاہری اعمال میں بھی یسر ہے اور باطنی اعمال میں بھی یسر ہے، جیسے حسد کو لے لیجئے، اب حسد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس کسی کے متعلق کچھ وسوسہ آیا اور فوراً پکڑ ہوگئی نہیں، بلکہ اگر آپ کو کسی کے متعلق بدخواہی کا یا ناگواری کا وسوسہ آیا اور آپ نے اس پر عمل نہیں کیا، جلن پیدا ہوئی پھر اس کے مطابق چلن نہیں ہوا، دل میں سوزش ہوئی مگر سازش میں نہیں لگے تو اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا، ہاں! وسوسہ کے بعد اگر اسکیم بنانے لگیں کہ اس کی بلڈنگ کو گرانا ہے، اس کو منصب سے گرانا ہے، اور اس کی سازش رچنے لگیں اور وسوسہ پر عمل کرنے لگیں تو اب پکڑ کی شکل ہوگی، جب تک وسوسہ پر عمل نہ کریں اس وقت تک کوئی گناہ نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے بارے میں نعوذ باللہ اگر کسی کو وسوسہ آ جاوے تو بھی کوئی مؤاخذہ نہیں، جب خالق کے بارے میں صرف وسوسہ سے پکڑ نہیں تو مخلوق کے بارے میں پکڑ کیسے ہوسکتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے قلب میں ذرّہ برابر بھی کبر ہوگا۔" فقال رجل ان الرجل یحب ان یکون ثوبه حسناً و نعله حسناً قال صلی الله علیه وسلم ان الله جمیل یحب الجمال، الکبر بطر الحق وغمط الناس" [رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ:۴۳۳] یعنی ایک شخص نے عرض کیا کہ کوئی آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس

عمدہ ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل اور آراستہ ہیں اور آراستگی کو پسند کرتے ہیں اور تکبر یہ ہے کہ حق بات کو ہٹ دھرمی کے ساتھ نہ مانا جائے اور لوگوں کو ذلیل سمجھا جائے۔

میرے دوستو! خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طریق کی پوری پوری وضاحت فرمادی ہے، اگر ہم نہ سمجھیں پریشان ہوں تو یہ پریشانی کی وجہ خود ہم ہی لوگ ہیں، ہم نے دین کو مشکل سمجھ لیا ہے، طریق کو مشکل کر لیا ہے، باطن کی اصلاح کو مشکل سمجھ لیا ہے تو یہ ہماری غلطی ہے۔ دین، طریق اور باطن کی اصلاح بہت آسان ہے بس ہم سمجھنے کی کوشش کریں اور عمل کی ٹھان لیں، انسان اسی چیز کا مکلّف ہے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا﴾ اللہ تعالیٰ ان ہی چیزوں کا مکلّف کرتا ہے جس کی اس کے اندر طاقت ہو، وساوس پر اگر گرفت کرنے لگے تو کوئی بچ نہیں سکتا، اس آیت کا نزول بھی اسی وجہ سے ہوا ہے کہ اس سے پہلی والی آیت ﴿ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ [سورۂ بقرہ: ۲۸۴] [اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا پوشیدہ رکھو گے اللہ تعالیٰ تم سے حساب لیں گے] جب نازل ہوئی اور اس میں اس بات کا واضح اشارہ موجود تھا کہ وساوس پر گرفت ہوگی تو صحابۂ کرام اتنا ڈرے اتنا پریشان ہوئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول

اللہ! کون شخص ان وساوس سے بچ سکتا ہے، اس طرح تو سب کی گرفت ہو جائیگی کوئی نہیں بچے گا۔ تو اس کے بعد یہ آیت کریمہ ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا﴾ نازل ہوئی۔

میں آپ حضرات کو قرآن کریم کی آیات سنا رہا ہوں، یہی طریق ہے، اللہ تعالیٰ نے پورے سلوک کو پورے طریقہ سے بتایا ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلے بظاہر ان لوگوں کو ڈرایا کہ دیکھو جو وسوسے بھی آتے ہیں ان پر بھی مؤاخذہ ہوگا، بعض لوگ اس کو منسوخ مانتے ہیں، علماء لکھتے ہیں کہ نہیں یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ پہلے ہی سے یہ حکم نہیں تھا، منسوخ تو وہ چیز ہوگی جو وجود میں رہے، اور اس آیت کا پہلے ہی سے یہ مطلب نہیں تھا، اللہ تعالیٰ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتے، کہ جو غیر اختیاری چیز ہو اس پر مؤاخذہ کریں، لیکن صحابہ اس کے باوجود ڈر گئے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ ایک سال تک تڑپتے رہے کہ یا اللہ! ہمارا کیا حشر ہوگا، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ جو اختیاری امور ہیں ان پر مؤاخذہ ہوگا تم کسی کام کا ارادہ کرو اور اس کی تعمیل کی سازش میں لگ جاؤ اور اس فعل کو کر گذرو اس صورت میں پکڑ ہوگی، لیکن یونہی وسوسہ آئے کہ فلاں کو قتل کرنا ہے تو اس سے قتل کا گناہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح اور اعمال کا حال ہے مگر اس کی وجہ سے مواخذہ عند اللہ نہ ہوگا۔

بہرحال جب صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور انتہائی ملال وحزن وغم کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم ان لوگوں میں سے ہونا چاہتے ہو جنہوں نے کہا ”سمعنا و عصینا“ یعنی ہم نے سنا اور نافرمانی کی، کیا امت

محمد یہ میں سے نہیں ہو؟ یہود و نصاریٰ میں سے ہو؟ بس اتنا سننا تھا کہ صحابہ سنبھل گئے، ان کو ایک اشارہ کافی تھا، ایسے ہی موقع پر شیخ اور مرشد کی ضرورت پڑتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو علاج بتایا کہ بتکلف کہو "سمعنا و اطعنا" یعنی ہم نے سنا اور اطاعت کی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس نازک اور پھسلنے کے موقع پر سنبھال لیا، جب حوادث اور وساوس گھیر لیتے ہیں اور ان سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں رہتی تو اس وقت شیخ اس کو اس گھاٹی سے نکالتا ہے، جیسے دلدل میں کوئی بھینس پھنسی ہو تو اس کو دلدل سے نکالنے کیلئے کسی قوی ذات کی ضرورت پڑتی ہے جسے کوئی شیر نر ہی ہوگا جو خود اپنی حفاظت کرتے ہوئے اس بھینس کو دلدل سے نکالے گا۔ اسی طرح شیخ کے اندر اللہ تعالیٰ اتنی تاثیر وقوت دیتا ہے کہ وہ اس کو وساوس کے دلدل سے، گمراہیوں کے مواقع سے اور خیالات کے جنگلات سے نکال دیتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ﴾ [سورۂ بقرہ: ۲۸۶] [اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے۔] وسوسہ اور چیز ہے اور کسب اور چیز ہے، یہاں بھی اس کی رعایت کی گئی ہے، اس نفس کی طرف سے اگر تھوڑی بھی محنت ہوگی تو اس کی جزا اللہ تعالیٰ اس کو دیں گے، اور اگر نفس کچھ زیادہ برائی کریگا تو اس کو اس برائی کا بدلہ دیگا، "لھا" اور "علیھا" میں یہ فرق ہے، یعنی قلت لفظ قلت معنی پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح کثرت لفظ کثرت معنی پر۔ اس کے بعد

دعائیں سکھائی گئیں کہ میرے بندے تم لوگ گھبراتے کیوں ہو یہ پڑھو ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا﴾ [اے ہمارے رب ہم پر داروگیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں۔] اس سے ان کو کتنی تسلی ہوگئی ہوگی، یہ اس وقت طریق کی ایک سخت حیرانی کی وادی میں تھے جس میں حیران و پریشان تھے، سالک کیلئے حیرانی و پریشانی لازم ہوتی ہے، حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی اس وادی سے گذرے ہیں، حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے اس وادی سے انہیں پار کرایا۔ حضرت تھانویؒ کا ایسا حال تھا معلوم ہوتا تھا کہ بس خودکشی کرلیں گے، خود فرماتے تھے کہ خیال ہوتا تھا کہ اوپر جا کر اپنے کو گرا کر ہلاک کردوں۔ میرے دوستو! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی روک دی گئی تھی تو یہ کیفیت طاری ہوئی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وادی سے بخیر وخوبی پار کرادیا۔

میرے دوستو! یہ طریق ہے، اس طریق میں مہالک بھی آتے ہیں لیکن مرد وہ ہے جو ان کو پھلانگ جائے، وحدۃ الوجود ایک مستقل بحث ہے بعض لوگ مجھ سے وحدۃ الوجود کے متعلق پوچھتے ہیں، ارے تم کیا جانو وحدۃ الوجود کسے کہتے ہیں! یہ بھی ایک گھاٹی ہے، ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، مولانا رومؒ، شاہ محب اللہ صاحب الہ آبادیؒ، سیدنا عبدالقدوس گنگوہیؒ، یہ سب حضرات بھی اس گھاٹی سے گذرے ہیں، عرصہ تک پریشان رہے، مجدد صاحبؒ کہتے ہیں کہ مرد وہ ہے جو اس کو پھلانگ جائے اور وحدۃ الشہود میں پہنچ جائے، وحدۃ الوجود کے بعد وحدۃ الشہود ہے، وحدۃ الوجود ایک ایسی گھاٹی ہے جس میں یہ محسوس ہوتا

ہے کہ ہمارا وجود بالکل اللہ کا وجود ہے یا...... نعوذ باللہ...... اللہ کا وجود ہمارا وجود ہے، اور وحدۃ الشہود ایسا مرحلہ ہے کہ اس میں بظاہر وجود ایک محسوس ہوتا ہے لیکن دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں، زمین اور آسمان کی بھی نسبت نہیں، باقی اور فانی میں نسبت ہی کیا ہو سکتی ہے، ہمارا وجود ممکن ہے اور اللہ کا وجود واجب ہے، واجب اور ممکن میں کوئی نسبت کا سوال ہی نہیں ہوتا۔

بہر حال میرے دوستو! حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو دوسری نصیحت یہ فرمائی ﴿ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ کہ معروف کا امر کرو، نیکیوں کا امر کرو، اور تیسری نصیحت فرمائی ﴿ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ منکر سے روکو، آپ دیکھ لیجئے ہمارے گھروں میں کتنے منکرات ہیں، ہم کوشش کریں تو منکرات سے ہمارے بچے بچ سکتے ہیں، امتثال اوامر اور اجتناب عن المعاصی بہت ضروری ہے، ظاہری نواہی بھی ہیں اور باطنی نواہی بھی ہیں، ظاہری منکرات بھی ہیں اور باطنی منکرات بھی ہیں، ظاہری منکرات بالکل ظاہر ہیں، باطنی منکرات مثلاً کبر ہے، حسد ہے، ریا ہے، ریا بھی ایک مستقل گھاٹی ہے۔

سیدنا عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی

سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کلنا فی وادی الریاء وعبرناہ ووصلنا الی الاخلاص" ہم سب ریا کی وادی میں رہ چکے ہیں، ہم نے اس کو پار کر لیا اور اخلاص کی بلندی پر پہنچ گئے، یہ حضرت سیدنا

عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرمار ہے ہیں، اتنے بڑے شیخ اور صاحب کرامات ہیں کہ جن کی کرامات کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی کرامات کا صدور اس طرح ہوتا تھا جس طرح پت جھڑ کے موسم میں پتیاں جھڑتی ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اقرار کررہے ہیں کہ ہم سب کے سب ریا کی گھاٹی میں رہ چکے ہیں، اللہ نے اس گھاٹی سے ہم کو نکالا اور اخلاص کے منصب تک پہنچادیا۔

یہ باطنی منکرات ہیں، آدمی جب ظاہری منکرات سے بچنے کی کوشش کریگا تو اللہ اس کی توفیق دے گا، اسی طرح باطنی منکرات سے جو بچنے کی کوشش کریگا اللہ باطنی منکرات سے بھی بچائے گا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے مستقل دعا فرمائی ہے: ''اللهم انی اعوذبك من البرص و الجذام والجنون وسيئ الأسقام '' [رواہ ابوداؤد والنسائی ،مشکوٰۃ:۲۱۷] اے اللہ! ہم برص سے جذام سے، جنون سے اور تمام بری بیماریوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہ سب تو ظاہری امراض ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ظاہری امراض سے حفاظت کی دعا فرمائی ہے ویسے ہی باطنی امراض سے حفاظت کی بھی دعا فرمائی ہے ''اللهم طهر قلبی من النفاق وعملی من الرياء ولسانی من الكذب وعينی من الخيانة'' [رواه البيهقی ، مشكوة/ ۲۲۰] یعنی اے اللہ! میرے قلب کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے محفوظ فرما۔ یہ سب باطنی امراض ہیں، ان امراض کو تو لوگ امراض سمجھتے ہی نہیں، ان مراض کی شناخت تو کیا ان کے نام بھی نہیں جانتے۔ میرے دوستو! ان امراض کو معلوم کرکے ان

سے بچنے کی کوشش کریں، آخرت کی کامیابی انہیں امراض سے نکلنے پر منحصر ہے، اللہ تعالیٰ ظاہری اور باطنی منکرات سے ہماری حفاظت فرمائے، جس طرح سنت ظاہرہ کا اتباع کرنا ہے اسی طرح سنت باطنہ کا بھی اتباع کرنا ہے اسی لئے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾ کے تحت کہا گیا ہے کہ "فَاتَّبِعُوْنِیْ فی السنة الظاهرة والباطنة " ظاہری سنتوں کا بھی اتباع کرو اور باطنی سنتوں کا بھی اتباع کرو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی سنتیں تواضع ، انکسار، عاجزی، شکستگی، عبدیت وغیرہ ہیں۔ یہ بڑا طویل اور اہم مضمون ہے، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کے دلوں میں اس کی اہمیت وعظمت کو ڈال دے، کل مضمون کا خلاصہ یہی ہے کہ ہمیں ظاہری برائیوں سے بھی بچنا ہے اور باطنی برائیوں سے بھی بچنا ہے، قرآن کریم میں ہے: ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ﴾ [سورۂ انعام/۱۲۱] ظاہری گناہوں کو بھی چھوڑ و اور باطنی گناہوں کو بھی چھوڑو۔ اللہ اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

صابرین کو اللہ کی معیت کا وعدہ

اور پھر حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو چوتھی نصیحت کر رہے ہیں: ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ﴾ اور صبر کرو ان چیزوں پر جو تم کو پہنچے۔ بیماری پہنچے تکالیف پہنچے، فقر وفاقہ پہنچے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں تم کو کوئی اذیت پہنچے تو صبر کرو، صبر کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہ دو، صبر کا مقام بہت بڑا ہے، محاسن اعمال اور مکارم اخلاق میں صبر کا بہت بڑا مقام ہے، صبر کرنے والوں

کیلئے اللہ کی معیت کا وعدہ ہے چنانچہ ارشاد باری ہے : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [سورۂ بقرہ: ۱۵۳] اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں۔ چونکہ صبر کی وجہ سے قلب میں ایک کڑھن پیدا ہوتی ہے، گھٹن پیدا ہوتی ہے، صبر میں ناپسندیدہ چیز کو برداشت کرنا پڑتا ہے، چنانچہ اس سے قلب میں کڑھن اور تنگی پیدا ہوجاتی ہے اسلئے اسی وقت اللہ کی رحمت آجاتی ہے۔ چنانچہ خواجہ معصومؒ نے فرمایا ہے کہ جب ﴿ ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾ [سورۂ توبہ/۲۵] زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی تو ﴿ تَابَ عَلَيْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت سے نگاہ کیا۔ اسی طرح جب دل کسی چیز سے تنگ ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے، جیسے ایک چھوٹی سی نالی ہو، جب بارش زیادہ ہوتی ہے تو اس نالی کے اوپر سے اور دائیں بائیں سے پانی بہنا شروع ہوجاتا ہے اسی طرح سے جب قلب میں کڑھن پیدا ہوتی ہے اور جی کو تنگی محسوس ہوتی ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کو سارے طرف سے گھیر کر اپنی معیت ورحمت نصیب فرماتے ہیں۔

دیکھئے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا حکم ہو رہا ہے : ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ [سورۂ کہف: ۲۸] [آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کیلئے کرتے ہیں۔] اسلئے کہ آپ تو عرش پر رہتے ہیں، جبرئیل امین سے ہم کلام ہوتے ہیں اس حال میں حضرت سلمانؓ، حضرت ابوذرؓ اور حضرت بلالؓ کو کون دیکھے گا۔ مگر اللہ کا حکم ہوا کہ آپ حجرہ سے نکلئے، عرش

کے پائے چھوڑیئے، اور غریب اللہ کے پکارنے والوں کے ساتھ اپنے کو پابند رکھئے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے باہر مسجد نبوی میں تشریف لے گئے ،حضرت سلمانؓ حضرت بلالؓ وغیرہم بیٹھے ہوئے تھے،ان کا لباس خستہ اور حیثیت فقیرانہ تھی،فرمایا تم کو کس چیز نے یہاں بٹھایا ہے،کہا ہم اللہ کو یاد کر رہے ہیں،اللہ کو پکار رہے ہیں،حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"**الحمد لله الذی جعل فی امتی من امرنی ان اصبر نفسی معهم**"[ابن کثیر] یعنی تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو بنایا جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے حکم دیا ہے۔

بہرحال محاسن اعمال اور مکارم اخلاق میں صبر کا بہت بلند مقام ہے، اور صابرین کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت کا وعدہ فرمایا ہے، نیز ایک عجیب وغریب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عمل پر یہ نہیں فرمایا کہ ان کے کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا کیا جائیگا سوائے صابرین کے، چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [سورۂ زمر:۱۰] بیشک صابرین کو بے انتہا اجر دیا جائیگا۔

مؤمن کیسا ہوتا ہے

حضرت لقمان علیہ السلام ان چاروں نصیحت کے بعد ارشاد فرمارہے ہیں:

﴿اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ یہ عزم امور میں سے ہے، ہمت کی بات یہی

ہے کہ جو تکلیف پہنچے، جو تنگی پیش آوے اس پر صبر کیا جائے، یہ کیا کہ چھوٹی چھوٹی بات میں ایک دم سے تنگ ہو گئے، ہمارے یہاں چھوئی موئی کا پودا ہوتا ہے، اگر اس کو کوئی ذرا سا بھی چھو دیتا ہے تو فوراً مرجھا جاتا ہے، پھر تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے، پھر کوئی چھودے تو پھر مرجھا جاتا ہے، تو یہ تو ایک پودے اور گھاس کی خاصیت ہے یہ انسان کا کام تو نہیں، اس کا یہ حال نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن اور منافق کا حال مثال دے کر سمجھایا "مثل المؤمن کمثل النخامة من الذرع تفیئها الریاح تصرعها مرة وتعدلها اخریٰ حتی یاتیه اجله ومثل المنافق کمثل الارزة المجذیة التی لایصیبها شئی حتی انجعافها مرة واحدة" [متفق علیہ، مشکوۃ/۱۳۵] یعنی مؤمن کی مثال کھیت کی تروتازہ اور نرم شاخ کی سی ہے کہ جسے ہوائیں جھکا دیتی ہیں، کبھی اسے گرا دیتی ہیں اور کبھی سیدھا کر دیتی ہیں، یہاں تک کہ اس کا وقت پورا ہو جاتا ہے اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے جو جما کھڑا رہتا ہے اسے کوئی جھٹکا نہیں لگتا یہاں تک کہ وہ دفعتہً زمین پر آ گرتا ہے۔

درحقیقت مؤمن کا حال یہی ہے کہ مصائب و تکالیف کے جھونکے آتے رہتے ہیں لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا، اس پر صبر کرتا ہے اور اللہ کی قضا پر راضی رہتا ہے۔

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو ان خصال حسنہ سے متصف فرمائے اور اعمال حسنہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

دعا کیجئے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، وَالصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

اللهم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار ، ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين ، ربنا لاتزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك أنت الوهاب ، اللهم اهدنا و سددنا ،

یا اللہ! اپنے فضل وکرم سے نفاق سے ہماری حفاظت فرما، ریا سے ہماری حفاظت فرما، تمام امراض ظاہری وباطنی سے ہماری حفاظت فرما، یا اللہ! ظاہری اور باطنی گناہوں سے ہماری حفاظت فرما، یا اللہ! نیکیوں کی توفیق مرحمت فرما، ظاہری اور باطنی جتنی بھی نیکیاں ہیں ان کو کرنے کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سنن ظاہرہ اور باطنہ ہیں ان پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کو ہماری طرف متوجہ فرما اور ہمارے قلوب کی اصلاح فرما، ہمارے اخلاق کی اصلاح فرما، ہمارے عقائد کی اصلاح فرما، ہمارے جوانوں کی اصلاح فرما، ہماری عورتوں کی اصلاح فرما، یا اللہ!

ہمارے تمام اداروں کی حفاظت فرما، مساجد کی حفاظت فرما، یا اللہ! دشمنوں کی سازشوں سے اور ان کی اسکیموں سے ہماری پوری پوری حفاظت، یا اللہ اپنی خاص نصرت اور مدد ہمارے شامل حال فرما، یا اللہ! ظاہری اور باطنی ہر طریقے سے ہماری مدد فرما، یا اللہ! تمام دنیا میں امن و امان پیدا فرما، اس ملک میں بھی امن و امان اور عافیت عطا فرما، یا اللہ! پریشانیاں دور فرما، یا اللہ! ہر قسم کی خیر اور بھلائی نازل فرما، یا اللہ آفات و بلیات سے ہماری حفاظت فرما، یا اللہ! ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

اَرَأَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَ لَا
يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ
صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ○ [سورۂ ماعون]

اخلاق و اعمال

کی درستگی کا نسخہ

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم

۱۷ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء مسجد دارالعلوم کنتھاریہ، بھروچ گجرات

فہرست مضامین

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِيْكَ لَهٗ ، وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ،صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ أَمَّا بَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَرَأَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَ لَايَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ.

میرے دوستو بزرگو اور عزیزو! اللہ تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی سورتوں میں نہایت اہم مضامین اور مقاصد بیان فرمادیئے ہیں، ایک دن سورۂ عصر کے متعلق بیان کیا تھا، اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو مختصراً مضامین بیان فرمائے ہیں ان کی تھوڑی سی تشریح کردی گئی تھی، اسی قسم کی اور بھی چھوٹی چھوٹی سورتیں

ہیں، ان سب ہی میں بہت اہم مضامین اللہ رب العزت نے بیان فرمائے ہیں، اگر ان سورتوں کا ترجمہ اور تفسیر ذہن میں رہتی ہے تو ان کو پڑھنے اور سننے میں بڑا لطف آتا ہے، ایمان تازہ ہوجاتا ہے، نماز میں جب امام پڑھتا ہے تو دلجمعی اور یکسوئی نصیب ہوتی ہے، اور جب آیات اور سورتوں کا کچھ بھی مضمون ذہن میں نہیں رہتا تو پھر یہ سب چیزیں حاصل نہیں ہوتیں۔ اس بنا پر ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ چھوٹی چھوٹی سورتوں کے ترجمہ و تشریح کے سنانے کا بہت اہتمام فرماتے تھے، اسی طرح حضرت مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم [متوفی: ۸ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ بمطابق ۱۷ مئی ۲۰۰۵ء رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ] کے یہاں بھی اس کا بہت اہتمام ہے، ایک ایک حرف، ایک ایک کلمہ کا ترجمہ سنتے سناتے رہتے ہیں، اس کیلئے خاص مجلس منعقد کرتے ہیں، حلقے بناتے ہیں اور ان سورتوں کا دور ہوتا رہتا ہے، یہ بنیادی چیز ہے، میرے بھائیو! بڑی بڑی باتوں کو ہم کیا بیان کریں، اور میں تو سمجھتا ہوں قرآن و حدیث سے بڑھ کر اور کیا بڑی بات ہوسکتی ہے، یہ تو عین ایمان کی چیز ہے، دوسرے کتنے ہی اہم مضامین ہوں لیکن اللہ اور اس کے رسول کے مضامین سے بڑھ کر دوسروں کے مضامین نہیں ہوسکتے، اس لئے اس کی طرف توجہ کرنا بہت ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے کچھ مناسبت اور تعلق ہوجائے، اللہ تعالیٰ سے ہم اس حال میں ملیں کہ قرآن کریم کا کچھ حصہ ہمارے قلب میں موجود ہو، اس کے معانی و مطالب سے آشنائی و شناسائی ہو۔

ایک افسوس کی بات

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے قرآن پاک کا ترجمہ فارسی زبان میں ''فتح الرحمٰن'' کے نام سے اسلیئے کیا تھا تا کہ ہندوستانی لوگ حلقہ بنا کر اس کے ترجمہ وتفسیر کا دور کرتے رہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ عرب حلقہ بنا کر کتاب اللہ کی قرأت وتلاوت کرتے رہتے تھے، اب بھی حرم شریف میں عرب حضرات بیٹھ جاتے ہیں اور قرأت کرتے رہتے ہیں۔ ان کیلئے تو آیات کا دور ہی کافی ہے، معانی ومطالب کے دور کی تو ہم عجمیوں کو ضرورت ہے، صرف آیات کی تلاوت سے معانی کو ہم سمجھ نہیں پائیں گے۔ اسلئے ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جن چیزوں کا مطالبہ فرمایا ہے ان کو ہم سمجھیں اور پورا کریں۔ کل اس کے متعلق آپ حضرات سن رہے تھے کہ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ قرآن پاک'' مکتوب رب العالمین'' ہے۔ یعنی رب العالمین کا بندوں کے نام خط ہے۔ تو پھر اسکے سمجھنے کی سعی کرنی چاہئے، خود نہیں سمجھ سکتے تو اہل علم سے سمجھنا چاہئے، جیسا کہ جب کوئی خط ماں باپ کا بیٹے کے نام آتا ہے تو اگر خود نہیں پڑھ سکتا تو دوسروں سے پڑھا کر سنتا ہے اور سمجھتا ہے اگر اطمینان نہیں ہوتا تو یہ کہتا ہے کہ ذرا غور سے دیکھو کوئی بات پڑھنے سے رہ تو نہیں گئی ہے، کہیں کچھ حاشیہ پر تو نہیں لکھا ہے، جو پڑھنے سے رہ گیا ہو۔ پس جب اپنے ماں باپ کے خط کو پڑھانے اور سننے کا اتنا اہتمام

ہوتا ہے تو جب قرآن مجید کو مکتوب رب العالمین کہا گیا ہے تو اس کا ہم پر کس قدر حق ہے۔ اسلئے ہم کو بھی چاہئے کہ ہم اس کی طرف توجہ کریں، نہ سمجھ میں آئے تو اس کے اہل کی طرف رجوع کر کے سمجھیں، بڑی بڑی سورتیں بھی ہیں اور چھوٹی چھوٹی سورتیں بھی ہیں، اللہ کی شان ایسی ہے کہ جو طویل مضامین بڑی بڑی سورتوں میں بیان ہوئے ہیں ان کو چھوٹی چھوٹی سورتوں میں بھی نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔ اس بنا پر اگر ان سورتوں کے مضامین کا استحضار ہوگا تو ایمان کے اندر تازگی آجائیگی، ایمان میں ترقی ہوگی، اور مزید برآں اس سے نماز میں یکسوئی بھی حاصل ہوگی۔ ہم سب چاہتے ہیں کہ نماز میں یکسوئی حاصل ہو، خشوع حاصل ہو، اگر آدمی کچھ معنی و مطلب سمجھتا ہے تو اس کو ضرور یکسوئی حاصل ہوتی ہے، اور اس کو ضرور حظ اور لطف آتا ہے، اس بنا پر اگر ہم اس کا اہتمام کریں گے تو انشاء اللہ العزیز اس کے فوائد ہم خود محسوس کریں گے، اپنے گھروں میں، مسجدوں میں، اسی طریقہ سے مدرسوں میں بھی اس کا اہتمام ہونا چاہئے، بہت سے اونچے درجہ کے طلبہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو ان چھوٹی چھوٹی سورتوں کا ترجمہ بھی نہیں معلوم ہوتا۔ یہ بہت افسوس کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہمارے گھروں میں موجود ہے، ہماری مسجدوں میں موجود ہے، ہمارے مدرسوں میں موجود ہے، لیکن ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔ جن چیزوں کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جن سے منع کیا ہے ان کا علم نہیں۔

علم نہ ہونے کی وجہ سے فوائد سے محروم رہتے ہیں

ایک مرتبہ میں دہلی گیا تو وہاں مرکز کے قریب ہی ایک چھوٹا سا مدرسہ ہے وہیں میرا قیام تھا، میں نے دیکھا کہ ایک کتاب ویسے ہی پڑی ہوئی ہے میں نے اسے لیا اور دیکھا تو بہت ہی عمدہ کتاب تھی، حدیث کی بہت عمدہ شرح تھی، جس کا نام ''تحفۂ علم وحکمت'' ہے [مؤلفہ مولانا ابوطاہر محمد اسحٰق خاں صاحب، اس میں پچاس سے زائد احادیث کا نہایت سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ وتشریح ہے جو بیحد مفید ہے اسلئے اس کے سننے سنانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔] میں نے کہا کہ بھائی! اس کا عکس کرا کر مجھے دے دو، دیکھئے! ایک خزانہ موجود ہے لیکن چونکہ اس کا علم نہیں ہے اس لئے اس کی قدر بھی نہیں ہے، وہ کتاب ایک عام الماری میں پڑی ہوئی تھی، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دوا گھر میں موجود ہوتی ہے لیکن اس کا نفع اور اثر اور اس کا طریقۂ استعمال معلوم نہیں ہوتا اس لئے اس کی قدر بھی نہیں ہوتی مثلاً کسی کے یہاں خمیرہ گاؤزباں یا خمیرہ مروارید موجود ہو اور اس کے دماغ میں خشکی ہو جس کی وجہ سے حکیم اس کیلئے خمیرہ گاؤزباں یا خمیرہ مروارید تجویز کرے، اور وہ اس دوا کو بازار کی دوکانوں میں تلاش کرتا پھرے تو یہ اس کے جہل اور ناقدری کی بات ہوگی۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے گھروں میں ایسی دوائیں رہتی ہیں جن کے استعمال سے وہ بیماری دور ہو سکتی ہے لیکن چونکہ علم نہیں ہوتا اسلئے اس کو لوگ استعمال نہیں کرتے۔ اسی طرح اللہ کی طرف سے یہ قیمتی خزانہ جو ہم

کو ملا ہے اس میں دوائیت بھی ہے اور غذائیت بھی ہے، سب کچھ اس میں اللہ نے ودیعت فرمایا ہے مگر علم کے نہ ہونے سے اس کے فوائد سے ہم محروم ہیں۔

ایک بزرگ کا قرآن کریم سے انہماک

بہت سے بزرگان دین بس قرآن پاک کی تلاوت ہی کرتے رہتے ہیں اور ان کو سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے، ایک بزرگ تھے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ ستّو رکھے رہتے تھے اور جب ضرورت پیش آتی یعنی بھوک لگتی اس کو گھول کر پی لیتے، کسی نے کہا کہ حضرت! آپ صرف ستو ہی استعمال کرتے ہیں روٹی وغیرہ نہیں کھاتے، کہا کہ بھائی! روٹی اگر استعمال کروں تو میرا اتنی آیتوں کی تلاوت کا نقصان ہو جائیگا اسی وجہ سے جلدی سے میں ستو گھول کر پی لیتا ہوں تاکہ میرا وقت بچ جائے اور کلام اللہ کی تلاوت زیادہ سے زیادہ ہو جائے۔ دیکھئے! ان کو کلام اللہ کی تلاوت سے کتنا شغف تھا، اس سے ان کو کتنی حلاوت ایمانی اور قوت روحانی ملتی تھی کہ ظاہری غذا کی پرواہ نہ تھی۔

کہاں سکون ڈھونڈے جا رہے ہو؟

درود شریف کے بارے میں بھی آیا ہے کہ بہت سے بزرگوں کو درود شریف ہی سے سب کچھ مل گیا، بعض لوگوں نے درود شریف کا اتنا ورد کیا کہ جب وہ قضائے حاجت کیلئے جاتے تھے تو اپنی زبان کو دانتوں سے دبا لیتے تھے کہ کہیں بیت الخلاء میں بھی یہ ورد جاری نہ ہو جائے۔ لوگوں نے اتنی مشق

کر رکھی تھی۔ تو درود شریف میں ان کو لطف ملتا تھا، قرآن شریف میں ان کو مزا ملتا تھا، ذکر میں لذت ملتی تھی، یہ سب خزانے ہمارے اندر موجود ہیں، لیکن ہماری نظریں دوسری چیزوں کی طرف ہیں، پس یاد رکھو! اس سے سکون و قرار نہ ملے گا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فارسی کا ایک شعر اس پر لکھا ہے

یک سبد پر ناں ترا بر فرق سر
تو ہمی جوئی لب ناں در بدر

کہ اے شخص تو روٹی کے ٹکڑے کیلئے در بدر پھر رہا ہے حالانکہ روٹی کا ٹوکرا تیرے سر پر موجود ہے اور تو بھوکا مر رہا ہے۔

اس کو پتہ ہی نہیں کہ اس کی بھوک کا علاج اس کے سر پر موجود ہے، اسی طرح ہم دلوں کا اطمینان دوسری چیزوں میں تلاش کرتے پھر رہے ہیں، اطمینان و طمانیت تو اللہ تعالیٰ نے دین میں رکھا ہے، ایمان میں رکھا ہے قرآن میں رکھا ہے اپنے ذکر میں رکھا ہے ﴿اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ [سورۂ رعد ۲۸] کہاں اطمینان ڈھونڈے جا رہے ہو؟ کہاں سکون ڈھونڈے جا رہے ہو، کہیں نہیں ملے گا، تمہارے قلب کی دوا تو ذکر اللہ میں ہے، قلوب کو اطمینان تو اللہ کے ذکر سے حاصل ہوگا، مگر ہمارے نوجوانوں کو دیکھ لیجئے، ان کو سنیما ہی میں مزہ آتا ہے، ٹی وی دیکھنے میں لطف آتا ہے، قرآن پاک کی تلاوت میں ان کو مزہ نہیں آتا۔ الّا ماشاء اللہ۔ یہ کیفیت ان کے دل کی قساوت اور زنگ آلودگی پر دلالت کرتی ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

حقیقی اور دائمی لذت تو آخرت ہی کی لذت ہے

سالوں کی بات ہے، جبکہ میں حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ پر مجلس میں بیان کیا کرتا تھا، ماشاء اللہ کافی حضرات شریک مجلس ہوا کرتے تھے، اس میں ایک صاحبزادے نوجوان بھی بالالتزام آتے تھے، ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ مولانا! جب سے آپ کی مجلس میں میں آنے لگا ہوں تب سے سنیما میں مجھ کو بالکل مزہ نہیں ملتا۔ پھر وہ مسلسل مجلس میں آنے لگا۔ اسی طرح بہت سی عورتیں ایسی تھیں جو یک گونہ آزاد تھیں لیکن جب سے وہ جمعرات کے روز مجلس میں میرے گھر بخشی بازار آنے لگیں ماشاء اللہ تہجد گذار ہوگئیں۔ چنانچہ ان کے ایسے حالات ہوگئے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ حالات اسی عورت کے ہوں گے، تہجد کے وقت ان کو کیا کیا حال وکیف نصیب ہوتا ہے جو قابل رشک ہے، بہت مؤثر تقریر کرتی ہیں، اب ہماری مجلس سے زیادہ ان کی مجلس میں عورتیں آتی ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے، اللہ تعالیٰ اگر گُڑ چھین کر گلاب جامن دے دے تو کیا گھاٹا ہے۔ دنیا کی لذت تو عارضی اور فانی ہے، حقیقی اور دائمی لذت تو آخرت ہی کی لذت ہے اگر یہ نعمت اللہ تعالیٰ کسی کو عطا فرمادے تو کتنی خوش نصیبی کی بات ہے۔ بچے بھی اس بات کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں، اگر انہیں معمولی ٹافی کے بجائے لندن والی بڑی ٹافی دیجئے بس وہ خوش ہوجاتے ہیں۔ جو بات ہم لوگوں کو اب تک سمجھ

میں نہیں آئی وہ بچے سمجھ گئے کہ کس کا کیا درجہ ہے۔

اسی طرح آخرت کا مسئلہ ہے ﴿وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴾ [سورۂ اعلیٰ ۱۷] آخرت خیر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی ہے۔ دنیاوی نعمتوں کی اس کے سامنے کیا وقعت ہے۔ ہیچ در ہیچ ہے۔ اللہ نے بار بار اس کی طرف متوجہ کیا ہے۔ قرآن سنو اور سمجھو، دنیا میں کیا پھنسے ہوئے ہو، ﴿فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ﴾ [سورۂ تکویر ۲۶] پس تم کہاں جارہے ہو؟ گھر چھوڑ کر کنویں میں کیوں گر رہے جارہے ہو؟ نجات چھوڑ کر ہلاکت میں کیوں جارہے ہو؟ آپ کلام اللہ کو پڑھیے اور سنئے، جو پڑھے لکھے نہیں ہیں ان کو بھی اندازہ ہوجائیگا کہ اللہ آخرت کی بہتری کو بیان کررہا ہے۔ پس وہاں کی نعمت اور وہاں کی لذت کو چھوڑ کر یہاں کی شہوتوں اور لذتوں میں منہمک ہونا بہت بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔ کامیاب تجارت تو وہاں کی تجارت ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [سورۂ صف: ۱۰] [اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے، تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔] یہ تجارت تمہارے لئے بہتر ہے، مشقت تھوڑی ہے لیکن لذت و منفعت بہت زیادہ ہے۔ آدمی منسٹر بننے کیلئے کتنی محنت و مشقت

بلکہ ذلت ورسوائی برداشت کرتا ہے، کیسی کیسی اذیتیں اٹھانی پڑتی ہیں، معمولی منصب کیلئے کیسی کیسی محنت کرنی پڑتی ہے، اور آخرت کی عزت ولذت کے حصول کیلئے یہ اعمال تو نہایت سستا سودا کیا ہے۔ اگر جنت کا تصور کریں اور پھر یہاں کی محنت کا تصور کریں تو معلوم ہوگا کہ مفت ہی میں جنت مل رہی ہے۔ اللہ نے یہ جو تھوڑے سے مجاہدات اور ریاضات رکھے ہیں ان کے عوض عجیب وغریب نعمتوں سے سرفراز فرمائیں گے ان نعمتوں کا یہاں کی نعمتوں سے کوئی جوڑ ہی نہیں، کوئی نسبت ہی نہیں، پورا قرآن اسی سے بھرا ہوا ہے، آزما کر دیکھ لو، جب تم دنیوی تعلقات کو قطع کرو گے بلکہ کم کرو گے تب بھی اللہ آخرت کی نعمتوں سے نوازے گا، اللہ کریم ہے، جواد ہے، اسلئے ..... ع

نیم جاں بستا ند وصد جاں بدہد

آدھی جان لے کر سو جانیں عطا فرماتا ہے۔ رمضان کے مہینہ میں ہم دن میں کھانا پینا چھوڑتے ہیں، پھر افطار کے وقت اللہ تعالیٰ کتنی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے، کتنا کھلاتا پلاتا ہے، دیکھئے! صرف چھوٹا سا مجاہدہ کروا کر کیسی کیسی نعمتیں دے رہا ہے، ان نعمتوں کے سامنے یہ چھوٹے سے مجاہدے کچھ حیثیت نہیں رکھتے، اس بنا پر آخرت کیلئے بھی کچھ نہ کچھ محنت و مشقت برداشت کرنی ہی پڑے گی، بغیر محنت ومجاہدہ کے کوئی دنیوی چیز نہیں ملتی تو آخرت ہی کو کیوں اس قدر ارزاں سمجھ لیا ہے۔ آج ہی پڑھا گیا ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [سورة

عنکبوت: ۶۹] ہم اپنے راستہ کو محنت ومشقت برداشت کرنے والوں کیلئے کھولتے ہیں، اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ سے اچھا معاملہ کرتے ہیں اور اپنے اعمال میں حسن اور اچھائی کو چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہیں۔ کتنی بڑی فضیلت ان لوگوں کو حاصل ہے۔

بہرحال میں کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سورتوں میں بہت بڑی بڑی نعمتیں رکھی ہیں، ان میں غذائیت بھی ہے اور دوائیت بھی ہے، لذت بھی ہے اور حلاوت بھی ہے، آدمی ان کو لے کر مست ہوسکتا ہے، وجد و کیف میں آسکتا ہے۔ اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ نہ سمجھئے کہ ہم لوگ توجہ ومحنت کررہے ہیں تو ہم ویسے ہی خالی رہ جائیں گے، تھوڑی سی توجہ کا بھی اللہ اتنا اجر وثواب دیگا کہ کوئی اسکا تصور نہیں کرسکتا، کتنے لوگ ہیں جو لہو ولعب میں مشغول ہیں، آپ باہر نکلئے دیکھئے کہ کیا کیا ہورہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگ غفلت ہی میں ہیں، اتنی غفلت کہ ان مبارک راتوں میں بھی جاگتے ہیں تو لہو ولعب اور کھیل کود کیلئے، ارے جاؤ سو جاؤ، ان خرافات میں مشغول ہونے سے سونا بہتر ہے، اللہ سے غفلت پیدا کرنے والی کوئی چیز اللہ کے یہاں پسندیدہ نہیں ہے، کل بھی میں نے بیان کیا کہ ہر وہ ساتھی جو تمہارے وقت کو فاسد کرے تمہارے قلب کو غافل کرے اس کو چھوڑ دو تب تم اللہ تک پہنچو گے، پس شیخ سعدی شیرازیؒ کے اس شعر میں تعلق سے مراد تعلقات غیر ضروریہ ہیں ؎

تعلق حجاب ست و بے حاصلی
چوں پیوندھا بگسلی واصلی

یعنی غیر ضروری تعلقات حجاب اور باعث محرومی ہیں جب اس کو توڑو گے تب ہی مقصود تک پہنچ سکو گے۔

حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد غیر ضروری تعلقات ہیں، ضروری تعلقات اللہ، رسول اور بزرگوں نے چھوڑنے کو نہیں کہا ہے۔ ماں باپ کے تعلق کو نہیں چھوڑنا ہے، دین کا کوئی معاملہ ہو اور ماں باپ تمہاری نصرت اور خدمت کے محتاج ہیں تو ان کی خدمت میں رہو انہیں بے سہارا چھوڑنا جائز نہیں ہے، تمہاری بیوی سخت بیمار ہے اسے چھوڑ کر دینی کام کیلئے جانا بھی ناجائز ہے۔ کس کے بھروسے پر اس کو چھوڑ کر جا رہے ہو، اگر اس کو خدمت کی ضرورت پیش آ گئی تو کون اس کے پیر کی مالش کرے گا، کون پاخانہ پیشاب کرائیگا، دیکھ رہا ہوں کہ گجرات کے بہت سے خوش نصیب ماں باپ کی خدمت کیلئے دوسرے ملک سے آجاتے ہیں، ملازمت سے مستقل اس کیلئے چھٹی لیتے ہیں، مگر افسوس کہ ہمارے طرف بہت سی پڑھی لکھی اولاد اس سے کوری ہے۔ بلکہ ماں باپ کیلئے اذیت رساں ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

ایسی صورت میں یہ عمل بہتر ہے

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے سنا ہے کہ ایک

مرتبہ حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ظہر کی سنت پڑھ رہے تھے، اتنے میں کسی نے حضرت تھانویؒ کی اہلیہ محترمہ کے متعلق زور سے کہا کہ باجی سیڑھی سے گرگئیں۔ یہ آواز حضرتؒ نے سنی تو فوراً نیت توڑ کر گھر چلے گئے۔ ہمارے حضرت مصلح الامتؒ فرماتے تھے کہ اگر کوئی ریا کار پیر ہوتا تو کبھی اپنے مریدین کے سامنے نماز نہ توڑتا چاہے بیوی مرتی یا کچھ ہو جاتا۔ لیکن حضرت تھانویؒ اپنے وقت کے مجدد تھے، اسلئے آپ نے فرمایا کہ ایسی صورت میں یہ عمل بہتر ہے، اللہ کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں مگر بیوی کی خدمت ونصرت ضروری تھی، کون ان کو اٹھاتا، کون سہلاتا، اسلئے حضرت مجدد الملتؒ نے اس کو اختیار فرمایا، خوب سمجھ لو!

منافق چالیس سال تک ایک ہی حال پر رہتا ہے

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ: "الصادق يتقلب في اليوم اربعين مرة والمرائي يثبت على حالة واحدة اربعين سنة" [الفتوحات الربانیہ ۱/۵۴] مخلص صادق ایک دن میں چالیس مرتبہ پلٹتا رہتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ کہاں خیر ہے اور کہاں زیادہ ثواب ملے گا، اس بنا پر وہ اس کو اختیار کرتا ہے، اور منافق آدمی چالیس سال تک ایک ہی حال پر رہتا ہے، ٹس سے مس نہیں ہوتا، سمجھتا ہے کہ اگر وظیفہ سے ہٹے تو لوگ کہیں گے کہ دیکھئے ان کا وظیفہ چھوٹ گیا، یہی ریا کاری ہے، اس سے اہل اللہ بچتے ہیں۔

نیت کے استحضار کا ایک واقعہ

"تصفیة القلوب" ترجمہ "تزکیة النفوس" ملقب بہ "شفائے دل" میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ تھے وہ صف اول میں ہمیشہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے تاخیر ہوگئی اس وجہ سے انہوں نے دوسری صف میں نماز ادا کی تو یہ خیال دل میں آیا کہ آج لوگ کیا کہتے ہوں گے۔ اس لئے انہوں نے ایک خفت اور ندامت محسوس کی، فوراً ان کے ذہن میں آیا کہ اب تک میں ان لوگوں کو دکھانے کیلئے نماز پڑھ رہا تھا، اللہ کیلئے نہیں پڑھ رہا تھا، اگر اللہ کیلئے پڑھ رہا ہوتا تو اللہ سے شرمندگی ہونی چاہئے تھی، مخلوق کا تصور اور اس سے شرمساری کا خیال کیوں آیا، معلوم ہوا کہ تو چالیس سال کی نماز ریا کاری سے پڑھ رہا تھا، اس خیال کے آنے کے بعد انہوں نے چالیس سال کی نماز کا اعادہ کیا۔ یہ ہے خلوص اور اپنی نیتوں کا استحضار اور مراقبہ۔

صف اول میں نماز پڑھنے سے اگر نیت یہی ہے کہ لوگ مجھ کو بزرگ سمجھ لیں تو بس یہ نماز اس حدیث کا مصداق ہوگی: "من صلی وھو یرائی فقد أشرك" [رواہ احمد۔ مشکوٰۃ: ۴۵۵] جس نے نماز پڑھی اور اس نے ریا کیا تو اس نے یقیناً شرک کیا، کتنی بڑی وعید ہے۔ دیکھئے! ہمارے بزرگان دین اپنی نیتوں کا کتنا استحضار رکھتے تھے، اپنے حالات میں کتنا غور وخوض کرتے تھے۔

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت مولانا تھانویؒ کو جب معلوم ہوا کہ

اہلیہ گر گئی ہیں تو فوراً نماز توڑ کر چلے گئے، مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر کوئی غلط قسم کا ریاکار پیر ہوتا تو کبھی بھی نماز چھوڑ کر نہیں جاتا۔ اس کے بعد مجھ کو حضرت جنید بغدادیؒ کا یہ مقولہ ملا تو میں نے یقین کیا کہ حضرت مولانا تھانویؒ کس قدر مخلص تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ اولیٰ کیا چیز ہے، اس وقت بہتر کیا چیز ہے، اس عمل کو اختیار کرتے تھے، عین نماز میں انہوں نے سنا کہ میری بیوی گر پڑی ہے، ہوسکتا ہے شدید چوٹ آئی ہو، اس کو اٹھانے والا کون ہے؟ لاولد تھے، کوئی گھر میں نہیں تھا۔ نماز کی اللہ کو حاجت نہیں لیکن میری بیوی کو میری حاجت ہے اس بنا پر اس کی نصرت و مدد کیلئے چلے گئے اور حقوق العباد کو حقوق اللہ پر ترجیح دے دی، میرے دوستو! اگر کوئی ظاہر پرست پیر ہوتا تو کبھی بھی اس طرح سب کے سامنے نماز توڑ کر نہیں جاتا، اور سب لوگ اس کو بہت بزرگ سمجھ لیتے۔

ایک طبعی عمل پر بھی اجر وثواب ملتا ہے

ایک مرتبہ ہمارے اطراف میں حضرت تھانویؒ تشریف لے گئے، ساتھ میں پیرانی صاحبہ بھی تھیں، کہیں قیام رہا ہوگا، ایک عورت آئی اور اپنی دیہاتی زبان میں کہنے لگی کہ ہم کو تمہاری حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ تم اتنے بڑے بزرگ کی بیوی ہو تو وہ تم سے کبھی بولتے بھی نہیں ہوں گے اور تمہارے سامنے کبھی ہنستے بھی نہیں ہوں گے، تم کیسے زندگی گذارتی ہوگی؟ پیرانی صاحبہ

نے کہا تمہارے شوہر سے زیادہ ہمارے شوہر ہنستے بولتے ہیں۔تو وہ بہت تعجب کرنے لگی، میرے دوستو! بیوی کا یہ بھی ایک حق ہے کہ اس کے ساتھ ہنسی خوشی سے رہا جائے چنانچہ بخاری ومسلم کی حدیث شریف میں آیا ہے کہ "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله الّا اجرت بها حتى اللقمة ترفعها الى في إمرأتك" [متفق علیہ، مشکوٰۃ:۲۶۵] یعنی بیشک تم اللہ کی رضا کیلئے جو خرچ کرو گے تو اس پر ثواب دیا جائیگا یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں دو۔یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دیوے اس کا بھی ثواب ہے، یہ بھی صدقہ ہے، یہ ہے شریعت مقدسہ، کہ ایک طبعی عمل پر بھی اجروثواب ملتا ہے، پس غور فرمائیں کہ شریعت مقدسہ میں اتنی رعایتیں اور اتنی خوبیاں ہیں کہ اگر آدمی ان کو سمجھنے کی کوشش کرے تو وہ شریعت کا عاشق ہوجائے اور عمل آسان ہوجائے۔

عربوں کی نظر میں ہندوستانی علماء کی قدر

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں شریعت کے انہی رموز کو اجاگر فرمایا ہے، اور عربوں نے اس کتاب کو تسلیم کیا ہے، وہ لوگ ہندوستان کے دو عالم متقدمین میں حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور متأخرین میں مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کی کتابوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ الفاظ وعبارت کے اعتبار سے

نہایت بلیغ اور معانی ومطالب کے اعتبار سے نہایت جامع کتاب ہے جس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے احکام شرعیہ کے رموز وحکم کو بیان فرمایا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اسکی شرح حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری نے "رحمة الله الواسعة" کے نام سے پانچ جلدوں میں اردو میں فرمائی ہے جو آپ کی علمی استعداد بلکہ باطنی صلاحیت پر دال ہے۔ فجزاهم الله تعالیٰ أحسن الجزاء

میرے دوستو بزرگو! اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو یہ دین عطا فرمایا ہے اس کے اندر راحت ہی راحت ہے اس میں کوئی تنگی یا کلفت نہیں ہے، صرف عمل کیلئے ہمت کرنے کی ضرورت ہے، ہاں اگر کوئی عمل ہی نہ کرنا چاہے تو پھر اس کا کیا علاج، حلوہ کتنا ہی نرم ہو اور کوئی کھانا ہی نہ چاہے تو پھر اس کو سخت ہی معلوم ہوگا، دین بالکل آسان اور نرم ہے، لیکن اگر کوئی اس پر چلنا ہی نہ چاہے تو پھر اسے تو سخت ہی معلوم ہوگا، جاڑے کا روزہ بھی بعض لوگوں کو سخت معلوم ہوتا ہے، اور جو رکھنا چاہتا ہے تو پھر اس کو سخت گرمی میں لُو کی حالت میں بھی مشکل نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس کو پیاس میں بھی مزہ آتا ہے، بھوک میں بھی مزہ آتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کا خوب ہی خوب مظاہرہ ہوتا ہے، بھوک لگی ہے، پیاس لگی ہے کھانا اور پانی موجود ہے لیکن نہیں کھاتا، نہیں پیتا، اس میں بھی اس کو خوب مزہ آتا ہے، مثل مشہور ہے کہ: "ضرب الحبیب زبیب" دوست کی مار بھی کشمش معلوم ہوتی ہے، اس گرمی کے روزہ میں بھی اس کو خوب مزہ

آتا ہے۔ اپنے مالک کی اطاعت، اپنے خالق کی فرمانبرداری ہے یہ سوچ کر لطف آتا ہے۔

بہر حال حضرت تھانویؒ بہت بڑے مخلص شخص تھے، وہ گھر تشریف لے گئے اور اپنی بیوی کو اٹھایا، ظاہر بیں لوگ تو یہ کہتے رہے ہوں گے کہ لو یہ نماز چھوڑ کر چلے گئے، لیکن حضرت تھانویؒ کے ذہن میں یہ تھا کہ شریعت کا اس وقت مجھ پر یہ حکم عائد ہوتا ہے، لہٰذا میں چونکہ شریعت کے تابع ہوں، شریعت مجھے اس وقت یہی کرنے کو کہتی ہے تو میں یہی کروں گا۔ مثلاً کوئی نابینا جا رہا ہو اور اس کے راستہ میں آگے بغیر منڈیر کا کنواں ہو اور کوئی دوسرا شخص ہے جو بیٹھا ذکر کر رہا ہے اور وہ یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ اگر وہ نابینا آگے بڑھتا ہے تو کنویں میں گر جائیگا تو اب اس پر فرض ہے کہ وہ اس نابینا کو کنویں میں گرنے سے بچائے، اگر وہ یہ سوچے کہ میں تو ذکر کر رہا ہوں، میں کیسے روکوں ذکر میں خلل ہو جائیگا، تو اگر اس نے نابینا کو نہیں بچایا تو وہ گنہگار ہوگا۔ یہی مطلب ہے شیخ سعدیؒ کے اس شعر کا۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است
اگر خاموش بنشینم گناہ است

شریعت مقدسہ بہت آسان ہے اس میں کلفت نہیں ہے، اس بنا پر ان چیزوں کا استحضار بھی بہت ضروری ہے۔

میں یہ سب باتیں اس پر عرض کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان چھوٹی

چھوٹی سورتوں میں بڑے بڑے مضامین بیان فرمادیئے ہیں تاکہ دین آسان ہوجائے۔ آدمی تھوڑی سی بھی محنت کریگا اور عمل کریگا تو انشاء اللہ العزیز اس کے فیوض وبرکات سے محروم نہیں رہیگا۔ اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اجر وثواب عطا فرمائیں گے اس بنا پر ان چیزوں کا خیال ہم سب ہی کیلئے ضروری ہے۔

تو جس سورت کی میں نے تلاوت کی اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے نہایت اہم مضامین کو بیان فرمادیا ہے، تفاسیر میں اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے، بہت ہی جامع سورت سمجھی گئی ہے، اس میں دین کو بھی بیان کردیا، قیامت کو بھی بیان کردیا، عقیدہ کو بھی بیان کردیا، عمل کو بھی بیان کردیا، اخلاق کو بھی بیان کردیا اور بداخلاقی کو بھی بیان کردیا، سب کچھ اس کے اندر ہے: ﴿اَرَأَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ﴾ اے مخاطب! کیا تم نے اس آدمی کو دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہے۔ کتنا بڑا نالائق آدمی ہے کہ اللہ نے اس کو پیدا کیا پھر بھی یوم جزاء کی تکذیب کررہا ہے، دین سے مراد یوم جزاء ہے، اس میں قیامت اور روز جزاء کا تذکرہ آ گیا۔

پھر فرمایا: ﴿فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ﴾ دیکھئے! یہ بدخلقی آ گئی، یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھکا دیتا ہے کھانا بھی نہیں کھلاتا بلکہ کھانا تو کیا کھلاتا جو آتا ہے اس کو دھکا دے کر بھگا دیتا ہے، کتنی بری بات ہے، اس کی طرف کسی کی توجہ ہی نہیں، ذکر بھی کرتا ہے اور دھکا بھی دیتا ہے، ذکر کے ساتھ دھکے کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ ذکر سے ملائمت پیدا ہونی چاہیئے، ذکر سے نرمی پیدا

ہونی چاہئے۔

غیرت کی بات

ایک خاص آدمی نے مجھ سے بیان کیا کہ کچھ لوگ اسٹیشن پر تھے اور باہم ایک دوسرے کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت سن سنا رہے تھے، اسی درمیان ایک سائل آیا اور سوال کرنے لگا، اس کو ترشی کے ساتھ بھگا دیا، پھر دوسرا آیا اس کو بھی بھگا دیا۔ ایک ہندو شخص بیٹھا ہوا یہ سب دیکھ رہا تھا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ آپ کیا سن سنا رہے ہیں؟ کہا اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی فضیلت بیان کر رہے ہیں، اس ہندو نے کہا کہ میں تو دیکھ رہا ہوں کہ جتنے بھی سائل آئے ہیں سب کو آپ نے بھگا دیا، آپ اس پر کیا عمل کر رہے ہیں؟ دیکھئے! ایک غیر مسلم نے یہ بات کتنے پتے کی کہی۔ غیرت کی یہ بات ہے کہ ہم سن سنا رہے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے، پس ہم جو کہہ رہے ہیں اس پر ہم بھی عمل نہیں کریں گے تو پھر دوسرے کیا اثر لیں گے۔

ایک آدمی سر پر روٹی کا ٹوکرا لئے ہوئے تھا اور اس کے سامنے اس کا کتا مر رہا تھا اور وہ زار وقطار رو رہا تھا، کسی نے پوچھا کہ اس کتے کو کیا ہوگیا ہے کہا کہ بھوک کی وجہ سے مر رہا ہے، اس نے پوچھا کہ تمہارے سر پر کیا ہے؟ کہا کہ روٹی کا ٹوکرا ہے، کہا پھر اسکو روٹی کھلاتے کیوں نہیں ہو؟ اس کا علاج تو تمہارے پاس خود ہی موجود ہے، کہنے لگا روٹی دینے میں مشقت ہے اور

رونے میں کوئی دقت نہیں، مفت کے آنسو بہانے میں کیا جاتا ہے۔

میرے دوستو بزرگو! جس طریقہ سے اسراف منع ہے اسی طرح بخل بھی منع ہے۔ بخل بھی رذائل نفس میں سے ایک رزیلہ ہے، یہ بھی تو سمجھنا چاہئے، صرف ذکر اور تلاوت ہی نہیں کرنا ہے بلکہ یہ بھی سمجھنا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے۔ جس طرح کبر رذیلہ ہے، اسراف رذیلہ ہے، فضول خرچی رذیلہ ہے اسی طرح بخل بھی رذیلہ ہے۔ جو لوگ اسراف پر مذمت کرتے ہیں ان میں خود بخل کا مرض موجود ہوتا ہے، مگر اس کی طرف توجہ نہیں جاتی کہ میرے اندر اسی اسراف کے مقابلہ میں بخل موجود ہے، اس کے درمیان جود و کرم ہے۔ مثلاً تواضع کا مطلب یہ ہے کہ نہ تکبر ہو اور نہ تذلل، ان دونوں کے درمیانی حالت کا ہونا تواضع کہلاتا ہے۔ جود و سخا کا مطلب یہ ہے کہ اسراف بھی نہ ہو اور بخل بھی نہ ہو، ان دونوں کے درمیانی صفت کا نام سخاوت ہے۔ بخل بھی ممنوع ہے اور اسراف بھی ممنوع ہے، اس کا درمیانی حال جود مطلوب ہے۔ اسی طرح غصہ میں حد سے تجاوز کرنا یہ بھی منع ہے اور غصہ کے موقع پر غصہ کا نہ آنا یہ بے حسی کی بات ہے۔ ان دونوں کی درمیانی کیفیت کا نام حلم ہے۔ اخلاق میں اعتدال ہونا چاہئے، آدمی کو درمیانی شکل اختیار کرنی چاہئے، حدیث میں ہے کہ ”خیر الأمور اوساطھا“ [کنز العمال ۳/۳۳] یہ نہیں کہ ایسا بخل ہو کہ اپنے بال بچوں پر ایک پیسہ بھی خرچ نہ کرے۔

بہت سے ایسے بخیل ہوتے ہیں کہ خود تو کھاتے پھرتے ہیں اور گھر

والوں پر ذرا بھی خرچ نہیں کرتے۔ ہمارے یہاں ایک شخص ہے جو حافظ قرآن بھی ہے، اسکی بیوی شکایت کرتی رہتی ہے کہ خود انڈا بادام کھاتے رہتے ہیں ہم کو روٹی بھی نہیں دیتے۔ اسلئے اس کو اپنے شوہر سے شکایت ہے وہ گھوم گھوم کر لوگوں سے اپنے شوہر کے بخل کی شکایت کرتی رہتی ہے۔ حالانکہ وہ حافظ قرآن ہے لیکن اس نے اپنے اخلاق کی اصلاح نہیں کی، اسلئے ایسا کرتا ہے۔ جو اپنے بیوی بچوں پر خرچ نہیں کرے گا تو وہ دوسروں پر کیا خرچ کریگا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی بیوی بچوں کیلئے بازار سے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے آتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ چیزیں ممنوع نہیں ہیں بلکہ محمود ہیں، انہیں سیکھنے کی ضرورت ہے، یہ اسلامی معاشرہ ہے، آج کل کانفرنس تو ہو رہی ہے اسلامی معاشرہ کی اور ان کے گھروں میں اسلام کے بالکل خلاف عمل ہو رہا ہے، صرف کانفرنس سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس کیلئے کچھ کرنا ہوگا، کام تو کرنے سے ہوتا ہے، محض کہنے سے نہیں ؂

کار کن کار بگذرد گفتار
اندریں راہ کار باید کار

یعنی بات کو چھوڑ و اور کام کرو، اس راستہ میں سب کو کام کی ضرورت ہے۔

یہ صرف مدرسہ وخانقاہ کے متعلق نہیں ہے بلکہ پورے اسلام کا مسئلہ ہے، اس لئے اسلامی معاشرہ کانفرنس سے نہیں بنے گا بلکہ خود بنانے سے بنے گا، اپنے گھروں میں اسلامی معاشرہ لے آؤ، ایسی چیزیں جو آپس میں فساد پیدا

کرنے والی ہیں ان کو چھوڑو، بیوی بچوں کے ساتھ میل محبت کا معاملہ کرو، تب وہ تم کو مانیں گے، اور جب تم خود حلوہ آئس کریم کھاؤ گے اور گھر والوں کو محرومی سے دوچار رکھو گے تو وہ بھی تمہاری نہیں مانیں گے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم [جلد دوم صفحہ ۴۴] پر بحوالہ ابن سیرینؒ لکھتے ہیں "**قال ابن سیرین یستحب للرجل ان یعمل لأهله فی کل جمعة فالوذجة**" ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ مستحب ہے کہ مرد کو چاہئے کہ وہ ہر جمعہ کو اپنے گھر والوں کو فالودہ کھلائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی اپنے گھر والوں کو اچھی چیزیں کھلانا چاہئے۔

یتیم پر شفقت کی فضیلت

بہر حال میں نے جو سورۂ مبارکہ تلاوت کی اس میں فرمایا گیا: ﴿فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ﴾ وہ ایسا نالائق ہے کہ یتیم کو دھکا دیتا ہے۔ یتیم کے بارے میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "**من مسح علی راس یتیم لم یمسحه الا لله کان له بکل شعرة مرت علیها یده حسنات**" [مجمع الزوائد ۸/ ۲۰۷] کہ جو شخص یتیم کے سر پر ہاتھ رکھتا ہے اور محض اللہ تعالیٰ کیلئے رکھے تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ گذرا ہے اتنی ہی نیکیاں اس کو ملیں گی۔ یہ کوئی معمولی فضیلت ہے؟ جیسے قربانی میں ہر ہر بال کا ثواب ملتا ہے اسی طرح یتیم کے حال پر رحم کرنے سے ثواب ملتا ہے۔ وہ باپ کے سایہ

سے محروم ہے تم سب اس کیلئے باپ بن جاؤ، تا کہ اس کو یتیمی کا احساس نہ ہو، اس کو تقویت حاصل ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ سکھلایا کہ ایک طرف اللہ نے اس کے باپ کو اٹھالیا اور دوسری طرف ہم کو امتحان میں ڈال دیا کہ باپ کے نہ رہنے کی صورت میں تم اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو، اس پر کتنا رحم کرتے ہو، کتنی شفقت کرتے ہو، اگر اس کے برخلاف اس کو دھکا دیتے ہو تو پھر یہ کتنے افسوس کی بات ہے بلکہ ڈرنے کی بات ہے کہ کوتاہی سے معتوب نہ ہو جائیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمارہے ہیں: ﴿ وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ اور مسکین کے کھانے پر ابھارتا بھی نہیں ہے۔ کھلائے گا کیا، بلکہ جو کھلاتا ہے اس سے ناگواری ہوتی ہے۔ جو آدمی بخیل ہوتا ہے وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی ہمارے جیسے ہو جائیں تا کہ کوئی مذمت کرنے والا نہ رہ جائے۔ اس لئے کہ جب ایک آدمی خرچ کرتا ہے تو لوگ اس کی سخاوت کی تعریف کرتے ہیں جس سے اس بخیل کی مذمت سامنے آتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ یہ بھی خرچ نہ کرے تا کہ ہماری مذمت ثابت نہ ہو، بڑے بڑے عابد وذاکر اس میں مبتلا ہیں۔

میں برابر کہتا رہتا ہوں کہ ہمارا تعلق چونکہ خواص سے زیادہ ہے اسلئے ہم انکے حالات سے زیادہ باخبر ہیں، یہ لوگ بھی مثل عوام کے...... الا ماشاء اللہ...... بخل، اسراف، غضب، کبر، عجب، نخوت، جیسی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ العیاذ

باللہ تعالیٰ۔ اصل دین سے ان کو بھی دور کا واسطہ نہیں ہے۔ مسکین وہ ہے جو مسکنت والا ہے، زمین سے لگا ہوا ہے، ابھر نہیں سکتا اس کو کھانا نہیں دوگے تو وہ اور نیچے ہو جائیگا، اس کو ابھارو، مسکین کے ساتھ محبت کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت کریں گے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی زندگی اور موت بلکہ حشر تک میں ان کی معیت کی دعا فرمارہے ہیں، چنانچہ دیکھئے کتنی پیاری دعا ہے: "اللھم أحینی مسکینا و أمتنی مسکینا و احشرنی فی زمرة المساکین" [فیض القدیر ۲/۱۵۲] اے اللہ! مجھے زندگی عطا کر مسکین بنا کر اور موت دیجئے مسکین کی حالت میں اور میرا حشر مسکینوں کے زمرہ میں فرما۔ جب آدمی یہ دعا کریگا تو کیا وہ مسکینوں پر رحم نہیں کریگا؟ اور جب کوئی مسکین پر رحم نہ کرے تو سمجھ جاؤ کہ وہ ایسے ہی سرسری دعا کرتا ہے، مناجات میں انگلی رکھ کر پڑھتا چلا جاتا ہے، اس سے اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ یتیم رہ چکے تھے اسلئے اس کی فضیلت میں نہ معلوم کتنی حدیثیں بیان فرمادیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ مسکین رہ چکے تھے اس لئے آپ کی زبان مبارک پر بھی مسکین کے الفاظ جاری ہوتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک عورت آئی اور وہ کانپنے لگی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روی عن قیلة انها لما رأته ارعدت من الفرق فقال یا مسکینة! علیكِ بالسکینة" [شیم الحبیب ۱۴۹] اے مسکینہ! کیوں کانپ رہی ہو، تم مطمئن اور پرسکون رہو، میں تو وہی ہوں جو خشک

روٹیوں پر بکریاں چرایا کرتا تھا۔ یہ الفاظ اس کو مانوس کرنے کیلئے فرمائے، اور عموماً مخاطبین سے ایسی باتیں فرماتے تھے تا کہ لوگوں کو آپ سے انس ہو، جب انس ہوگا تو لوگ بلا جھجک دین کے بارے میں کچھ بھی پوچھ سکیں گے، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسائل کا انکشاف ہوگا اور مسائل بیان کئے جائیں گے۔

ہرگز بدگمانی نہ کرو

اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ اب دیکھئے! یہاں اخلاق کو بیان کیا، پہلی آیت میں تکذیب دین کو بیان کیا جو عقیدہ کی بات تھی، پس جو روز جزاء کی تکذیب کرتا ہے وہ کافر ہے، اس کے بعد اس کی دو صفات یہ بیان کی کہ وہ یتیموں کو دھکا دیتا ہے اور کھانے کھلانے پر ابھارتا نہیں ہے، پس اگر یہ صفات کسی مؤمن میں ہیں تو سمجھ لو اس کے بہت ہی افسوس ناک حالات ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ کفر کی یہ خاصیت ہے کہ وہ یتیموں کو دھکا دیتا ہے اور مسکینوں کو ہٹاتا ہے، اور ان کے کھانے پر زور نہیں دیتا، چنانچہ مدرسہ میں طلبہ آتے ہیں ان پر بھی رحم کرو، معلوم نہیں کون کس درجہ کا ہے، بیچارے دور دور سے آتے ہیں، بعض لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ کھانے کیلئے آئے ہیں، ارے بھائی! تمہارے لڑکے بھی جب محتاج ہوں گے تو ہوسکتا ہے کھانے کیلئے کہیں

جائیں، چنانچہ بہار بنگال کے بہت سے لڑکے شرفاء کے ہوتے ہیں، امراء کے ہوتے ہیں، ان کے ماں باپ یوپی میں صرف اس لئے بھیجتے ہیں تا کہ گھر سے دوررہ کران کی علمی وعملی تربیت ہوجائے، یہ نہیں کہ سب کے سب کھانے کیلئے آتے ہیں، ہرگز بدگمانی نہ کرو، یہ دین سیکھنے آئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اس میں امیر وغریب کی کوئی قید نہیں ہے، کوئی بھی آسکتا ہے اور آنے کے بعد سب یکساں ہوتے ہیں، بس طالب بن کر آنا چاہئے، علم کی طلب اور اصلاح کی غرض سے آنا چاہئے، طلبہ کو اس کا خیال رکھنا چاہئے، آپ ذرا قرآن کریم کی یہ آیتیں ملاحظہ فرمائیے:

﴿ عَبَسَ وتَوَلّیٰٓ اَنْ جَآءَ ہُ الْاَعْمیٰ وَ مَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّیٰٓ اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْریٰ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنیٰ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی وَمَا عَلَیْكَ اَنْ لَّا یَزَّکّیٰ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعیٰ وَهُوَ یَخْشیٰ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی کَلَّا اِنَّهَا تَذْکِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَهٗ ﴾[سورۂ عبس: ۱۔۱۲]

[پیغمبر علیہ السلام چیں بجبیں ہوئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت قبول کرتا، سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ پہنچاتا، تو جو شخص بے پرواہی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں ہرگز ایسا نہ کیجئے، قرآن نصیحت کی چیز ہے سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔]

اس سے معلوم ہوا کہ جو طالب ہوگا اس کو سراہا جائیگا، چاہے وہ امیر ہو چاہے غریب، طالب بن کر آیا ہے اسکی قدر آپ کو کرنی ہے، چاہے وہ کسی

صوبہ کا ہو، آپ کے لڑکے تو دوسری طرف جارہے ہیں وہ لڑکے ادھر عربی پڑھنے آرہے ہیں، اللہ کے نزدیک یہ مقبول ہیں، اللہ کے یہاں وہ ولی ہیں، فضیلت علم دین پر بہت سی احادیث وارد ہیں، کیا یہ حدیثیں ویسے ہی لغو ہیں، کیا یہ حدیثیں ختم ہوگئی ہیں، ایک ایک قدم پر اللہ کی رحمتیں ان کیلئے نازل ہوتی ہیں، کئی کئی سال تک طلبہ رہتے ہیں، مشقت برداشت کرتے ہیں کھانے کا انتظام صحیح نہیں، ناشتہ کا انتظام صحیح نہیں، ان کو نہ ڈانٹو، ذلیل نہ سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کو یہ چیز محبوب نہیں۔

بے جا اعتراض اچھا نہیں

ایک آدمی تھا وہ مدرسہ میں آتا رہتا تھا، ایک مرتبہ نالی کے پاس چاول کے کچھ دانے پڑے ہوئے اس نے دیکھ لئے، کسی سے ناگواری کیساتھ کہنے لگا کہ دیکھئے یہ چاول یہاں ڈال دیئے، مجھ سے بھی ناگواری سے کہا، میں نے کہا کہ دیکھو! تمہارے یہاں ایک بچہ ہوگا یا دو ہوں گے، میں تمہارے گھر چلتا ہوں وہاں تمہاری نالی میں دسیوں چاول پڑے ہوئے ہوں گے، ہمارے یہاں سینکڑوں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، کوئی جنگل سے آیا ہے تو کوئی بیابان سے آیا ہے تو کوئی پہاڑ کی چوٹی سے آیا ہے تو کوئی چھوٹے سے دیہات سے آیا ہے، مختلف جگہوں سے غیر تربیت یافتہ آئے ہوئے ہیں ہم ان پر محنت کررہے ہیں، ان کو تعلیم دے رہے ہیں اب اگر انہوں نے کھانے کے بعد ہاتھ دھویا

اور چار دانے گرے ہوئے ہیں تو کیا تعجب کی بات ہے، میں نے کہا کہ تم طلبہ و علماء کو ذلیل سمجھ رہے ہو، اسلئے یہ سب دینداروں پر اعتراض ہے، تم کو ان کی قدر ہی نہیں ہے، ہم تو محنت کرر ہے ہیں اور تم اعتراض کرر ہے ہو، وہ بے چھلے لکڑی ہیں ہم ان کو چیر چار کر ٹھیک کرتے ہیں، اور لوگوں کا یہ حال ہے کہ بس اعتراض کئے جارہے ہیں، یہ حال اچھا نہیں ہے۔ کیسے کیسے بچے آتے ہیں، ان سب کو یہ مدرسے والے برداشت کرتے ہیں، ہمارے دلوں میں اپنے لڑکوں سے زیادہ ان کی عزت ہے، ان کے ماں باپ دین سیکھنے کیلئے انہیں بھیجتے ہیں، بہت سی مائیں تو ایسی ہیں کہ وہ بچے کی جدائی میں بے ہوش ہو کر گر جاتی ہیں، مگر علم دین کی تحصیل کیلئے جدائی برداشت کرتی ہیں سچ ہے اس راہ میں بہت قربانی دینی پڑتی ہے۔

بہر حال میرے دوستو بزرگو! یہ یتیم و مسکین معمولی لوگ نہیں ہیں، قرآن شریف میں روزانہ پڑھتے ہو، تلاوت کرتے ہو لیکن کبھی غور بھی کیا کہ اس میں کس بات پر اللہ تعالیٰ نکیر فرمارہے ہیں، اس لئے ذرا سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کرو، علماء کے پاس آیا جایا کرو تو یہ باتیں سمجھ میں آئیں گی۔

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ عقیدہ اور اخلاق کے بعد اب عمل کا نمبر آیا تو اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ ویل اور ہلاکت ہے ان نمازیوں کیلئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں، نماز میں ہیں اور غافل! پہلی بات تو یہ ہے کہ نماز ہی نہیں پڑھتے اس میں

غفلت کرتے ہیں، اور دوسری یہ کہ اگر کبھی مارے پیٹے پڑھ بھی لیتے ہیں تو نہ سنت کی ادائیگی اور نہ کسی اور آداب کا خیال بس ٹکر مار کر روانہ ہو جاتے ہیں، دیکھئے کتنی جامع سورۃ ہے، پہلے عقیدہ کو ذکر کیا پھر اخلاق کا ذکر آ گیا پھر عبادت کا ذکر کرتے ہوئے نمازیوں کی خبر لی جا رہی ہے، ویل ہے ان نمازیوں کیلئے جو نماز سے بے خبر ہیں، نماز میں ہیں اور نہیں بھی ہیں، صورت کے اعتبار سے نماز میں ہیں مگر سیرت کے اعتبار سے نماز میں نہیں ہیں۔

مخلوق مجبور و محتاج ہیں، خالق نہیں

میرے دوستو! ویل کا لفظ بہت اہم ہے، ویل معمولی چیز نہیں ہے، ویل کا لفظ قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر آیا ہے چنانچہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوْ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ﴾ [سورۂ مطففین: ۱] اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے ویل اور ہلاکت ہے ان لوگوں کیلئے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، جب خود لینا رہتا ہے تو پورا پورا لیتے ہیں اور دوسرے کو دینا رہتا ہے تو کم دیتے ہیں، اسی طرح نمازیوں کیلئے بھی ویل کا لفظ اس سورۂ مبارکہ میں وارد ہے کہ جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں ان کیلئے ویل و ہلاکت ہے، اولاً تو ان کو نماز ہی یاد نہیں رہتی اور اگر نماز پڑھ بھی لیتے ہیں تو ایسی نماز جیسے مرغ چونچ مارتا ہے، ایسی نماز کی اللہ تعالیٰ کو

کوئی حاجت نہیں ہے، کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کے تو بہت سے فرشتے ہمیشہ نماز ہی میں رہتے ہیں، کوئی قیام میں ہیں تو کوئی رکوع میں تو کوئی سجدہ میں، ہر آسمان پر اتنے فرشتے ہیں کہ تل رکھنے کی جگہ نہیں ہے اور سب اللہ کی عبادت میں مشغول ہیں، ہما شما کی عبادت کی اللہ کو پرواہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ مستغنی ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ چلو بے وضو ہی نماز پڑھ لیتے ہیں، کیا اللہ تعالیٰ تمہاری نماز کا محتاج ہے؟ کہ اس کو نماز کی ضرورت ہے جیسی بھی چاہو لے ہی لو، جس طرح کہ ہم لوگوں کا حال ہے بھوک لگی ہے چلو بے نمک ہی دال کھالو، بے روغن ہی کھانا کھالو، یہ سب مجبوری اور محتاجی تو ہم انسانوں کے ساتھ ہے، اللہ کی ذات غنی ہے اس کے ساتھ کوئی مجبوری اور محتاجی نہیں ہے، روکھا سوکھا کھالینا تو ہماری محتاجی اور مجبوری ہے، اللہ تو مجبور نہیں، اسلئے ہم بے خلوص اور بے خشوع والی نماز اس کے حضور کیسے پیش کریں، اللہ تعالیٰ تو خشوع وخضوع کو چاہتا ہے اور اسی میں ہماری کامیابی پوشیدہ ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ [سورۂ مومنون:۱] فلاح پائیں گے وہ مؤمن جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی بہت ہی بنیادی بات جو ہم لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہہ رہا ہوں کہ اگر کوئی شخص زیادہ عبادت کر کے آپ کے پاس جاتا اور کہتا کہ حضرت میں نے اتنی عبادت کی تو فرماتے کہ یہ

سب آسان ہے لیکن جو میں کہتا ہوں وہ مشکل ہے وہ یہ کہ قلب کی نگرانی کرو، قلب کے اندر انابت پیدا کرو، قلب کے اندر رجوع الی اللہ پیدا کرو، قلب کے اندر عاجزی پیدا کرو، یہ سب بہت مشکل ہے، مگر بغیر اس کے کامیابی نصیب نہ ہوگی۔ جب تک قلب کی صفائی نہ کروگے تب تک اچھی صفات اس میں نہیں جائیں گی، خوب سمجھ لو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾ وہ لوگ جو ریا کرتے ہیں، لوگوں کو دکھلاوے کیلئے نماز پڑھتے ہیں، جب آدمی ریاکاری کیلئے نماز پڑھے گا تو اس کی کوشش کریگا کہ لوگوں کی نظروں کے سامنے جاکر نماز پڑھے، اور جو اللہ کیلئے نماز پڑھتا ہے وہ تنہائی میں نماز پڑھنے کی کوشش کرتا ہے، جتنی تنہائی میسر ہوتی ہے اتنی ہی اس کی نماز بہتر ہوتی ہے۔

حضرت مصلح الامتؒ کی حکمت بھری بات

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ میاں! کیا دنیاداروں کے چکر میں پڑے ہو، اگر ان کو معلوم ہوجائے کہ یہ ہمارے چکر میں ہے تو وہ تم کو چھوڑ دیں گے، کہیں گے کہ یہ اللہ کا نہیں ہوا تو ہمارا کیا ہوگا، اس لئے اللہ ہی سے تعلق پیدا کرو، اللہ ان کے دلوں میں تمہاری محبت ڈال دیگا، دیکھئے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے، آپ نے دنیا کی طرف

نظریں نہیں کیں، اس کو ٹھکرادیا تو لوگ خود بخود ہی آپ کی طرف مائل ہونے لگے، شروع میں ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہؓ کے ذریعہ آپ کو غنی کردیا، ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَاَغْنىٰ﴾ اس آیت کا مطلب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو نادار پایا تو غنی کردیا، اَیْ بِمَالِ خديجة رضى الله عنها ، حضرت خدیجہؓ کو متوجہ کردیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ نہیں بھیجا تھا بلکہ حضرت خدیجہؓ نے رشتہ بھیجا تھا، محدث دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اسی طریقہ سے قیامت تک یہ سلسلہ چلتا رہیگا جو بھی خدا کی طرف متوجہ ہوگا تو کچھ لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ کردیں گے جو اس کی کفالت کریں گے۔

دیکھئے اسی سورۂ ضحیٰ میں اس کے بعد ہی ہے کہ: ﴿ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ کہ یتیم کو مت جھڑکو، اسلئے کہ تم جانتے ہو کہ یتیمی کا داغ کتنا بڑا ہوتا ہے، تم یتیم رہ چکے ہو، پھر اس کے بعد سائل کو رد کرنے کے بارے میں وعید ہے: ﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلاَ تَنْهَرْ﴾ سائل کو مت جھڑکو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت خداوندی

حضرت شاہ عبدالرزاق صاحبؒ نے صحائف معرفت میں ایک روایت نقل کیا ہے کہ ایک صحابی بارگاہ رسالت میں گیہوں سے بھری ہوئی ایک گٹھری لے کر آئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، اتنے میں

ایک سائل آ گیا، اس نے کہا یا رسول اللہ! میں بھوکا ہوں، آپ نے اس کو وہ تحفہ دیدیا، اس نے جا کر اسے بیچ دیا، جو صاحب وہ لائے تھے انہوں جا کر پھر دوبارہ اسکو خرید لیا اور حضور کی خدمت میں پیش کر دیا، سائل نے آ کر پھر سوال کیا، اور اسی طرح پانچ چھ مرتبہ ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور زجر فرمایا کہ تم سائل نہیں معلوم ہوتے بلکہ تاجر معلوم ہوتے ہو اس پر وہ سائل شکستہ خاطر ہو کر لوٹ گیا تب اس آیت کا نزول اس کے بعد ہوا کہ یتیم اور سائل کا خیال رکھا کرو انہیں جھڑکو مت۔ یہ تربیت خداوندی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ادبنی ربی فأحسن تأدیبی" [فیض القدیر ۱/ ۲۲۴]
میرے رب نے مجھ کو ادب سکھایا تو میرا ادب سب سے اچھا ہو گیا۔

بہر حال میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ جو لوگ نماز میں ریا کاری کرتے ہیں ان کے لئے بھی ہلاکت کی وعید ہے اس کے بعد ہے: ﴿وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾ کہ جو لوگ معمولی معمولی اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کو دینے سے منع کرتے ہیں، جیسے آگ ہے، بہت سے بخیل ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے تنور اور چولہے سے کوئلہ کا ایک ٹکڑا بھی نہیں دیتے۔ پہلے زمانہ میں ماچس بھی عام نہیں تھی اس لئے لوگ ایک دوسرے سے آگ لے کر ہی کام چلاتے تھے۔ تو میرے دوستو! جو بد خلق اور بخیل ہوتا ہے وہ برتنے کی چیزیں، معمولی اور چھوٹی چیزیں بھی نہیں دیتا، مرچا مانگا نہیں دیا، لہسن مانگا نہیں دیا، نمک مانگا نہیں دیا، یہ سب برتنے کی چیزیں ہیں، کوئی مانگے تو دے دیا کرو، ورنہ قابل ملامت

قرار پاؤ گے۔

دیکھئے! بظاہر یہ ایک چھوٹی سی سورت ہے، لیکن اس میں کتنی باتیں آگئیں، اس سورت کی جامعیت کا آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو ان سورتوں کے معانی اور مطالب کو پیش نظر کرادیں، جب ہم ان باتوں کو سمجھیں گے اور سنیں گے تو اس کے بعد ہی عمل کی توفیق ہوگی، ہم نماز میں خشوع اختیار کریں گے، مسکینوں کو دھکا نہیں دیں گے، یتیموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے، کوئی چیز اگر کوئی مانگنے آئیگا تو ہم دے دیں گے، لیکن ان سب پر عمل اسی وقت ہوگا جب کہ ہم کو اس کا علم بھی ہو، ہم کو معلوم ہو کہ قرآن ہم سے کیا مطالبہ کررہا ہے، جب ہم کچھ سنیں گے سمجھیں گے تو انشاء اللہ عمل کی توفیق بھی ہوجائیگی۔

ریا کاری سے بھی کوئی کام کرے تو اسے روکو مت

میرے دوستو بزرگو! ان چیزوں کو بھی سیکھنا ضروری ہے، میں اسلئے کہہ رہا ہوں کہ کہیں آپ ان کو چھوٹی چھوٹی چیزیں نہ سمجھئے گا، یہ بہت بڑی چیزیں ہیں، انھیں سے اللہ کا یہ راستہ طے ہوتا ہے، آپ نے کوئی معمولی چیز اللہ کے راستہ میں دیدیا اور کسی کا دل خوش ہوگیا اور اس نے دعا دیا بس آپ کا کام بن جائیگا، ابوالليث سمرقندیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ریا کاری سے بھی کنواں بنوائے، مسافر خانہ بنوائے، پل بنوائے تو اسے بنانے دو، کیونکہ کنواں اگر

ریا کاری سے بنوادیا اور کسی مخلص نے اس سے پانی پی کر اسے دعا دے دیا تو اس کا تو کام ہی بن جائیگا، کیونکہ دعا دینے میں تو وہ مخلص ہے، اسی وجہ سے کوئی ریا کاری سے کوئی کام کرے تو اسے روکو مت، اس وقت خلوص کی بحث زیادہ مت چھیڑ دو، اگر ایک دم سے خلوص کی بحث چھیڑ دو گے تو جو کرنے والا ہے وہ بھی نہیں کریگا، ہوسکتا ہے کہ بعد میں اس کی نیت صحیح ہو جائے، ان چیزوں کا استحضار بھی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے۔

یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں لیکن اجر وثواب کے اعتبار سے بہت بڑی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت ابوذر غفاریؓ نقل فرماتے ہیں کہ ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا طبخت مرقةً فاکثر ماء ھا و تعاھد جیرانك'' [رواہ مسلم، مشکوٰۃ: ۱۷۱] جب سالن بناؤ تو ذرا شوربہ میں پانی زیادہ ملالیا کرو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال کیا کرو۔ ایک چھوٹا عمل اور کتنا بڑا ثواب، یہ چھوٹی باتیں کہنے میں ہیں لیکن درحقیقت اللہ کے نبی نے ان سب باتوں کی تعلیم دی ہے، اور اس پر پوری پوری کتابیں مدون ہیں، بخاری شریف، مسلم شریف اور احیاء العلوم وغیرہ سب اسی کیلئے تو لکھی گئی ہیں، دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، اخلاقیات اور آداب شرعیہ کو اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، ہمارے اندر جو رذائل اور بداخلاقیاں ہیں انہیں اللہ تعالیٰ دور فرمادے اور اخلاقی اور عملی محاسن پیدا فرمادے۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

دعا کیجئے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، وَالصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

اللهم الف بين قلوبنا واصلح ذات بيننا ، واهدنا سبل السلام ونجنا من الظلمات الى النور و جنبنا الفواحش ماظهر منها و مابطن ، اللهم بارك لنا في اسماعنا و ابصارنا وقلوبنا و ازواجنا و ذرياتنا و تب علينا انك انت التواب الرحيم ۔

یا اللہ! رمضان شریف کے طفیل ہمارے اندر تبدیلی پیدا فرما، یا اللہ! اخلاقی تبدیلی پیدا فرما، بہت سے رمضان گذر گئے، یہ بھی گذر رہا ہے، یا اللہ! ہم کو اخلاق حسنہ سے محروم نہ فرما، آداب حسنہ سے محروم نہ فرما، یا اللہ! ہم کو اخلاق حسنہ اور آداب حسنہ سے مرصع و آراستہ فرما، یا اللہ! ہمارے قلوب کی اصلاح فرما، ہمارے قلوب میں اپنی محبت و معرفت عطا فرما، مخلوق کے ساتھ شفقت کا معاملہ ہمارے قلوب میں جا گزیں فرما، یا اللہ! ہماری عبادتوں کو قبول فرما، ہماری دعاؤں کو قبول فرما، مسلمان بے انتہا پریشان ہیں، یا اللہ! ان کی پریشانیوں کو دور فرما، ان کی حفاظت فرما، یا اللہ! ہر قسم کی عافیت عطا فرما، یا اللہ!

سارے عالم میں پریشانی اور بے چینی ہے اور یہ محض اس بنا پر کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے، یا اللہ! ہمیں ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرما، اپنے دین کو عام فرما، اپنے کلمہ کو بلند فرما، کتاب وسنت کی روشنی کو عام وتام فرما، یا اللہ! ہمیں اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرما، ہمارے بال بچوں کو بھی توفیق عطا فرما، نسلاً بعد نسلٍ ایمان اور تقویٰ کا سلسلہ جاری فرما، طریق کا سلسلہ جاری فرما، تبلیغ کا سلسلہ جاری فرما، تعلیم کا سلسلہ جاری فرما، تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری فرما، یا اللہ! تقریر و تحریر میں اخلاص عطا فرما، ہمارے تمام اعمال میں حسن نیت عطا فرما، مقصد حسن کو پیش نظر رکھنے کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! ہماری دعاؤں کو محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّاباً ﴾

استغفار کی اہمیت وفضیلت

استغفار سے قلب کی صفائی ہوتی ہے، استغفار گویا کہ صابن ہے، صابن سے جس طرح کپڑا اور بدن صاف ہوجاتا ہے اسی طرح استغفار سے ہمارے گناہ صاف ہوکر ہمارا قلب صاف ہوجاتا ہے، اور صفائی کے بعد عموماً لوگ خوشبو لگاتے ہیں تو استغفار سے قلب کی صفائی کے بعد درود شریف کا عطر لگا کر اس کی خوشبو سے قلب کو معطر کرلو۔

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم

۱۹ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء مسجد دار العلوم کنتھاریہ، بھروچ گجرات

فہرست مضامین

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِيْكَ لَهٗ ، وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا، أَمَّابَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّاباً ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ ـ

☆......ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ پہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتا دیکھ لیں تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس

سے مغفرت کی درخواست کیجئے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

میرے دوستو اور عزیزو! یہ مغفرت کا عشرہ چل رہا ہے بلکہ ختم ہونے جارہا ہے، مغفرت بہت اہم چیز ہے، بہت بڑی چیز ہے، مغفرت کی دعا کرنا بھی ضروری ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کیلئے بہت دعائیں کی ہیں، جا بجا احادیث میں اس کی اہمیت وفضیلت وارد ہوئی ہے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بہت اہتمام فرمایا کرتے تھے، اور تمام انبیاء نے اس کا سوال کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر دعاؤں میں مغفرت کا سوال ہے، جو اس کی اہمیت وفضیلت کیلئے کافی وافی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا ہے جو وضو کے درمیان میں پڑھی جاتی ہے، "اللھم اغفرلی ذنبی ووسّع لی فی داری وبارك لی فی رزقی" [فیض القدیر ۲/۱۱۰] اے اللہ! میرے گناہ بخش دیجئے، میرے گھر کو وسیع کردیجئے اور میرے رزق میں برکت عطا فرمایئے۔ دیکھئے! سب سے پہلے مغفرت کی دعا فرمائی، حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ نے فرمایا کہ سوائے اس دعا کے دوسری کوئی دعا وضو کے اندر ثابت نہیں ہے۔

چنانچہ ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کی مغفرت ہوجائے اور اس کا مکان وسیع اور کشادہ ہوجائے، نیز ہر آدمی چاہتا ہے کہ اسکے رزق میں برکت ہوجائے، اب اس کے بعد کیا چیز بچ جاتی ہے، گناہ معاف ہوگئے، گھر بھی کشادہ ہوگیا اور روزی میں برکت بھی ہوگئی۔ یہ سب اہم چیزیں اس دعا میں موجود ہیں۔

دعا کی برکت

جونپور میں ایک وکیل صاحب ہیں جن کا نام بھی وکیل ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا جب بارش زیادہ ہوتی ہے تو چھت سے اتنا پانی ٹپکتا ہے کہ ہم لوگ صبح بیٹھ کر کرتے ہیں، ایک چارپائی کے برابر بھی پانی ٹپکنے سے نہیں بچتا، اس کی وجہ سے بہت زیادہ پریشانی کا اظہار کیا، میں نے کہا کہ آپ یہ دعا وضو کے درمیان میں اہتمام کے ساتھ پڑھا کیجئے۔ وہ پڑھتے رہے ہم کو یاد بھی نہیں کہ ہم نے ان کو یہ دعا بتلایا تھا، سالوں کے بعد مٹھائی لے کر آئے اور کہا کہ میری اہلیہ نے یہ کہلا بھیجا ہے کہ اس دعا کی برکت سے جونپور میں سب سے عمدہ جگہ پر ہمارا بہت کشادہ مکان بن گیا، ایسی جگہ پر جہاں بڑے لوگ رہتے ہیں جیسے سول لائن وغیرہ کا علاقہ ہوتا ہے، تو وکیل صاحب بہت خوش تھے کہ اس دعا ہی کی وجہ سے میرا مکان بن گیا ان کو اتنا یقین تھا کہ اس دعا کی برکت سے ہی ہمارے گھر میں وسعت ہوگئی، رزق میں برکت ہوگئی، اور وہاں آخرت میں معلوم ہوگا کہ ان شاء اللہ مغفرت بھی ہوگئی۔ یہ دونوں چیزیں تو ظاہر ہو ہی گئیں کہ دنیا میں مل گئیں، انشاء اللہ آخرت میں تیسری چیز یعنی مغفرت بھی میسر ہوجائیگی۔ اللہ تعالیٰ کی کریم ذات سے یہی امید رکھنا چاہئے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے دو باتوں کا وعدہ کیا تھا موسیٰ علیہ السلام کو ملا دیں گے اور نبوت سے بھی سرفراز کریں گے۔ جب وہ مل

گئے یعنی ایک چیز تو پوری ہو گئی کہ ماں کے پاس پہنچ گئے، اب دوسری چیز جو نبوت ہے وہ بھی آگے مل جائے گی ۔ تو جب اللہ تعالیٰ سے جن چیزوں کیلئے ہم دعا کریں گے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک کو قبول کرلے اور دوسری کو نہ قبول کرے ۔ پس معلوم ہوا کہ وسعت خانہ اور برکت رزق کے ساتھ اللہ تعالیٰ مغفرت بھی فرمادیگا۔

کثرت سے ذکر کرنے والے

میرے دوستو! مغفرت ہی کیلئے تو ہم سب لوگ یہاں جمع ہیں، تو یہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی دعائیں ہیں ان کو ہمیں حرزِ جان بنانا چاہئے اور ان کو اپنا معمول بنانا چاہئے، اسی سے ﴿ وَالذّٰاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْراً وَّالذّٰاکِرَاتِ ﴾ میں داخل ہو جائیں گے۔

شیخ امام ابوعمرو بن صلاحؒ سے اس مقدار کے متعلق سوال کیا گیا جس کے کرنے کے بعد انسان ﴿الذّٰاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْراً وَّالذّٰاکِرَاتِ﴾ میں شمار کیا جائے، تو فرمایا کہ جب ان اذکار پر جو صبح وشام کے اوقات اور مختلف احوال کیلئے شب وروز میں ماثور ومنقول ہیں ان پر مواظبت کرلے۔ پس یہ تو بہت آسان ہے لیکن آدمی غفلت کی وجہ سے اتنی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر بھی عمل نہیں کرتا۔ سونے سے پہلے کی دعا کونسی مشکل ہے، اسی طرح سونے کر اٹھنے کی دعا کونسی مشکل ہے لیکن غفلت کی وجہ سے اتنا بھی نہیں پڑھتا۔

پس وضو کے درمیان میں جو دعا ہے اس میں مغفرت کی درخواست ہے

اللهم اغفرلی ذنبی اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیجئے ۔ یہ کوئی معمولی دعا نہیں ہے گھر اگر تنگ ہوتا ہے تو آدمی کا رہنا مشکل ہو جاتا ہے، عموماً ایک دو کمرے ہوتے ہیں ، مہمان چلے گئے تو اب ان کیلئے اٹھانا بیٹھانا مشکل ہو جاتا ہے، بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو چائے پلانے کو جی چاہتا ہے لیکن مکان میں اتنی وسعت نہیں اسلئے آپ کو لے جا کر کہاں بیٹھائیں گے۔ مکان کے نہ رہنے کی وجہ سے اطعام سے بھی محرومی ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اطعام یعنی کھانا کھلانا بھی مکان کی وسعت ہی پر موقوف ہے۔

طریق وسلوک

بہر حال میرے دوستو! مغفرت کی بہت اہمیت ہے، اللہ اس پر عمل کی توفیق دے، لوگ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہتے ہیں اگر چند مرتبہ اس کو پڑھ لیں تو ان شاء اللہ العزیز اس کے اثرات نمایاں ہوں گے۔ یوں وضو کے بعد کی یہ دعا بہت ہی مشہور ہے، اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له واشهد ان محمداً عبده ورسوله ، اللهم اجعلنی من التوابين واجعلنی من المتطهرين ۔[ترمذی ۱۸/۱] اے اللہ! ہم کو توابین میں سے کر دیجئے اور اے اللہ! ہم کو پاک صاف لوگوں میں سے کر دیجئے ۔ اس دعا کا پڑھنا کیا مشکل ہے؟ چند مرتبہ زبان پر جاری کیا جائے تو یاد ہو جائیگی ۔ کہتے ہیں کہ یہ دعا پڑھ کر جس دروازہ سے چاہو جنت میں چلے جاؤ۔ یہ معمولی دعائیں نہیں ہیں، حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان دعاؤں کو بتلا کر اس طریق وسلوک کو بالکل آسان فرمادیا ہے۔ یہ طریق سنت ہے اس طریق میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ عشق ومحبت کے راستہ میں تو خطرات بھی ہیں لیکن یہ سنت کا راستہ ہے بس چلتے چلے جائیں مقصد تک آپ پہنچ جائیں گے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ سنت کا طریقہ ایسا ہے جیسا کہ ایکسپریس گاڑی میں سوار ہو کر بعافیت بمبئی پہنچ جائیں (بغیر شور شرابہ کے) اسی طرح طریق سنت پر چل کر آدمی آسانی سے منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے، درمیان میں کوئی خطرہ نہیں ہوگا کوئی انتشار نہیں ہوگا، سنت کا طریقہ بہت ہی آسان راستہ ہے اور خطرات سے بہت ہی مامون راستہ ہے اس بنا پر ہمارے بزرگوں نے اتباع سنت کا بہت اہتمام کیا ہے۔

میرے دوستو! حضرت سید احمد بریلویؒ جب شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے تو چلہ کیلئے بیٹھا دیا، اور کہا تصورِ شیخ کرو، کچھ دنوں کے بعد سید صاحب نے کہا کہ حضرت! مجھ سے تصورِ شیخ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان پر توحید کا غلبہ تھا، کہا اچھا، تم کو اس راستہ سے نہیں چلنا ہے، تم کو ہم طریقِ سنت سے لے چلیں گے، چنانچہ راہ سنت سے مقامات سلوک طے کرایا اس کے بعد کتنے بڑے آدمی ہوئے اور کتنا کام کیا۔ سنت کی اتباع سے تھوڑے سے کام میں تھوڑی سی محنت میں بہت زیادہ اجر وثواب ملتا ہے اور جلد سلوک طے ہوتا ہے۔

حضرت سید احمد بریلوی صاحبؒ کا ہی واقعہ ہے کہ جب وہ جہاد کیلئے

جارہے تھے تو شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ جو سلسلۂ چشتیہ کے بہت اہم اور بڑے بزرگ ہیں انہوں نے کہا ہم بھی جہاد کیلئے چلیں گے، تو سید صاحب نے کہا کہ بھائی! ہم جہاد میں جارہے ہیں، معلوم نہیں وہاں کیا ہوگا، بچ کر آئیں گے یا شہید ہوجائیں گے، آپ خانقاہ چلارہے ہیں وہی چلایئے، آپ ادھر نہ آیئے۔ کہا نہیں حضرت! ہم کو تو شہادت پسند ہے، اسلئے معرکہ جہاد میں شرکت کریں گے۔ کہا اپنے کسی آدمی کو بلایئے جن پر تم کو اطمینان ہو، حضرت مولانا نور محمد صاحب جھنجھانوی کو بلایا، کہا کہ ان پر ہم کو اطمینان ہے، کہا کہ بیٹا یہ تو جارہے ہیں جہاد میں، واپس آئیں گے یا نہیں، تم ان کے سلسلہ کو باقی رکھنا، تم ان کی خانقاہ کو باقی رکھنا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ واپس نہیں آئے۔

اللہ تک پہنچنے کا راستہ

دیکھئے! سید صاحب جارہے تھے جہاد میں لیکن سب کیلئے پسند نہیں تھا کہ سب لوگ جہاد ہی میں چلے جائیں۔ غور فرمایئے! عموماً آدمی جس رخ کو اختیار کرتا ہے چاہتا ہے کہ سب اسی رخ کو اختیار کریں۔ یہ بہت خطرناک امر ہے، اسلئے کہ شریعت میں بہت سے رخ ہیں، معلوم نہیں کس رخ کو اختیار کر کے آدمی اللہ تعالیٰ تک پہنچے گا۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے بقدر انفاس الخلائق یعنی لوگوں کی سانسوں کے بقدر طرق اور راستے ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سانسوں کے بقدر راستے ہیں، تو تم کو کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کس کو کس

طرح لے چلیں گے۔ اللہ ہی اپنے راستوں سے واقف ہے، وہی اپنے بندوں کو اپنے طریقوں کو بتلاتا ہے، وہی الہام کرتا ہے وہی القاء کرتا ہے، جس کو جس راستہ سے وہ لے جاتے ہیں وہی سہل تر ہے۔ جیسا کہ مرشدی حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جس راہ کو ہم تجویز کریں اس راہ کو اثقل دیکھا ہے
جس راہ سے وہ لے جاتے ہیں اس راہ کو اسہل دیکھا ہے

اسماءِ حسنیٰ کی برکت

مرشدی حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ کا واقعہ بیان فرماتے تھے کہ ان کے یہاں جو کوئی جاتا تھا تو ان کے یہاں کے ایک شخص (جو اسی کام کیلئے متعین تھے) اس کو تنہائی میں لے جا کر اسماءِ حسنیٰ اس کے سامنے پڑھتے تھے، جہاں اس کو جھرجھری آتی تھی سمجھ جاتے تھے کہ یہی نام اس کو اللہ تک پہنچا دے گا۔ ہر اسم کے اندر اللہ تک پہنچانے کی خاصیت موجود ہے، قوت موجود ہے۔ ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ چاہے رحمٰن کو اختیار کرو، چاہے رحیم کو اختیار کرو چاہے اللہ کو اختیار کرو، چاہے مجیب کو اختیار کرو، چاہے ستار کو اختیار کرو، چاہے شکور کو اختیار کرو، جس کو جس سے مناسبت ہوگی وہی اس کی زبان پر بھی آئے گا۔ آپ دیکھتے ہوں گے بعض لوگ کہتے ہیں، اللہ کریم، اللہ کریم، اب وہ اللہ کے کرم ہی سے

پہنچے گا، جب کریم سے یاد کرتا ہے تو اللہ کا کرم ضرور اس پر ہوجائے گا۔ بعض لوگوں کی زبان پر اللہ غنی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور غناء عطا فرمائیگا، ظاہری بھی اور باطنی بھی۔ چنانچہ وہ بزرگ فرماتے کہ دیکھو اس کے سامنے اسماء حسنیٰ پڑھو جس نام پر اس کو جھر جھری ہو بس وہی نام اس کو اللہ تک پہنچائے گا۔ اسم اپنے مسمیٰ تک پہنچائے گا۔ اللہ کے تو سبھی نام ہیں جو نام بھی پکاریئے اللہ متوجہ ہوجائیگا۔

معارفِ صوفیہ میں آیا ہے کہ سلسلہ خلوتیہ کے بہت سے وظائف ایسے ہیں جو ہمارے یہاں جاری نہیں ہیں، میں نے اس کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے کہ یہ ہمارے یہاں رائج نہیں ہیں لیکن اگر کوئی خلوتیہ سلسلہ کا ہو تو وہ استعمال کرسکتا ہے اس پر چل سکتا ہے، اور ہم بھی اگر استعمال کرنا چاہیں تو کوئی ناجائز چیز نہیں ہے۔ ننانوے نام اللہ کے ہیں، وہ سب اللہ تک پہنچانے والے ہیں، مثلاً آپ کے بہت سے نام رکھ دیئے گئے ہوں جس نام سے بھی آپ پکارے جائیں تو آپ متوجہ ہوں گے یا نہیں؟ گھر کا نام اور ہے، لقب اور ہے، عرف اور ہے، تخلص اور ہے۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستے بہت ہیں

اسی طریقہ سے میرے دوستو! اللہ تک پہنچانے والے راستے بہت ہیں، کوئی شکر کے راستے سے، کوئی صبر کے راستہ سے، کوئی غنی کے راستہ سے، کوئی فقر کے راستہ سے اللہ تک پہنچتا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں "ان اللہ تعالیٰ یقول ان من عبادی من لایصلح ایمانہ الا الفقر ولو

أغنيته لافسده ذالك وان من عبادی من لايصلح ايمانه الا الغنى ولو افقرته لافسده ذالك"[رواه ابویعلیٰ، رسالۃ المسترشدین ۲۲۸] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیشک میرے بندوں میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کے ایمان کیلئے فقر ہی بہتر ہے اور اگر ان کو غنا دیدوں تو یہ غنا ان کے ایمان کو فاسد کر دیگا۔ اور بیشک میرے بندوں میں سے بعض وہ ہیں جن کے ایمان کیلئے غنا ہی بہتر ہے اگر ان کو غریبی دیدوں تو یہ غریبی ان کے ایمان کو فاسد کر دے گی۔ اور بہت سے مالداروں سے فرماتے ہیں کہ اگر تم کو غنا نہ دیا جائے تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ فقر وفاقہ برداشت نہ کر سکیں گے اس بنا پر وہ گمراہ ہو جائیں گے۔ تو بہتوں کو غنا کے راستہ سے لے جاتے ہیں نرم نرم بستروں پر سلاتے ہیں، عمدہ عمدہ کھانا کھلاتے ہیں اور اپنے تک پہنچا دیتے ہیں۔

ریاض الصالحین کی شرح دلیل الفالحین میں لکھا ہے کہ "في الحديث مرفوعاً كما في الكشاف بينما رجل مستلق في فراشه اذ رفع رأسه الى النجوم والى السماء فقال اشهد ان لك ربا وخالقا اللهم اغفرلی فنظر الله اليه فغفر له فقال صلى الله عليه وسلم لاعبادة كالتفكر "[دلیل الفالحین ۱/۲۵] یعنی حدیث شریف میں آیا ہے جیسا کہ کشاف میں ہے کہ ایک شخص رات کے وقت اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا کہ اچانک اس نے اپنی نظروں کو تاروں اور آسمان کی جانب اٹھایا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا رب کوئی ضرور ہے، پھر کہا کہ اے اللہ! مجھے بخش دیجئے اللہ تعالیٰ نے اس کی

جانب نظر رحمت فرمائی اور اس کی مغفرت کر دی، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فکر کی طرح کوئی عبادت نہیں ہے۔ ہمارے بعض بزرگوں کا واقعہ لکھا ہوا ہے کہ نرم بستر پر سوئے، پھر اللہ کی یاد سے یا خوف الٰہی سے ان کا تکیہ آنسوؤں سے تر ہو گیا لیکن ان کی بیوی کو بھی پتہ نہیں چلا کہ ہمارا شوہر اللہ کی یاد میں رو رہا ہے۔ اس قدر انہوں نے اخفاء کیا، بتایئے ایسے شخص کو نرم تکیہ کیا مضر ہوگا اور اس کو گدا کیا مضر ہوگا، نعمت کیا مضر ہوگی، اللہ تعالیٰ اسی راستہ سے اس کو لے جائے گا۔ سبحان اللہ کیا عمدہ حال ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین

اطمینان کی جڑ

حضرت ابراہیم ابن ادھمؒ کتنے بڑے ولی ہیں، سلسلۂ چشتیہ میں ان کا ایک خاص مقام ہے، آپ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ امیر کبیر شخص تھے اور امیری وخوش عیشی کو چھوڑ کر اللہ کے راستہ میں نکل گئے تھے۔ یہ واقعہ اس سے قبل بھی بیان کر چکا ہوں کہ امیری کے زمانہ میں شکار کرنے گئے تھے ہرن کے پیچھے شکار کیلئے دوڑ رہے تھے، ہرن نے مڑ کے کہا، ما لھٰذا خُلقتَ تم اس کیلئے پیدا نہیں کئے گئے ہو، بس اتنا سننا تھا کہ دنیا سے دل سرد ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس سلسلہ کا ایک واقعہ اور بھی ہے جسے میں نے پہلے بھی سنایا تھا کہ چھت پر چلنے کی آواز آرہی تھی تو فرمایا کہ کون ہے؟ آواز آئی کہ ہم اونٹ تلاش کر رہے ہیں تو کہا کہ اے بے وقوف! اس چھت پر اونٹ کہاں سے آئیگا، کہا اسی طریقہ سے جس

طریقہ سے آپ چاہتے ہیں کہ تخت پر بیٹھے بیٹھے اللہ مل جائے۔ جیسے یہ محال ہے کہ چھت پر اونٹ نہیں مل سکتا اسی طریقہ سے تخت پر اللہ کا ملنا بھی محال ہے۔ یہ سن کر ان کا دل دنیا سے سرد ہو گیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اللہ جب اپنا بنانا چاہتے ہیں تو ایسی باتیں پیدا فرما دیتے ہیں تا کہ اللہ کی طلب پیدا ہو جائے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ سب کیلئے یکساں معاملہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ صورت تجویز فرماتے ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ کی تجویز پر راضی ہو جاؤ تو سکون پا جاؤ گے ۔ اللہ کی تجویز پر رضا یہ سارے اطمینان کی جڑ ہے۔

بہر حال انہوں نے فقر و فاقہ اختیار کر لیا، جنگل میں رہتے تھے، ایک اور کاشتکار آدمی اللہ کے راستہ میں نکلا تھا اور وہ بھی انہیں کے ساتھ رہتا تھا، ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوان آتا تھا، اب وہ کیسا خوان تھا وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے مگر اتنا معلوم ہے کہ اس میں بہت اچھے کھانے ہوتے تھے ، اور اس دوسرے شخص کیلئے بھی خوان آتا تھا، لیکن اس درجہ کا نہیں ہوتا تھا اس نے کہا اے اللہ! ہم دونوں آپ کے راستہ میں نکلے ہیں اور دونوں مجاہدہ کر رہے ہیں یہ فرق آپ کیوں کر رہے ہیں، ان کو خوب عمدہ عمدہ خوان بھیجتے ہیں، اور ہم کو ادنیٰ درجہ کا؟ کہا یہ تخت چھوڑ کے آئے ہیں اور تم گھاس اور کھرپا چھوڑ کے آئے ہو، تم کو تمہارے اعتبار سے ملے گا، ان کو ان کے اعتبار سے ملے گا۔ ہمارے بزرگانِ دین اس قسم کے واقعات بہت بیان کرتے ہیں تا کہ طلب پیدا ہو، تڑپ پیدا ہو، اللہ کے راستہ میں چلنے کی خواہش پیدا ہو اور یہ سمجھ میں آئے کہ اس راستہ میں خالی

محنت ہی محنت نہیں ہے بلکہ اس میں لذت بھی ہے۔

اللہ تک پہنچنے کے راستے بہت ہیں

میرے دوستو بزرگو! راستے بہت ہیں، آدمی کبھی یہ نہ سوچے کہ ہم جو راستہ اختیار کررہے ہیں وہی راستہ اللہ تک پہنچائے گا دوسرا راستہ نہیں۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ بہت سے راستے ہیں۔ کسی کو تعلیم وتربیت کے راستے سے، کسی کو وعظ ونصیحت کے راستہ سے، کسی کو دعوت وتبلیغ کے راستہ سے، کسی کو غنا کے راستہ سے، کسی کو فقر کے راستہ سے، کسی کو مرض کے راستہ سے اور کسی کو صحت کے راستہ سے اپنے تک پہنچاتے ہیں، اگر صحت والے کو مرض دے دیا جائے تو معلوم نہیں برداشت کر سکے گا یا نہیں۔ کسی کو مرض دیئے ہیں اگر صحت دے دیں تو اس کے اندر انانیت اور سرکشی آجائے گی۔ اللہ ہی اپنے بندوں کے حال کو زیادہ جانتا ہے۔

جیسے ڈاکٹر کسی کو خوب روغن والا کھانا کھلاتا ہے اور کسی کو کہتا ہے کہ روغن والا کھانا نہ کھاؤ، کسی کو کہتا ہے خوب ٹہلو اور کسی کو کہتا ہے بالکل خاموش لیٹے رہو، جب ڈاکٹر یہ تجویز کرتا ہے تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا اور جب اللہ رب العزت کوئی راہ تجویز کرتا ہے تو اس کی تجویز میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ ہم کو خود ایک ڈاکٹر صاحب کہتے تھے کہ خوب تیزی سے ٹہلا کیجئے مگر جب قلب پر کچھ اثر ہوا تو وہی ڈاکٹر کہنے لگے آہستہ آہستہ چلا کیجئے۔ میں نے کہا کہ ایک ہی ڈاکٹر اور ایک ہی مریض مگر نسخہ الگ ہو گیا، پہلے کہا ضرور ٹہلئے، اور جب ان کو

تھوڑا سا شبہ ہو گیا کہ قلب پر اثر ہے، کہا اگر ٹہلئے تو بہت دھیرے دھیرے ٹہلئے اور مسطح زمین پر ٹہلئے ۔ دیکھئے! ایک ڈاکٹر جب ایسا کر سکتا ہے تو کیا اللہ اپنے بندوں کا حال نہیں جانتا کہ کیا ہے اور اس کے مناسب کیا ہے۔

ہر چیز میں وحدانیت کی تعلیم ہے

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ شاہ عبد الرحیم صاحب ولایتیؒ نے جب حضرت مولانا نور محمد جھنجھاوی کو پیش کیا تو سید صاحب نے فرمایا کہ بیٹا اس سلسلہ کو جاری رکھنا، اس خانقاہ کی حفاظت کرنا، ذکر و شغل کا سلسلہ جاری رکھنا اور یوں کندھے پر ہاتھ رکھا، کہا جاؤ۔ مولانا نور محمد صاحب جھنجھانوی کہتے ہیں کہ مجھ کو اپنے شیخ سے جو ملا وہ تو ملا ہی لیکن سید صاحب نے جو ہاتھ رکھا تھا اس کی نورانیت اب بھی محسوس کرتا ہوں ۔ سنت کا نور تھا، ان کو اللہ کے رسول کی سنت کا اتنا خیال تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ تصور شیخ شرک کا سبب نہ بن جائے اس احتمال کی وجہ سے انہوں نے تصور شیخ کا انکار کر دیا۔ یہ سلسلہ نقشبندیہ کا بہت خاص مسئلہ ہے حالانکہ وہ خود نقشبندی تھے لیکن اس پر عمل نہیں کیا، حالانکہ حضرت مجدد صاحبؒ اور خواجہ معصوم صاحبؒ ذکر اللہ اور تصور شیخ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں لیکن ان کی نسبت دوسرے انداز کی تھی، معلوم ہوا کہ لون الگ الگ ہوتے ہیں ۔ اللہ جیسے ایک ہے اسی طرح اپنے ہر بندہ کے لون (رنگ) کو بھی الگ رکھا ہے، ہر چیز میں وحدانیت ہے، اللہ کی ہر چیز جو اس نے پیدا کیا چونکہ وہ واحد ہے اس بنا پر ہر فرد کو الگ الگ بنایا ہے

کوئی بھائی اپنے بھائی سے کتنا ہی مشابہ ہو لیکن فرق رہتا ہی ہے، اس بنا پر ہزاروں، کروڑوں، اربوں آدمی ہیں، لیکن اللہ ہی کی شان ہے کہ سب کو الگ الگ بنایا ہے۔ کوئی فیکٹری کتنی ہی بڑی ہو کروڑوں کی تعداد میں کوئی چپل نکالے یا کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز نکالے تو ایک قسم کی لاکھوں کی تعداد میں ہوتی ہیں گویا ہر چیز الگ الگ نہیں بلکہ یکساں ہوتی ہے لیکن اللہ کی یہ کاریگری اور صنعت ہے کہ کروڑوں انسان موجود ہیں، کروڑوں جانور موجود ہیں، لیکن سب میں فرق رکھا ہے یہ توحیدِ خالص کی تجلی ہے، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں ایک ہے، اسلئے وحدانیت ہر چیز میں ہے۔ یہ مضمون حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ بہت فرمایا کرتے تھے۔

اتباعِ سنت سے درجات ملتے ہیں

بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے، یفعل مایشاء جو وہ چاہتا ہے وہی کرتا ہے، میرے دوستو بزرگو! ہمارا یہ طریق طریقِ سنت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق ہے اسی طریق سے اللہ تک پہنچو گے، ﴿ ان کنتم تحبون اللہ فا تبعونی یحببکم اللہ ﴾ اتباعِ سنت کرو، اتباعِ سنت سے ہی درجات ملتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ رنگ کے اعتبار سے باہم فرق ہوتا ہے، فلاں بزرگ کا رنگ اور ہے فلاں بزرگ کا رنگ اور ہے، اسلئے رنگ کے تفاوت کی وجہ سے اصل چیز کا انکار نہ کرو، اصل چیز کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

کتنی زبردست خدمت کیا مولانا نور محمد صاحب جھنجھانوی نے، ہمارا سلسلہ چشتیہ سب اُنہیں سے چل رہا ہے، مکتب میں قاعدہ بغدادی پڑھانے والے مُلا نے حضرت حاجی صاحب کو نسبت ومعرفت سے مالا مال فرمادیا تو پھر حضرت حاجی صاحب نے پورے علماء دیوبند کو اپنے رنگ میں رنگ دیا، صاحبِ نسبت بنادیا، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جو جبال العلم تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کے ذریعہ سے ان حضرات کو وہ نسبت عطا فرمائی کہ یہ لوگ بالکل سرنگوں ہوگئے، مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ فرماتے تھے کہ سب لوگ حضرت حاجی صاحب کے عمل کی وجہ سے معتقد ہیں مگر میں ان کے علم کی وجہ سے معتقد ہوں کیونکہ ان کو علم لدنی حاصل تھا۔

خم کہ از دریا درو راہے بود
پیش او جیہونہا زانو زند

جس مٹکے کا راستہ دریا سے ہوگا تو اس کیلئے سب نہریں، ندیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔

پس چونکہ حضرت حاجی صاحبؒ کو علم لدنی حاصل تھا اسلئے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے علماء جھک گئے۔

میرے دوستو بزرگو! یہ راستہ بہت ہی نازک راستہ ہے اس راستہ پر چلو، جتنا

اس کے اندر خلوص ہوگا، حسن نیت ہوگی، اتنا ہی آدمی ترقی کرتا چلا جائیگا۔

تو حضرت حاجی صاحب ان کے مرید ہوئے، اللہ کی طرف سے الہام ہوا کہ ان سے تعلق پیدا کرو، تو مولانا نور محمد جھنجھانوی کی بات مجھے نقل کرنی تھی کہ حضرت سید صاحب نے ان کے کندھے پر اتباعِ سنت کا جو ہاتھ رکھا کہ بیٹے جاؤ کام کرو، کہتے ہیں کہ جو شیخ سے مجھے ملا وہ تو ملا لیکن حضرت سید صاحب نے جو ہاتھ رکھا اس کی نورانیت اب بھی میں محسوس کرتا ہوں۔ میرے دوستو! یہ اتباعِ سنت کا نور ہے، اتباعِ سنت کا نور عجیب وغریب ہوتا ہے، جب آدمی اپنے اوقات کو ضیاع سے بچاتا ہے، اپنے قلب کو فساد سے بچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اندر اتباعِ سنت کا ایک خاص داعیہ اور جذبہ پیدا کرتے ہیں اور وہی چیز اس کی نورانیت کا سبب بن جاتی ہے، یہ اتباعِ سنت بہت بڑی چیز ہے۔

تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ حضرت سید صاحب جہاد کیلئے جارہے تھے تو یہ نہیں کہا کہ سب لوگ مدرسہ چھوڑ دو اور سب لوگ خانقاہ سے نکل کے ہمارے ساتھ آجاؤ، ہمارے پلیٹ فارم پہ آجاؤ۔ مگر اب جہاں کسی نے ذرا سا کوئی کام کیا بس کہتے ہیں کہ ہمارے پلیٹ فارم پر آجاؤ، ہمارے کام میں شریک ہوجاؤ، جب تک اس کام میں نہیں لگو گے اس وقت تک دین وایمان کا کچھ حصہ نہیں ملے گا۔ کتنی لغو وبیکار بات ہے۔ ہر کام میں اعتدال کی ضرورت ہے، بقول حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ یہ تو آسان ہے کہ دین کو بالکل چھوڑ دیا جائے یا اس کے برعکس اپنے اوپر شدت وسختی کو مسلط کر دیا جائے، ہاں راہ اعتدال اختیار

کرنا البتہ مشکل ہے۔

ذکر کی فضیلت

حضرت گنگوہیؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے یہ بات لکھی ہے کہ ذکر کی فضیلت کیلئے ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ تم مجھے یاد کرو گے تو میں بھی تم کو یاد کروں گا۔ یہ کتنی بڑی سعادت کی بات ہے۔ تم اگر مجھے یاد کرو گے اطاعت کے ساتھ تو میں تمہیں یاد کروں گا عنایت کے ساتھ، تم اگر مجھے یاد کرو گے کشادگی میں تو میں تمہیں یاد کروں گا تنگی میں، تم اگر مجھے تنہائی میں یاد کرو گے تو میں تمہیں تنہائی میں یاد کروں گا، تم اگر مجھے مجمع میں یاد کرو گے تو میں تمہیں مجمع میں یاد کروں گا اور تمہارے مجمع سے ہمارا مجمع اچھا ہوگا۔ یہ حدیث پاک کا مضمون ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فنائیت: طریق کی جان

میرے دوستو بزرگو! اپنے لئے کوئی راہ تجویز نہ کرو بلکہ خوب سمجھ لو کہ جس طریق سے اللہ لے چلتا ہے وہی آسان راستہ ہے۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ نے اس شعر میں طریق کی کیا خوب وضاحت فرمائی ہیں ؎

جس راہ کو ہم تجویز کریں اس راہ کو اثقل دیکھا ہے
جس راہ سے وہ لے جاتے ہیں اس راہ کو اسہل دیکھا ہے

یہ مولانا محمد احمد صاحب کا بہت عمدہ شعر سمجھا گیا ہے۔ تمام علماء کرام نے اس

شعر کو بہت سراہا ہے۔ اس میں تفویض کو بیان فرمایا ہے، اپنی تجویز کو فنا کرنے کو بیان فرمایا ہے گویا یہ اس طریق کی جان ہے جس کو اختیار کئے بغیر منزل تک رسائی ناممکن ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت گشت فرما رہے تھے تو سنا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ دھیرے دھیرے تلاوت کر رہے ہیں اور حضرت عمر فاروقؓ زور زور سے تلاوت کر رہے ہیں۔ صبح کو دونوں حضرات سے دریافت فرمایا کہ اے ابوبکر! آپ دھیرے دھیرے تلاوت کر رہے تھے اور عمر زور سے تلاوت کر رہے تھے اس کی کیا وجہ؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ حضرت میں اس وجہ سے دھیرے دھیرے پڑھ رہا تھا کہ جس کو سنانا ہے وہ تو سن رہا ہے زور سے پڑھنے کی ہم کو کیا ضرورت ہے، اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضرت! میں سوتوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا، "**فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا بکر ارفع من صوتك شیئاً وقال لعمر اخفض من صوتك شیئاً**" [رواہ الترمذی مشکوۃ ۱۰۷] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر! ذرا سا آواز بلند کر کے تلاوت کرو اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ ذرا آواز پست کر کے قرأت کیا کرو۔

نجات کا راستہ حضورؐ کی تجویز میں ہے

اس پر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے دونوں کو ان کی تجویز پر رہنے نہیں دیا بلکہ اپنی تجویز پر لے آئے، کیونکہ نجات کا راستہ حضورؐ کی تجویز میں ہے نہ کہ ہماری تجویز میں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بھی ان کی ذاتی تجویز پر رہنے نہ دیا بلکہ اپنی تجویز پر لے آئے۔

میرے دوستو! اس راستہ میں تفویض بہت اہم چیز ہے، اللھم اصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک و انی من المسلمین ، اے اللہ! میری ذریت کی اصلاح فرمایئے میں نے آپ کی طرف رجوع کیا میں مسلمانوں میں سے ہوں، میری کیا تجویز:

ره رو گر صد ہنر دارد توکل بایدت

رہرو اگر سینکڑوں ہنر رکھتا ہے تب بھی اس کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے ، اصلاح کے معاملہ میں بھی بھروسہ اللہ ہی پر ہونا چاہئے، کوئی پیر اپنی اصلاح کر ہی نہیں سکتا دوسرے کی کیا کرے گا۔ ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بہت فرماتے تھے اور عجیب اثر سے فرماتے تھے کہ مشائخ اپنے مریدین میں تصرف کرتے ہیں مگر میں اللہ ہی کے حوالہ کرتا ہوں کہ اے اللہ میں کیا تصرف کرسکتا ہوں آپ ہی اس میں تصرف کیجئے تا کہ اس کا کام بن جائے۔ اتنی فنائیت تھی ہمارے حضرت کے اندر، کوئی انانیت کی بات کبھی ہم لوگوں نے سنا ہی نہیں۔ جب کہ مشہور یہ ہے کہ حضرت مصلح الامتؒ سخت تھے خود بتلایئے کہ ایسا آدمی سخت ہوسکتا ہے؟ عموماً آدمی اپنے متعلق لکھتا ہے الحمد للہ میں بخیریت ہوں، مگر حضرت ہمیشہ ”الحمد للہ بخیر ہوں“ لکھتے تھے۔ ”میں الحمد للہ بخیریت ہوں“

نہیں لکھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ''میں'' کا لفظ ہی نہیں جانتے تھے۔ اپنے آپ کو اس قدر جھکایا تو اللہ تعالیٰ نے خوب ہی خوب بڑھایا۔

اپنے کو جو جھکاتا ہے اسی کو اللہ بڑھاتا ہے۔ جو اپنے کو جھکاتا ہے اللہ اسی کو اونچا کرتا ہے اور جو خود اپنے طور پر اونچائی پر جانا چاہتا ہے اللہ اس کو گراتا ہے، چلو کہاں جارہے ہو، دوستو فنائیت اختیار کرنا چاہئے، انانیت کو فنا کرنا بہت بڑی بات ہے۔

یہ حضرات کسی کو ذلت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ تواضع میں فرماتے تھے ۔

میں تو نام ونشاں مٹا بیٹھا   میرا شہرہ اڑا دیا کس نے

مرشدی مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھیؒ نے اس مضمون کو اپنے اس شعر میں ادا فرمایا ہے۔

جس نے مٹایا اپنا نام ونشاں   ہفت اقلیم کا بنا سلطاں

مجھ سے حضرت مصلح الامتؒ نے ایک صاحب سے کہلوایا کہ آپ کیوں ہمارے پاس نہیں آتے؟ دراصل ان سے گناہ کی ایک بات ہوگئی تھی، انہوں نے کہا کہ حضرت سے کہئے میں گنہگار ہوں کیسے آپ کے پاس آؤں، فرمایا مرید گنہگار تو پیر بھی گنہگار، اسلئے آؤ کوئی بات نہیں۔ اب بتلائیے ان کے دل کو کتنی تسلی ہوئی ہوگی، آخر وہ آگئے۔

اس راہ میں اپنی تجویز کو نہ لانا چاہئے، نہ اپنے علم پر نہ اپنے عمل پر نظر ہونی چاہئے، اپنی تجویز کو ہٹاؤ اور اللہ کی تجویز پر راضی ہو جاؤ، بس تمہارا کام بن جائیگا، طمانیت حاصل ہو جائے گی۔

واقعہ تین بزرگوں کا

تین بزرگ جا رہے تھے ایک نے کہا کہ بھائی آپ کا کھانے پینے پہننے میں کیا نظریہ ہے، کہا بھائی میں چاہتا ہوں موٹا جھوٹا کپڑا ہو، سادہ کھانا ہو یہ میں پسند کرتا ہوں، دوسرے سے کہا کہ آپ کا اس سلسلہ میں کیا نظریہ ہے کہا میں چاہتا ہوں کہ خوب عمدہ کھانا پینا ہو اور کپڑا بھی عمدہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ بھائی میرا نظریہ ہے کہ اللہ جو دے دے اسی پر راضی رہوں، اگر موٹا جھوٹا پہنائے پہن لوں اور جو کی روٹی مل گئی راضی رہوں، پلاؤ مل گیا تب بھی راضی رہوں۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ ان تیسرے بزرگ کا حال ارفع ہے بہ نسبت ان دونوں کے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی تجویز کو اللہ کی تجویز میں فنا کر دیا اور جو جتنا فنا کرتا ہے اپنی تجویز کو اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ہی آگے بڑھاتے ہیں، اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

یہ سلوک کوئی مشکل نہیں ہے صرف ذہنی اور علمی وفکری ہمارا طریق ہے، اتنا سوچنے میں کونسی بات ہے، کون سی محنت پڑ رہی ہے آپ پر، نہ آپ کو سڑک ٹھیک کرنا ہے نہ جھاڑو دینا ہے نہ پتھر ڈھونا ہے، فکر کو درست کرو اللہ تک پہنچ جاؤ گے، علم کو درست کرو اللہ تک پہنچ جاؤ گے، اپنی تجویز کو فنا کرو اللہ تک پہنچ جاؤ گے، اللہ

کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اپنی تجویز ہے۔ ابھی آپ حضرات نے سنا کہ داؤد علیہ السلام کو حکم ہوا ہے ﴿ولا تتبع الھوىٰ﴾ اے داؤد! حکم شریعت کے مطابق کرو، ھویٰ کی اتباع نہ کرو۔ حضرت داؤد علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر ہیں، ان کو حکم ہے کہ اپنی ھویٰ سے فیصلہ نہ کرنا بلکہ ہماری منشاء اور ہماری ہی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنا۔ نیز آپ کو حکم ہوا "یاداؤد اذا رأیت طالبا لی فکن خادما له" یعنی جب میرے طالب کو دیکھو تو اس کے خادم بن جایا کرو۔ یہ طریق ہے اللہ کا، یہاں مخدوم بننے کا کیا سوال، یہاں تو عبدیت وفنائیت درکار ہے۔ اسی کی قدر ہے۔

تفویض ہی سے قرب الٰہی ملے گا

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ کے پاس کوئی غلام ہے؟ کہا غلام کو خواجگی زیب نہیں دیتی، جو خود غلام ہے اس کیلئے خواجگی کیسی ہو، جو خادم ہو اس کو مخدومیت زیب نہیں دیتی، کتنی عمدہ بات ہے، سلسلہ نقشبندیہ یوں ہی نہیں چلا بلکہ انہوں نے اپنے کو فنا کیا تو اس سلسلہ کو اللہ نے بڑھا دیا، جس سلسلہ میں مجدد صاحب جیسا آدمی ہو اس سلسلہ کی رفعت کیلئے کافی ہے۔

بہر حال خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ سے کسی نے کہا کہ حضرت آپ کے پاس کوئی غلام ہے؟ کہا، غلام کو خواجگی زیب نہیں دیتی۔ جو خود خادم ہے تو مخدوم کیسے

ہوگا۔ کہا حضرت آپ کی کوئی کرامت ہے؟ کہا یہ کرامت کم ہے کہ بہاء الدین اتنے گناہوں کو لے کر کے زمین پر چل رہا ہے اور زمین اس کو نگل نہیں جاتی۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ زمین پھٹ جاتی اور مجھ کو نگل لیتی۔ اپنے کو اتنا فنا کیا تھا ان حضرات نے، تب اس مقامِ عالی پر پہنچے تھے۔

بہر حال میرے دوستو بزرگو! ان حضرات نے مجاہدات کیے۔ اپنے کو مٹایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔ اس بنا پر اپنی تجویز کو فنا کرنا، تفویض کلی اختیار کرنا ہی طریق ہے ﴿ اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ﴾ میں اللہ کو اپنا کام سپرد کرتا ہوں۔ جتنی تفویض زیادہ ہوگی اتنی ہی اللہ کی تقریب زیادہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

مغفرت بہت اہم چیز ہے

بہر حال یہ مغفرت کا عشرہ چل رہا ہے، مغفرت بہت اہم چیز ہے، اس لئے مغفرت کی دعا کرنا بھی ضروری ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کیلئے بہت دعائیں کی ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفر اللہ ربّی من کلِّ ذنبٍ واتوب الیہ پڑھتا ہوں۔ یہ کسی بزرگ کا استغفار نہیں ہے بلکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار ہے، نیز یہ استغفار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے جو سید الاستغفار کہلاتا ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْٓءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَ اَبُوْٓءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ:۲۰۴)

ترجمہ: اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور میں تیرا ہی بندہ ہوں اور جہاں تک مجھ سے ہوسکا تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں، میں نے جو گناہ کئے ان کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، میں تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں، لہٰذا مجھے بخش دے کیونکہ تیرے علاوہ کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔

اولاً تو اس کو یاد کرلینا چاہئے اور اگر یاد نہ ہوتو کتاب دیکھ کر پڑھ لینے سے اس کی فضیلت حاصل ہوجائیگی۔ اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”من قالها من النهار موقنا بها فمات قبل ان يمسی فهو من أهل الجنة ومن قالها من الليل موقنا بها فمات قبل ان يصبح فهو من أهل الجنة“ [رواہ البخاری، مشکوۃ ر۲۰۴] یعنی جو شخص دن میں یقین کیساتھ سید الاستغفار پڑھے اور شام ہونے سے پہلے مرجائے تو وہ اہل جنت میں سے ہے اور جو شخص رات میں یقین کیساتھ پڑھے اور صبح ہونے سے پہلے مرجائے تو وہ اہل جنت میں سے ہے۔

تمام انبیاء نے مغفرت کی دعا کی ہے، تمام اولیاء نے مغفرت کی دعا کی

ہے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینکڑوں مرتبہ استغفار کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض ان کو کیا مرتبہ دیا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا، آپ کو معلوم ہے جو میں نے سورہ پڑھی ہے اس میں بھی اسی کا تذکرہ ہے، اب چونکہ وقت بھی زیادہ ہو چکا ہے، زیادہ بیان کرنے کو جی نہیں چاہتا، لیکن بہرحال تھوڑا سا اختصار کے ساتھ بیان کردیتا ہوں، تاکہ کچھ ترجمہ وتشریح سامنے آجائے۔

﴿ اذا جاء نصر الله ﴾ جب اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت آگئی، اس کے شان نزول میں دو قول ہیں یا تو فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے، یا فتح مکہ کے بعد اس وجہ سے ترجمہ میں فرق ہوجائے گا۔ اگر فتح مکہ کے بعد ہے تو ترجمہ ہوگا جب نصرت آگئی، اور اگر فتح مکہ سے پہلے ہے تو ترجمہ کیا جائے گا کہ جب نصرت آجائے۔

﴿ اذا جاء نصر الله والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین الله افواجاً ﴾ بہت سے قبائل فتح مکہ کا انتظار کررہے تھے کہ اگر فتح مکہ ان کے ہاتھ پر ہوگیا تو ہم سب اسلام میں داخل ہوجائیں گے، چنانچہ جب فتح مکہ ہوگیا تو قبیلہ در قبیلہ، فوج در فوج آکر لوگ مسلمان ہونے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ ﴿ فسبح بحمد ربك واستغفره انه کان توابا ﴾ تو آپ تسبیح کیجئے اور استغفار کیجئے، آخری وقت ہے، یہ نہیں کہ آخری وقت میں آدمی اور غافل ہوجائے، اپنی اولاد میں پوتوں میں، نواسوں میں، جائداد میں غافل نہیں ہونا چاہئے، موت جتنی قریب ہو، اتنی ہی موت کی تیاری

ہونی چاہئے ، یہ سب چیزیں کام نہیں آئیں گی، نہ جائداد کام آئے گی اور نہ اولاد۔

حدیث میں آتا ہے ”قال النبی صلی الله علیه وسلم یتبع المیت ثلاثة فیرجع اثنان ویبقی معه واحد یتبعه اهله وماله وعمله فیرجع اهله وماله ویبقی عمله “[متفق علیہ،مشکوٰۃ ۴۴۰] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی مرتا ہے تو اس کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، اولاد، اموال، اور اعمال، دو چیزیں قبرستان سے لوٹ آتی ہیں اولاد بھی لوٹ آتی ہیں اور مال بھی لوٹ آتا ہے، صرف اعمال ساتھ جاتے ہیں۔ اس بنا پر اس کا استحضار ہونا چاہئے، موت جتنی قریب ہو اتنی ہی تیاری ہونی چاہئے۔

﴿ جاء کم النذیر ﴾ یعنی تمہارے پاس ڈرانے والا آ گیا۔ اس لئے ہمارے بعض بزرگانِ دین نے یہ کیا ہے کہ جب ان کی عمر ساٹھ سال کی ہوگئی، بال سفید ہوگئے تو وصیت نامہ لکھ کر سرہانے رکھ دیتے تھے۔ اور علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ساٹھ سال کے بعد اکثر لوگ خلوت اختیار کر لیتے تھے، اللہ کی یاد اور ذکر میں مشغول رہتے تھے۔

﴿ فسبّح بحمد ربك ﴾ اب اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے۔ اس سورہ کے نزول کے بعد ایک قول کے مطابق آپ صرف اسّی دن اس دنیا میں رہے اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیائے فانی سے پردہ فرما گئے۔

چنانچہ اس کے بعد آپ ہمہ تن اپنے رفیقِ اعلیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے، اپنی

نسبت کو خوب مضبوط کرتے رہے، اسلئے کہ جتنا آدمی اپنے رب کی طرف متوجہ ہوگا اور جتنے سجدے کرے گا، جتنی تسبیح پڑھے گا اس سے اللہ سے نسبت میں قوت پیدا ہوگی، جیسا کہ آدمی اپنی بیوی بچوں اور احباب واعزہ کے ساتھ جتنی ہمدردی کا معاملہ کرتا ہے، اعانت کا معاملہ کرتا ہے، اتنی ہی ان سے نسبت قوی ہوتی ہے۔ تو اللہ رب العزت کے یہاں جب آدمی تسبیح واستغفار اور ذکر کرے گا تو کیا اللہ سے نسبت میں قوت نہیں ہوگی! اللہ تو ہمارا محتاج نہیں ہے لیکن ان کی نسبت کیلئے ہم کو ضرورت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت کریں جیسے ماں باپ کی نسبت کیلئے ان کی بدنی خدمت کی جاتی ہے، مالی خدمت کی جاتی ہے اس طرح ان سے نسبت قوی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ رب العزت کا معاملہ بھی یہی ہے، عبد اور معبود میں نسبت کیلئے عبادت کی ضرورت ہے، جب بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا تو اس سے قرب ہوگا، اس سے قبولیت ہوگی، اس سے نسبت میں قوت پیدا ہوگی، اس بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ﴿فسبّح بحمد ربك واستغفره﴾ آپ حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے، تمام نقائص سے اللہ کو پاک گردانئے، اور تمام کمالات کا اثبات کیجئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے "من قال سبحان الله وبحمده في يوم مائة مرة حطت خطاياه وان كانت مثل زبد البحر" [متفق علیہ، مشکوٰۃ/ ۲۰۰] یعنی جو شخص ایک دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھے گا اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

اس بناپر میرے دوستو! اس کا معمول تو رہنا ہی چاہئے، کوئی مشکل نہیں ہے فجر کے بعد یا کسی وقت پڑھ لیا کریں۔ سو مرتبہ پڑھنے میں صرف دو منٹ لگے گا۔ یہ سب ہی کیلئے کہتا ہوں، خاص ہو یا عام، لوگ جس کو چھوٹی چھوٹی باتیں سمجھتے ہیں وہ درحقیقت بہت بڑی ہیں اس کے اندر بڑی عظمت ہے اجر وثواب ہے، قرب وقبول کا ذریعہ ہے نسبت پیدا کرنے کا وسیلہ ہے۔

خانۂ کعبہ کو دیکھنا موجب اجر وثواب ہے

ہمارے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ جس کی نسبت کمزور ہو وہ خانہ کعبہ کو دیکھے تو اس کی نسبت میں قوت پیدا ہو جائے گی، اب بیت اللہ میں پہنچ کر بجائے ادھر ادھر دیکھنے کے خانہ کعبہ ہی کو دیکھو تو کیا مضائقہ ہے لیکن وہاں بھی لوگ فضولیات میں مشغول رہتے ہیں، بہت سے آدمی ایسے ہیں جو خانہ کعبہ کی طرف پیر کر کے سوتے ہیں، خانہ کعبہ ہی رہ گیا ہے کہ اس کی طرف پیر کر کے سویا جائے۔ جب اس کا تم احترام کرو گے تو وہ تمہاری طرف توجہ کرے گا وہ تم کو اپنے فیوض سے مالا مال کرے گا، اور تم اس کی بے ادبی کرو گے تو کیا نتیجہ ہوگا خود سمجھ لو۔

بہر حال میرے دوستو! میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس کا دیکھنا بھی موجبِ اجر وثواب ہے، یہی ایک عمارت ہے جس کا دیکھنا موجبِ اجر وثواب ہے، کسی اور عمارت کے دیکھنے سے اجر وثواب نہیں ملے گا، وہی ایک پتھر ہے جس کا چومنا بھی اجر وثواب ہے وہی ایک گھر ہے جس کے ارد گرد گھومنا موجبِ اجر وثواب

ہے۔ کسی وزیر اعظم کے گھر کا چکر لگایئے کبھی ثواب نہیں ملے گا۔ تاج محل کا چکر لگایئے ثواب نہیں ملے گا بلکہ مسجد نبوی کا بھی چکر لگایئے ثواب نہیں ملے گا یہ ثواب کا عمل نہیں ہے ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کے طواف کیساتھ خاص رکھا ہے، اس کا طواف بھی موجب اجر وثواب، اس کو دیکھنا بھی موجب ثواب، اس سے چمٹنا بھی موجب اجر وثواب، اس کا چومنا بھی موجب اجر وثواب، کتنی بڑی فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سعادت سے بہرہ ورفرمائے۔ آمین

قرآن پاک دیکھنے سے نسبت میں قوت آتی ہے

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ کعبہ کے دیکھنے سے نسبت میں قوت پیدا ہوتی ہے، جب دیکھنے سے نسبت قوی ہوتی ہے تو اگر کوئی تسبیح پڑھ رہا ہو ذکر کر رہا ہو تلاوت کر رہا ہو تو کیا یہ موجب اجر وثواب نہیں ہوگا ؟ اسی پر ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ بھائی نسبت میں قوت پیدا کرنے کیلئے خانہ کعبہ کے دیکھنے کو اگر شرط قرار دیا جائے تو سب تو دیکھ نہیں سکتے، اسلئے کہ ہر ایک وہاں جانے کی استطاعت نہیں رکھتا اور جو جاتے بھی ہیں تو کچھ عرصہ کیلئے جاتے ہیں، تو میں کہتا ہوں کہ قرآنِ پاک کو دیکھو اس کو پڑھو، اس سے تمہاری نسبت میں قوت پیدا ہو جائے گی، فرمایا کہ بیت کی نسبت اللہ کی طرف ہے تو اس نسبت کا فائدہ یہ ہے کہ ہماری باطنی نسبت اس کی رؤیت سے قوی ہوتی ہے اسی طرح قرآن کی نسبت بھی اللہ کی طرف ہے یہ اللہ کا کلام ہے، تو جب کلام اللہ کو دیکھو گے تو کیا

تمہاری نسبت میں قوت نہیں آئے گی؟

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح و استغفار کی طرف متوجہ کیا کہ اب عمر شریف بہت کم رہ گئی ہے، ہم سے ملنے کا وقت آ گیا ہے لہٰذا خوب تسبیح و استغفار کیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گناہ سے بالکل پاک و صاف تھے، لیکن چونکہ استغفار اللہ کو اتنا پسند ہے کہ اپنے نبی کو بھی فرما دیا کہ استغفار کیجئے تا کہ امت کیلئے یہ سنت ہو جائے، امة مذنبة و ربٌّ غفور، امت گنہگار ہے اور رب غفور ہے، جب استغفار کرو گے تو وہ مغفرت کرے گا، جب ہم عبادت میں، تسبیحات میں، ذکر میں، تلاوت میں کوشش وسعی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں محروم نہیں فرمائے گا۔

میرے دوستو! ان راتوں اور ان دنوں کی خوب قدر کریں، اس کا خیال رہے کہ یہ متبرک راتیں اور متبرک ایام غفلت میں نہ گذر جائے، ہمیں ہر دم اس کا استحضار رہنا چاہئے، اس کی فکر رہنا چاہئے، ہمیشہ ان مبارک ایام ولیالی کا خیال رہنا چاہئے، اللہ کو ہماری تمام فکروں اور خیالات کا علم ہے ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ [سورۂ ق/۱۶] اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کی کھٹک پر بھی مطلع ہیں، وہ ہمارے خیالات اور وساوس کو بھی بخوبی جانتے ہیں۔

چنانچہ ﴿ فسبح بحمد ربك واستغفره ﴾ کے نزول کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے "سبحان الله وبحمده استغفر الله واتوب

الیہ ‘‘پڑھنے لگے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت یہی پڑھتے تھے کیونکہ اللہ کی طرف سے حکم ہوا تھا اس بنا پر پڑھتے تھے۔ نبی جو معصوم ہیں اس کو حکم ہوا ہے ہم تو سراپا گنہگار ہیں، گناہوں میں ملوث ہیں، ایسی صورت میں بھی اگر ہم استغفار نہ کریں تو بہت زیادہ افسوس کی بات ہے۔

استغفار کی اہمیت

میرے دوستو! گناہِ کبیرہ تو خیر میں نہیں کہتا اگر چہ اس میں بھی ابتلا ہے لیکن صغائر سے کون خالی ہے، صغائر تو ہوتے ہی رہتے ہیں، اس بنا پر استغفار کی کثرت کرو، کم از کم سو سو مرتبہ صبح وشام پڑھ لیا کرو۔ طویل استغفار یاد نہ ہوں تو چھوٹا ہی پڑھ لو اور نہیں تو کم از کم ’’استغفر اللہ‘‘ ہی پڑھ لیا کرو، لیکن استحضار کے ساتھ پڑھو رسماً نہیں۔ بلکہ یہ سوچ کر پڑھو کہ میں بہت ہی گنہگار بندہ ہوں اور ایک کریم آقا کے دربار میں کرم کی امید لے کر آیا ہوں اگر چہ میں اس کا مستحق نہیں لیکن کریم کی کریمی سے امید ہے کہ وہ معاف فرمائیگا، اس تصور کے ساتھ پڑھیں گے تو ان شاء اللہ ضرور اللہ معاف کریگا، اس بنا پر اپنے لئے، اپنے والدین کیلئے، اپنے بھائیوں کیلئے اور ساری امت کیلئے دعا کریں دیکھئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سلسلہ میں کتنی زبردست اور جامع دعا ہے: ’’اللھم اغفرلی و للمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات‘‘ [کشف الخفاء ۱/۱۶۸] تمام لوگوں کیلئے ہم مغفرت طلب کرتے

ہیں، اپنے لئے بھی، اپنے والدین کیلئے بھی، اعزاء اور احباب کیلئے بھی، تمام مسلمان مرد اور عورت سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دعا میں شامل کرلیا۔

میرے دوستو! مغفرت طلب کرنے کی بہت اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا امر فرمایا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ محبوب تھا۔ اس بنا پر میں نے اس موضوع پر کچھ بیان کردیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو کثرتِ استغفار کی توفیق مرحمت فرمائے، کثرتِ ذکر کی توفیق مرحمت فرمائے۔ انشاء اللہ العزیز اس استغفار کے ذریعہ سے بہت سی بلائیں دور ہوجائیں گی، استغفار کا خاصہ یہ ہے کہ بلاؤں کو دور کرتا ہے۔

استغفار سے قلب کی صفائی ہوتی ہے

میں نے صبح کہا تھا کہ استغفار سے قلب کی صفائی ہوتی ہے، استغفار گویا کہ صابن ہے، صابن سے جس طرح کپڑا اور بدن صاف ہوجاتا ہے اسی طرح استغفار سے قلب صاف ہوجاتا ہے، اور صفائی کے بعد عموماً لوگ خوشبو لگاتے ہیں اسلئے استغفار سے قلب کی صفائی کے بعد درود شریف کا عطر لگا کر اس کی خوشبو سے قلب کو معطر کرلیں۔ اسی بنا پر میں ابتداء میں تین تسبیح بتلاتا ہوں، کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ سو مرتبہ، استغفار سو مرتبہ اور درود شریف سو مرتبہ۔ ان شاء اللہ العزیز قلب کی صفائی کیلئے ان تین تسبیح کے اندر صلاحیت ہے۔ اس بنا پر اس کا

اہتمام کریں چاہے کوئی مرید ہو یا نہ ہو، لیکن ان تسبیحات کا ضرور اہتمام کرے۔

اصلاح فرض عین ہے

مرید ہونا کوئی ضروری نہیں لیکن اپنی اصلاح ضروری ہے، اصلاح فرض عین ہے اور بیعت مسنون ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں کوئی جاتا اور بیعت کی درخواست کرتا تو فرماتے کہ بھائی پہلے اصلاح کرو جو فرض عین ہے، موقع ہو تو پھر بیعت بھی ہو جانا۔ بیعت سے انکار نہیں فرماتے تھے مگر یہ بتلاتے تھے کہ اصلاح ضروری اور فرضِ عین ہے۔ اصلاح کی فکر تو ہر شخص کو ہونا چاہئے۔ عورت، مرد، جوان، بوڑھے، اور خاص طور سے جو ہماری عمر ستر سال کو پہنچ چکے ہیں ان کو تو مزید اصلاح کی فکر ہونی چاہئے اسلئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس عمر میں آدمی غفلت سے زندگی گذارے اللہ ہم کو بھی اس کی توفیق دے اور آپ حضرات کو بھی۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

دعا کیجئے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، وَالصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذهديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب ، اللهم ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطأنا ، ربنا ولا تحمل علينا اصراً كما حملته على الذين من قبلنا ، ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به ، واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكٰفرين ، ربنا لا تجعلنا فتنة للذين كفروا واغفرلنا ربنا انك انت العزيز الحكيم ،

یا اللہ! ہم کو کفار کا تختۂ مشق نہ بنایئے، یا اللہ! ہماری مغفرت فرمایئے، آپ اللہ عزیز ہیں اور حکیم ہیں، یا اللہ! ربنا لاتجعلنا نہایت جامع دعا ہے اس وقت کیلئے خاص دعا ہے، یا اللہ! ہم کو کفار کا تختۂ مشق نہ بنایئے، ہماری گناہوں کی وجہ سے یہ ہو رہا ہے تو ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیجئے، مغفرت فرمادیجئے، آپ عزیز ہیں اور حکیم ہیں آپ زبردست ہیں کوئی کچھ آپ کے مقابلہ میں نہیں کر سکتا، یا اللہ! آپ حکیم بھی ہیں حکمت سے آپ کا ہر کام ہوتا ہے، اے اللہ اپنے فضل وکرم سے تمام گناہوں کو معاف فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

استغفار سے قلب کی صفائی ہوتی ہے، استغفار گویا کہ صابن ہے، صابن سے جس طرح کپڑا اور بدن صاف ہوجاتا ہے اسی طرح استغفار سے ہمارے گناہ صاف ہوکر ہمارا قلب صاف ہوجاتا ہے، اور صفائی کے بعد عموماً لوگ خوشبو لگاتے ہیں تو استغفار سے قلب کی صفائی کے بعد درود شریف کا عطر لگا کر اس کی خوشبو سے قلب کو معطر کرلو۔

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیَآءُ کُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ﴾

استقامت اور کرامت

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم

۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء مسجد دار العلوم کنتھاریہ، بھروچ گجرات

فہرست مضامین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَ نَشْهَدُ أنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِيْكَ لَهٗ ، وَ نَشْهَدُ أنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَ عَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ، أمَّابَعْدُ!

فَأعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيَاءُ كُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِىْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلاً مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ [حم السجدة/۳۰] صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ ،

ترجمہ: جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو

جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا تھا۔ ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ اور تمہارے لئے اس میں جس چیز کا تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے۔

بزرگو اور عزیزو! ابھی آپ حضرات نے جو آیات سماعت فرمائی ہیں یہ چوبیسویں پارے کی ہیں جنھیں ابھی ہم لوگوں نے تراویح میں بھی سُنا۔ اسی وقت دل میں خیال ہوا کہ اس کے متعلق بیان ہونا چاہئے۔ آیت کے جزء ﴿وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلاً مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ کو اکثر میں پڑھ کر بیان کرتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے ان صالح بندوں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں جو اپنی شہوت اور اپنی خواہشات کو ترک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق زندگی گذارتے ہیں ان کیلئے جنت میں وہ چیزیں ہوں گی جو ان کا جی چاہے۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق کچھ تفصیل سے بیان کروں۔

اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ کہ بیشک وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ میرا رب اللہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی الوہیت کو اس نے تسلیم کرلیا ہے، اللہ کو اس نے مان لیا ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنے دل میں جگہ دیا ہے اس کی تصدیق دل میں لایا۔ یہ سب اس میں داخل ہے، اقرار باللسان کے بعد اس پر مستقیم بھی رہا، ایمان میں تذبذب نہیں کیا، آج کچھ، کل کچھ، کبھی اِدھر کبھی

اُدھر، یہ نہیں بلکہ ایمان میں پختگی بھی پیدا کیا، اس پر جما رہا۔ بخلاف منافقین کے کہ ان کا ایمان ایسا تھا کہ وہ تذبذب کے شکار تھے، ہر وقت شک و ریب میں رہتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿ مذبذبین بین ذٰلك لا الی هٰؤلآء ولا الی هٰؤلآء ومن یضلل الله فلن تجد له سبیلا ﴾ [سورۂ نساء، ۱۴۳] [کفر اور ایمان کے درمیان تردد و تذبذب کی حالت میں مبتلا ہیں نہ پورے ان مسلمانوں کی طرف اور نہ پورے ان کافروں کی طرف اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں مبتلا رکھے تو اے مخاطب تو اس کیلئے کوئی راہ نہ پائیگا۔] اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے روشنی ہوئی تو دو چار قدم چل دیئے جب روشنی ختم ہوگئی تو ٹھہر گئے، یہ نفاق کی علامت ہے، مومن کی ایسی حالت نہیں ہوتی، مومن تو ہر حال میں مستقیم رہتا ہے، ہر حال میں ڈٹا رہتا ہے، نعمت ملے تب بھی اور مصیبت آئے تب بھی، اللہ سے تعلق میں اس سے کمی نہیں آتی بلکہ اس کا تعلق اللہ سے اور بڑھ جاتا ہے۔

صاحب ایمان کا شیوہ

حضرت مجدد الف ثانی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ مومن جس طرح اکرام و انعام کو پسند کرتا ہے اسی طرح اسے ایلام کو بھی پسند کرنا چاہئے۔ یعنی اگر اللہ کرم کرے، نعمتوں سے نوازے تو راضی رہتا ہے اسی طرح الم اور غم پہنچے تب بھی راضی رہتا ہے۔ اگر ایسا معاملہ ہے تب تو واقعی وہ مومن کامل ہے، اور اگر اس میں

تذبذب آ گیا کبھی اِدھر کبھی اُدھر تو یہ صاحب ایمان کا شیوہ اور شعار نہیں ہے، مؤمن معمولی باتوں سے اُکھڑ نہیں جاتا ہے بلکہ بڑی بڑی مصیبت میں بھی ثابت قدم اور جمار ہتا ہے۔

استقامت کے معنی

بہرحال اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر مستقیم بھی رہے، استقامت بھی انہوں نے اختیار کیا، اور استقامت کے معنی ہیں کہ اپنے تمام معاملات میں شریعت کے مطابق اعتدال اختیار کرے، اخلاق کے سلسلہ میں بھی، عقائد کے سلسلہ میں بھی، معاملات کے سلسلہ میں بھی۔ لکھا ہے کہ جتنی بدعات اور خرافات آئی ہیں وہ سب اعتدال سے ہٹنے کی وجہ سے آئی ہیں۔ اہل بدعات کا منشا ہوسکتا ہے کہ عبادت ہو لیکن چونکہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں اس بنا پر وہ عبادت عبادت نہیں رہے گی بلکہ بدعت ہو جائے گی۔

عقیدۂ اہل سنت والجماعت

درود شریف پڑھنا کتنی بڑی عبادت ہے، لیکن حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کہتے تھے کہ چار رکعت کے پہلے قعدہ میں اگر التحیات کے بعد اللھم صل علیٰ محمد تک پڑھ دیا تو سجدۂ سہو لازم ہو جاتا ہے، چونکہ اسے مقام سے ہٹا دیا اور اگر قصداً ایسا

کیا تو گنہگار ہوگا، اسلئے کہ سجدۂ سہو اس صورت میں واجب ہوتا ہے جبکہ سہو سے کوئی غلطی ہوئی ہو، اگر واجب کا ترک یا واجب کی تاخیر، یا واجب کی تکرار قصداً ہے تب تو آدمی گنہگار ہوجائے گا سجدۂ سہو سے بھی اس کی تلافی نہ ہوگی، توبہ کرنی ہوگی، مسئلہ خوب معلوم کرلینا چاہئے، قصداً اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ کو چھوڑتا ہے تو گنہگار ہوگا، سہو سے چھوٹ گیا تو گنہگار نہیں ہوگا، سجدۂ سہو سے کام چل جائے گا۔

درود شریف جیسی چیز پڑھنے سے آدمی گنہگار ہوجائے کتنے تعجب کی بات ہے، معلوم ہوا جو اس کا موقع تھا اس موقع سے اس کو ہٹادیا، جس کی وجہ سے اعتدال نہ رہا۔

اس بنا پر استقامت کے معنی یہی ہیں کہ عقائد جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے اُنہی عقائد پر رہنا یہ ہے استقامت ۔پس معلوم ہونا چاہئے کہ اہل سنت والجماعت نے کیا عقیدہ بتلایا ہے۔ انھیں عقائد کو اختیار کرنا چاہئے، اس میں آپ کوئی کتر بیونت نہیں کرسکتے، کوئی بھی کمی بیشی نہیں کرسکتے، بلکہ جو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اسی پر جمار ہنا چاہئے مثلاً یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور تمام وہ خصوصیات جو کسی بشر میں پائی جاتی ہیں وہ آپ ؐ کے اندر بدرجہ اکمل اور بدرجہ اتم موجود ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

محمد بشر لا کالبشر　　　　بل ھو یاقوت بین الحجر

محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں لیکن عام بشر کی طرح نہیں بلکہ جیسے پتھر میں

یاقوت کتنا قیمتی ہوتا ہے اسی طریقہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت بشر میں ہے۔ تو یہ عقیدہ ہمارا اور آپ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہونا چاہئے۔ پس اللہ کے بارے میں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اور صحابۂ کرامؓ کے بارے میں جو عقائد اہل سنت والجماعت کے ہیں انہیں اختیار کرنا چاہئے۔ صحابۂ کرامؓ کے بارے میں بھی ہم بہت غلطیاں کرتے ہیں، کوئی اُٹھتا ہے تو حضرت معاویہؓ کو ان کی شان کے خلاف کچھ کہہ دیتا ہے۔ کوئی اُٹھتا ہے تو حضرت عمرؓ کو کچھ کہہ دیتا ہے، کوئی اُٹھتا ہے تو حضرت علیؓ کو کچھ کہہ دیتا ہے، تو سن لیجئے! یہ سب اعتدال سے ہٹنے کی بات ہے، ہمارا مسلک اور علماء دیوبند کا مسلک سکوت کا ہے، اس بارے میں سکوت اختیار کرو یہ نہیں کہ حضرت معاویہؓ کو کچھ کہہ دو، حضرت عثمانؓ کو کچھ کہہ دو، حضرت علیؓ کو کچھ کہہ دو۔ یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں۔

ہمارے تمام بزرگانِ دین کا عقیدہ اعتدال کا ہے۔ اسلئے تم ان کے بارے میں لب کشائی نہ کرو۔ تم سے سوال نہیں کیا جائے گا کہ حضرت معاویہ نے کیوں غلطی کی، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو، صحابۂ کرامؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصاحبین ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے حبیب کی مصاحبت کیلئے چنا ہے، اس بناپر آپ لب کشائی نہیں کر سکتے، **اذا سخر الالٰہ لسعیدٍ فکلھم سعداء** اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو کسی سعید کیلئے مسخر کرتا ہے تو کل کے کل سعید ہوتے ہیں سب نیک بخت ہوتے ہیں، کسی صحابی کے بارے میں آپ چوں و چرا نہیں کر سکتے۔

بد دین علماء کے اندر اعتدال نہیں ہوتا ایسے ہی افراط وتفریط کرتے رہتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ دین کا سب سے بڑا کام یہی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان کے مقام سے ہٹادو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بڑھادو، حضرت معاویہؓ کو گھٹادو، یہ کیا چکر میں پڑے ہو، اپنی تحریروں اور تقریروں کا نشانہ صحابہ کرام کو نہ بناؤ۔ اسلئے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں، آپ کے مصاحبین ہیں ان کا ادب واحترام لازم ہے۔

غالباً علامہ شعرانیؒ نے لکھا ہے کہ اِدھر اولاد ہیں تو اُدھر اصحاب۔ اسلئے بہت سوچ سمجھ کر ان حضرات کے بارے میں کہو یا لکھو، یہ سب ایک دوسرے کے رشتہ دار بھی ہیں، حضرت معاویہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں، جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ رشتہ دار ہیں ویسے ہی حضرت معاویہؓ بھی رشتہ دار ہیں۔ اس بنا پر صحابہ کرامؓ کے بارے میں عقائد بہت سنبھل کے رکھنا چاہئے، اہل سنت والجماعت اور خاص طور سے علماء دیوبند کا جو عقیدہ ہے وہ بہت ہی معتدل ہے۔ ویسے تو الحمدللہ ان کے اندر ہر چیز کے اندر اعتدال ہی اعتدال ہے۔

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ استقامت عقائد کے اندر بھی ہو، افراط وتفریط سے خالی ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عقیدہ بھی افراط وتفریط سے خالی ہو، کمی زیادتی نہ ہو، کمی بھی نہ کرو، زیادتی بھی نہ کرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کم کرنے کا آپ کو اختیار نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنا علم دیا، کیسی کتاب دیا، تمام علوم اس کتاب میں موجود ہیں، جتنے علوم انبیاء کو دیئے نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں اس کو ودیعت فرمایا یہ سب کچھ ہے لیکن آپ اللہ نہیں ہیں، اللہ کا منصب آپ کو نہیں دیا جا سکتا، آپ اللہ کے بندے ہی ہیں، رب نہیں ہیں۔ اور آپ کو تو اپنے بندے ہونے پر فخر ہے، لہٰذا خاص طور سے آپ نے دعا میں اس طرح کے الفاظ ادا فرمائے " **اللهم انی عبدك وابن عبدك وابن امتك ناصيتى بيدك ماض فىّ حكمك عدل فىّ قضائك** " [مجمع الزوائد ۱۰/۱۴۵] اے اللہ! میں آپ کا بندہ ہوں اور آپ کے بندہ کا لڑکا ہوں اور آپ کی بندی کا لڑکا ہوں میری پیشانی آپ کے دست قدرت میں ہے میرے بارے میں آپ ہی کا فیصلہ نافذ ہے میرے متعلق آپ ہی کا فیصلہ عدل ہے۔ دیکھئے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کتنے فخر سے فرما رہے ہیں اے اللہ! میں آپ کا عبد ہوں اور آپ کے عبد کا لڑکا ہوں، آپ کی باندی کا لڑکا ہوں، حضرت آمنہ کا لڑکا ہوں، غرض کوئی میرے اندر ربوبیت نہیں ہے، میرے اندر کوئی الوہیت نہیں ہے، میں تو عبدیت لیکر آیا ہوں، عبدیت پر مجھے ناز ہے۔ میرے دوستو! عبدیت پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناز تھا، بلکہ ایک جگہ تو یہ ارشاد فرمارہے ہیں: " **اللهم ان قلوبنا و جوارحنا بيدك لم تملكنا منها شيئاً فاذا فعلت ذالك بهما فكن انت وليهما** " [رواہ ابونعیم فی الحلیۃ، فیض القدیر ۲/۱۳۶] اے اللہ! بیشک ہمارے قلوب اور سارے ظاہری اعضاء آپ کے دست قدرت میں ہیں آپ ان میں سے کسی کا مالک ہم کو نہ بنائیے گا، تو جب آپ ان دونوں کے ساتھ ایسا کر دیں تو آپ ان دونوں کے ولی بن جائیے

یعنی میں تو اپنے ہاتھ کو بھی اپنا نہیں سمجھتا، اپنے پیر کو بھی اپنا نہیں سمجھتا، سب آپ کا عطیہ ہے، سب عاریت پر آپ نے دیا ہے، آپ جب چاہیں اس کو لے لیں جب یہ بات ہے تو آپ اس ہاتھ کی حفاظت فرمائیے، غلط چیزوں کے پکڑنے سے اس کو بچائیے، اس پیر کے ولی آپ ہیں میں اگر صاحب پیر ہوں، تو آپ اس کے خالق اور مالک اور اس کے ولی ہیں، میرے پیر کو بھی بچائیے کہ وہ غلط چیز کی طرف چلنے نہ پائے، زبان کو بچائیے۔ کتنا تواضع، کتنا انکسار، کتنی شکستگی کا اظہار فرما رہے ہیں، یہ نہیں کہ میرا ہاتھ ہے اس سے جو چاہوں کروں، بلکہ اللہ کا ہاتھ ہے، اللہ نے ودیعت فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے امانت کے طور پر دیا ہے، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی بڑی فنائیت کی بات ہے، کسی چیز کا آپ نے اپنے کو مالک نہیں بنایا۔ اے اللہ آپ ہی سیدھا راستہ دکھلائیے، اس ہاتھ کو بھی سیدھا راستہ دکھلائیے، اس پیر کو بھی دکھلائیے، ہم سب کو اپنے جمال کی گلی میں لے چلئے، اس ہاتھ سے اپنا دامن ہم کو پکڑوائیے، اس آنکھ سے اپنا دیدار کرائیے۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بہ کویت رسیدہ است
ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کو دامنت کشیدہ بسویم کشیدہ است

کتنے عمدہ اشعار ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے: میں اپنی آنکھ پر ناز کرتا ہوں کیونکہ اس نے آپ کے جمال کو دیکھا ہے، تمام مجازی جمالوں کو چھوڑ کر اس نے آپ

کے جمال کو دیکھا ہے، اس واسطے میں اپنی آنکھوں پر ناز کرتا ہوں، کہ ایسی آنکھ آپ نے مجھ کو عطا فرمائی جو غیر کو دیکھنا گوارا نہیں کرتی، اہل اللہ کو ایسی ہی غیرت ہوا کرتی ہے، وہ دوسرے کو کیا دیکھے، وہ تو اللہ کے جمال کے دیکھنے کے اندر مست رہتے ہیں۔ ایک صاحب تھے وہ جا رہے تھے، ایک بہت خوبصورت عورت جارہی تھی اسکے پیچھے ہو لئے، عورت نے پوچھا کہ آپ میرے پیچھے پیچھے کیوں آرہے ہو؟ کہا کہ تم بہت خوبصورت ہو، صاحب جمال ہو، تمہارے عشق میں پیچھے پیچھے آرہا ہوں، اس نے کہا کہ ارے! میرے پیچھے مجھ سے زیادہ خوبصورت میری بہن آرہی ہے، بس لگے دیکھنے ادھر، اس نے اس آدمی کو ایک طمانچہ مارا اور کہا نالائق ابھی تو میرے عشق کا دم بھر رہا تھا اور ابھی ادھر دیکھنے لگا۔ ایک بزرگ نے جب یہ واقعہ سُنا تو ان کی چیخ نکل گئی کہ جب ایک عورت مخلوق ہو کر اتنی غیر تمند ہوسکتی ہے کہ دوسرے کی طرف دیکھنا گوارا نہیں کیا تو اللہ رب العزت کب گوارہ کرسکتا ہے کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف دیکھا جائے۔ کتنی بڑی نصیحت ہے، میرے دوستو! اللہ تعالیٰ کا جمال کسی سے کم نہیں، اللہ تعالیٰ کا کمال کسی سے کم نہیں۔ اسلئے اسے دیکھو۔

اللہ تعالیٰ میں جمال، کمال اور منال سب کچھ موجود ہے

ایک واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، ایک خوبصورت عورت وہاں سے گذری، تو مریدین اس کو دیکھنے لگے، اس نے جب شیخ کی

طرف دیکھا تو اس سے زیادہ خوبصورت شکل میں وہ بیٹھے ہوئے تھے، شیخ نے فرمایا کہ تمہارے شیخ کے اندر کیا کمی تھی کہ تم دوسری طرف دیکھنے لگے، یہ جمال بدرجۂ اتم میرے اندر بھی موجود ہے۔

میرے دوستو بزرگو! یہ توحید ہے۔ جب آدمی اللہ کا ہوگیا ہے تو غیروں کی طرف کیا نظر اُٹھاوے۔ اس میں جمال، کمال اور منال سب کچھ ہے، ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ فرماتے تھے کہ آدمی کسی کے جمال کی وجہ سے اس کا عاشق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اندر جمال کامل موجود ہے، یا کسی کے کمال سے متأثر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اندر کمال بھی مکمل ہے، کوئی منال یعنی عطیات کی وجہ سے کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اندر جود وسخا بھی کامل درجہ کا ہے، پس جب سب کچھ اللہ کے اندر موجود ہے، تو پھر آدمی ہر طرف سے ہٹ کر بس اللہ ہی کا کیوں نہ ہوجائے۔ ان سب ریاضات ومجاہدات کا مقصد یہی ہے کہ ہم یکسو ہوکر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجائیں ﴿اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ [سورۂ انعام/ ۱۶۲] [بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جو پالنے والا ہے سارے جہاں کا] یہی سلوک اور تصوف کی انتہا ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ہمارا ہر عمل خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری سب اللہ کیلئے ہوجائے، ہمارا کھانا پینا بھی اللہ کیلئے ہوجائے، ہم کھانا بھی اسلئے کھائیں کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ کھاؤ، بھوکے مروگے تو گنہگار ہوگے، کھانا ہوتے ہوئے کھائے بغیر مرے گا تو وہ گنہگار ہوگا، دوا نہ

کرے تو گنہگار نہیں ہوگا، لیکن کھانا نہ کھائے اور مر جائے تو گنہگار ہوگا۔ میرے دوستو! بزرگو! اللہ رب العزت سے لو لگاؤ اسلئے کہ وہ ہر کمال سے متصف ہے، ہر کمال سے وہ بہرہ ور ہے، بلکہ مخلوق کو سارا کمال اسی سے ملتا ہے۔ جیسے گنے کے اندر رس اس نے پیدا کیا، سمندر کے اندر موتیوں کو اس نے پیدا کیا، جو ذات ان موتیوں کو پیدا کرنے والی ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف توجہ کرنا کتنے افسوس کی بات ہے۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ کو ایک ماننا، اللہ کا عاشق ہو جانا، اللہ سے محبت کرنا یہ بہت بڑی نعمت اور دولت ہے، اسی بنا پر صاحب فتح الباری نے لکھا ہے: "محبة الله علی قسمین ، فرض و نُدبٌ" اللہ کی محبت دو قسموں پر ہے ایک فرض اور دوسری مندوب۔ ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ اللہ کی محبت حاصل کرے تاکہ فرائض کو ادا کر سکے۔ عقلی محبت بہت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ انسان سوچے اللہ نے کھانا دیا، کپڑا دیا، عیش و عشرت دیا، اللہ نے ہم کو وجود دیا، اسلام دیا، یہ سب سوچ کر اللہ سے تعلق پیدا کرنا، محبت کرنا یہ محبت عقلی ہے جو فرض عین ہے۔ جب آدمی محبت عقلی کو اختیار کرتا ہے اور اس پر قائم و دائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو محبت طبعی بھی عطا فرماتے ہیں، یہ ذکر و اذکار جو کیا جاتا ہے وہ اسی محبت طبعی کے حصول کیلئے کیا جاتا ہے۔

بہرحال عقلی محبت ابتداء ہی سے حاصل ہونی چاہئے یہ سوچ کر کہ اللہ رب العزت روزی رساں ہے، صحت دینے والا ہے، انعام کرنے والا ہے، یہ تو محبت

عقلی ہے، یہ تو ہر مومن کے اندر ہونی چاہئے، اسلئے کہ فرض عین ہے، محبت طبعی اپنے اختیار میں نہیں ہے، اسی بنا پر یہ مجاہدات اور ریاضات کرائے جاتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ محبت طبعی حاصل ہوجائے، جیسے کہ کھانے کی خواہش طبعاً ہوتی ہے، اس طرح اللہ سے محبت طبعی پیدا ہوجائے کہ وہ بھلائے نہ بھولے لاؤ ہٹائے نہ ہٹے، یہ توحید کی باتیں ہیں، ان میں اعتدال بہت بڑی نعمت ہے، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اعتدال اختیار کرنا چاہئے، علماء نے اس کے بارے میں خوب ہی خوب لکھا ہے، اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

مقام صحابہ کرامؓ

صحابہ کرامؓ کے بارے میں اعتدال ہونا چاہئے، صحابہ کرامؓ کے بارے میں اپنی زبان اور اپنے قلم کو بہت ہی محفوظ اور محتاط رکھنا چاہئے، کوئی ایسی بات نہ کہو جس سے صحابہ کرامؓ کے بارے میں ادنیٰ سی گستاخی ہوجائے، ان پر طعن و تشنیع ہوجائے، حضرت مجدد صاحبؒ کہتے ہیں کہ اگر صحابہ کرامؓ مطعون ہوتے ہیں تو پورا دین مطعون ہوجائے گا، کیونکہ دین تو انہیں کے ذریعہ سے ہم کو ملا ہے اگر حضرت عثمان غنیؓ مطعون ہوتے ہیں تو پھر قرآن بھی مطعون ہوجاتا ہے جب وہ بے اعتبار ہیں تو پھر قرآن کیسے با اعتبار رہ سکتا ہے، انہی نے تو قرآن کریم کو جمع کیا ہے جو ہم تک پہنچا ہے، جس کو ہم پڑھتے پڑھاتے ہیں۔

میرے دوستو بزرگو! صحابہ کرامؓ کی محبت و عظمت اور ان کی اہمیت و عقیدت

بہت ضروری ہے، کسی بھی صحابی کو کم نہ سمجھو۔ ایک صحابی حضرت عائذ ابن عمرو رضی اللہ عنہ تھے، اخیر میں ان کا انتقال ہوا۔ ایک مرتبہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس گئے اور ان کو کچھ نصیحت کی تو عبید اللہ بن زیاد نے کہا ''اجلس فانما انت من نخالة اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم فقال هل كانت لهم نخالة انما كانت النخالة بعدهم وفي غيرهم '' [مسلم ۲/۱۲۲] یعنی آپ بیٹھئے اسلئے کہ آپ اصحاب محمد کی بھوسی اور چوکر کے مانند ہیں تو فرمایا کیا صحابہ میں بھی بھوسی و چوکر ہیں، بھوسی اور چوکر تو صحابہ کے بعد اور صحابہ کے علاوہ میں ہیں۔ جب آٹا چھانا جاتا ہے اور اخیر میں جو چیز باقی رہ جاتی ہے اسے نخالہ کہا جاتا ہے۔ جب ان صحابی نے یہ بات سنی تو وہ ناخوش ہو گئے، انہوں نے کہا کہ ہم میں کا کوئی بھی نخالہ نہیں ہے ہم سب اصلی میدہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عزت بچانا اپنے منصب کو بچانا بھی ضروری ہے کسی بھی صورت میں اپنے منصب پر عیب اور دھبہ آنے نہیں دینا چاہئے۔ وہ ایک صحابی تھے، انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا عظیم شرف حاصل تھا، انہوں نے سمجھا کہ یہ ہماری ہی نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوئی کہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور صحبت میں رہا ہے اس کو نخالہ یعنی چوکر اور بھوسی کہا جائے۔ یہ کتنی بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔ اسلئے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ بہت زیادہ محبت اور عظمت کا سلوک کرنا چاہئے۔ ان کی بے ادبی کے شائبہ سے بھی بچنا چاہئے۔ اسلئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''الله الله في اصحابي لاتتخذوهم غرضا

من بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم ومن اٰذاهم فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللّٰه ومن اٰذی اللّٰه فیوشك ان یأخذه " [رواہ الترمذی، مشکوۃ ر ۵۵۴] اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرے صحابہ کے حق میں، میرے بعد تم ان کو نشانۂ ملامت نہ بنانا، جو شخص ان کو دوست رکھتا ہے تو وہ میری وجہ سے ان کو دوست رکھتا ہے اور جو شخص ان سے دشمنی رکھتا ہے تو وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کے سبب ان کو دشمن رکھتا ہے اور جس شخص نے ان کو اذیت پہنچائی اس نے گویا مجھے اذیت پہنچائی اور جس شخص نے مجھ کو اذیت پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ کو اذیت پہنچائی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں پکڑ لے۔

مقام اولیائے عظامؒ

اسی طرح اولیاء اللہ کا معاملہ ہے، ان کو بھی ماننا پڑے گا اسلئے کہ قیامت تک اولیاء اللہ رہیں گے۔ جب قرآن کریم میں اولیاء اللہ کا ذکر آیا ہے تو اولیاء اللہ قیامت تک ہوتے رہیں گے اور ان کی کرامات بھی رہیں گی، جو حضرات اللہ کی ولایت سے متصف ہیں، اللہ تعالیٰ کے قرب اور قبول سے مشرف ہیں مگر ان کو ماننے میں بھی اعتدال ہونا چاہئے۔ چنانچہ صاحب رسالہ قشیریہ جو محققین علماء صوفیہ میں سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اپنے مشائخ کو معصوم نہ سمجھو۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے، معصوم صرف انبیاء

کرام ہوتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آج ان کو معصوم سمجھتے ہو اگر کل ان سے کوئی گناہ صادر ہوگیا تو تم اتنے ہی زیادہ ان سے بدظن ہو جاؤ گے، اس بنا پر ایسا عقیدہ ہی نہ رکھو کہ ان سے معصیت ہونے پر تم کو بدظن ہونا پڑے، چنانچہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ کسی شیخ کے زیادہ معتقد ہوتے ہیں اگر ان سے صغیرہ گناہ کا بھی صدور ہوا تو وہ سب سے پہلے اور زیادہ بدظن بھی ہو جاتے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ کیسے کیسے لوگ صرف اسی وجہ سے اپنے شیخ سے بدظن اور بے تعلق ہو گئے۔

اولیاء کے بارے میں عقیدہ میں اعتدال اور توسط ہونا چاہئے، افراط وتفریط سے بچنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کی ولایت ہی کو نہ مانو اور اگر مانو تو ایسا نہ کرو کہ انہیں نبی کے برابر کر دو۔ پس اولیاء سے اعتقاد کے سلسلہ میں بھی استقامت کی شدید ضرورت ہے۔

اعمال میں اعتدال مطلوب ہے

اسی طرح اعمال میں بھی اعتدال ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک عمل کو لیا اور دوسرے بہت سے اعمال چھوڑ دیئے۔ ذکر پر آئے تو تلاوت کو چھوڑ دیا، تلاوت پر آئے تو ذکر کو چھوڑ دیا۔ یہ سب اعتدال کے ساتھ کرو، اتنی عبادت نہ کرو کہ تجارت اور کاروبار کو چھوڑ دو، گھربار، بال بچوں کو چھوڑ دو، یہ مطلوب شرعی نہیں ہے۔ غرض عبادت ہو یا دعوت ہر کام میں اعتدال ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خذوا من الاعمال ما تطیقون فان اللہ لن یمل

حتی تملوا“ [مسلم ۱/۲۶۵] یعنی تم لوگ اتنا ہی عمل کرو جتنا تم سے ہو سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں اکتائیں گے یہاں تک کہ تم لوگ عمل کرنے سے اکتا جاؤ گے۔ اسوجہ سے پہلے ہی سے اعتدال پر رہنا چاہیے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ رات بھر نماز پڑھتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو ان کو بلا کر اس میں تخفیف کا حکم دیا تو حضرت عمرو ابن العاصؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اس سے زیادہ عمل کرنے کی طاقت ہے اس وجہ سے انہوں نے رخصت کو چھوڑ دیا اور اسی اعمال شاقہ میں مشغول رہے اور جب بوڑھے ہوئے تو حضرت عمرو ابن العاصؓ فرماتے تھے ”یا لیتنی قبلت رخصة رسول الله صلى الله عليه وسلم“ [مسلم ۱/۳۶۹] یعنی اے کاش میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کو قبول کر لیا ہوتا۔

معلوم ہوا کہ مجاہدات وریاضات میں بھی اعتدال ہونا چاہیے، بعض لوگ دھوپ میں بیٹھ کر وظیفہ پڑھتے ہیں، دھوپ کی وجہ سے دماغ پر اثر پڑتا ہے، بہت سے پاگل ہو کر گھومنے لگتے ہیں، دھوپ میں بیٹھ کر وظیفہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، سایہ میں پڑھو، زیادہ گرمی لگتی ہے تو پنکھا چلا کر پڑھو۔ اپنے کو مشقت میں نہ ڈالو کہ کچھ دنوں کے بعد عمل جو کرتے تھے وہ بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اس میں بھی اعتدال کی ضرورت ہے۔

بیعت کا ایک مقصد

میرے دوستو بزرگو! ہمارے مشائخ نے ان سب چیزوں میں اعتدال پیدا کیا ہے، خاص طور سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سلوک کو بہت زیادہ واضح اور صاف کر کے نکھار کر سامنے رکھدیا ہے۔ آپ ''قصد السبیل'' پڑھئے۔ اس میں بیعت کے مقاصد میں سے لکھا ہے کہ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کاروبار میں ترقی ہوجائے گی اگر بیمار ہوتو ضرور صحت ہوجائیگی ، مقدمہ میں کامیابی ہوجائیگی، اس کی برکت سے اگر یہ مقاصد حاصل ہوجائیں تو نعمت کی بات ہے، لیکن مقاصد بیعت میں یہ کچھ نہیں ہے، مقاصد بیعت میں اللہ سے تعلق اور نسبت کا حصول ہے۔ اعمال میں استقامت اور سہولت ہے۔

اللہ والے مخلوق سے پسندیدگی کی توقع نہیں رکھتے

چنانچہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادبادیؒ کے پاس ایک انگریز آیا، اس نے کہا کہ آپ کے پاس اتنے لوگ کیسے جمع رہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ دیکھو یہ سب میرے سامنے گناہوں سے توبہ کیلئے آتے ہیں اور توبہ پر مجھ کو گواہ بنالیتے ہیں۔ اگر تم کو بھی عیسائیت سے توبہ کرنا ہوتو توبہ کرلو میں گواہ بن جاؤں گا۔ صاف صاف کہہ دیا، اسلئے کہ ان حضرات کو مخلوق سے کوئی ڈر نہیں ہوتا ۔

ندارند چشم از خلائق پسند　　　　کہ ایشاں پسندیدۂ حق بس اند

یہ حضرات مخلوق سے پسندیدگی کی توقع اور امید نہیں رکھتے، اللہ کے پسندیدہ ہیں یہی ان کیلئے کافی ہے۔

صالحین کے ساتھ ہم بھی قبول کر لئے جائیں گے

ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ وعظ فرما رہے تھے، درمیان وعظ حضرت مصلح الامتؒ کو یہی شعر پڑھنا تھا لیکن حضرت کی زبان پر یہ شعر نہیں آرہا تھا، میں قریب ہی بیٹھا ہوا تھا، حضرت نے کہا اجی وہ کون شعر ہے؟ الحمدللہ میں نے یہ شعر فوراً پڑھ دیا حضرت والا بہت خوش ہوئے۔

حضرتؒ کے یہاں اطلاع احوال کا خاص اہتمام تھا۔ اس میں کوتاہی پر سخت مواخذہ فرماتے تھے، چنانچہ میں نے رمضان المبارک میں اطلاع احوال کے سلسلہ میں عریضہ میں یہ شعر لکھا

می پذیرند بداں را بطفیل نیکاں　　　　رشتہ واپس نہ کند ہر کہ گوہر می گرد

حضرت! ایسے ایسے سالکین، طالبین، صادقین خانقاہ میں موجود ہیں کہ ان کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہے، لیکن اس شعر سے تسلی ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوں کے طفیل میں بدوں کو بھی قبول کر لیتا ہے۔ جیسے کوئی موتی خریدتا ہے تو موتی کے ساتھ اسکا دھاگا بھی بک جاتا ہے، تو ہماری مثال دھاگے جیسی ہے کہ انشاء اللہ ان صالحین کے ساتھ ہم بھی قبول کر لئے جائیں گے، حضرت بہت خوش ہوئے، مولانا عبدالحلیم صاحبؒ وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے، حضرت نے ان لوگوں کو

پڑھ کر سنایا۔

یہ خانقاہ ہے، یہاں ہم سب لوگ اسی لئے ہیں کہ یہاں کے نیکوں کے ذریعہ ہم بدوں کی بھی اصلاح ہو جائے، اور اللہ کے یہاں رسائی ہو جائے، اسی بنا پر قرآن کریم میں فرمایا گیا ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ ہم سب آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور ہم سب آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اگر آدمی یہ کہتا کہ "میں" عبادت کرتا ہوں تو اس کے اندر انانیت کا شائبہ ہوتا اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے سکھایا کہ ایسے موقع پر بھی تواضع اختیار کرو اور کہو ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ﴾ ہم سب مل کر آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور ہم سب مل کر آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں، تاکہ تمام نیکوں انبیائے کرام علیہم السلام، اولیائے عظام کی جب دعا اور عبادت قبول ہو گی ان کے ساتھ ساتھ ہماری عبادت و دعا بھی قبول ہو گی۔

میرے دوستو! یہ سلوک ہے جو سراسر ادب ہے، اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں سکھایا کہ اس راہ میں ادب کو ملحوظ رکھو! انانیت نہ آنے پائے، عبدیت اختیار کرو اسی سے ہمارے دربار میں تم کو رسائی ہو گی، اور اسی سے ہمارے دربار میں قبولیت ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ عمل

عبادات میں استقامت ہو، اس سے اللہ کی رضا کا قصد ہو، اللہ جس عمل سے راضی ہو جائے وہی عمل دراصل عمل ہے، آپ نے زیادہ عمل کرنا شروع کر دیا

پھر اس کو چھوڑ دیا، یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"احب الاعمال الی اللہ ادومھا وان قل" [متفق علیہ، مشکوۃ ۱۱۰] اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر پابندی کی جائے گرچہ کم ہو۔ یعنی بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت ہو اور مداومت تھوڑے عمل پر ہی ہوسکتی ہے۔ ہمارے حضرت مصلح الامتؒ فرماتے تھے کہ مداومت اس وجہ سے محمود ہے کہ عمل سے اللہ کا قرب بڑھتا رہتا ہے، جب اس پر دوام ہوگا تو قرب الٰہی بھی دائم ہوگا اور وہ بڑھتا جائیگا۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے، پس اعمال کے اندر مداومت کے ساتھ اعتدال بھی ہونا چاہئے، اپنی صحت وقوت کے اعتبار سے عمل، ذکر وتلاوت وغیرہ کرنا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ زیادہ عمل کی بنا پر آنکھ خراب ہوجائے یا دماغ معطل ہوجائے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارگی کا رشتہ قائم کردیا ایک روز حضرت سلمانؓ حضرت ابودرداءؓ کے مہمان ہوئے تو حضرت سلمانؓ نے ام درداء رضی اللہ عنہا کو بوسیدہ کپڑے میں دیکھا تو پوچھا یہ کیسی حالت بنارکھی ہو تو ام درداءؓ نے جواب دیا تمہارے بھائی کو دنیا کی ضرورت نہیں ہے۔ جب حضرت ابودرداءؓ تشریف لائے تو انہوں نے اپنے بھائی کیلئے کھانا تیار کرایا اور کہا کہ آپ کھانا کھائیں ہم روزہ ہیں، تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ میں نہیں کھاؤں گا جب تک تم نہ کھاؤ گے چنانچہ انہوں نے بھی کھایا، جب رات ہوئی تو حضرت ابودرداءؓ نماز کیلئے کھڑے ہوئے حضرت سلمانؓ نے

فرمایا کہ سویئے وہ سوئے، کچھ دیر بعد کھڑے ہوئے پھر سلایا پھر جب تہجد کا وقت ہوگیا تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا اٹھئے اب نماز پڑھیئے، اس وقت دونوں حضرات نے تہجد کی نماز ادا کیا اور حضرت سلمانؓ نے فرمایا "ان لربك عليك حقا و ان لنفسك عليك حقا ولاهلك عليك حقا فاعط كل ذى حق حقه" [بخاری ۲/۹۰۶] پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا واقعہ بیان کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صدق سلمان" یعنی سلمان نے صحیح کیا۔

اس بنا پر میرے دوستو! استقامت علی الاعمال یعنی اعمال پر استقامت بہت بڑی اور بہت مشکل چیز ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم ہوا ہے ﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ﴾ [سورۂ ہود، ۱۱۲] آپ مستقیم رہئے جیسا کہ آپ کو حکم کیا گیا ہے۔

استقامت کی اہمیت

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پورے قرآن کریم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت اور شاق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور فرمایا کہ جب صحابۂ کرامؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک میں کچھ سفید بال دیکھ کر بطور حسرت و افسوس کے عرض کیا کہ اب تیزی سے بڑھاپا آپ کی طرف آرہا ہے تو فرمایا کہ سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا کردیا۔ پھر سوال کیا کہ اس سورت میں جو انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات اور

ان کی قوموں کے عذاب کا ذکر ہے اس نے آپ کو بوڑھا کر دیا؟ تو فرمایا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ﴾ نے۔[معارف القرآن ۴/۶۷۱]

یہ استقامت کوئی معمولی بات نہیں ہے، استقامت بہت بڑی چیز ہے، یہ ایک معنوی چیز ہے،کوئی ظاہری چیز نہیں ہے،مثلاً درخت یا ستون یا لوہا نہیں ہے کہ اس میں ٹیڑھاپن نظر آرہا ہوتو اس کو کسی طرح سیدھا کر دے، بلکہ یہ ایک معنوی ،نظری اور روحانی چیز ہے، استقامت یہ ہے کہ نہ کبر آنے پائے اور نہ ذلت آنے پائے، اسی طرح اسراف اور بخل دونوں نہ ہو ان کے درمیان والی چیز یعنی جود ہونا چاہئے ،یہ معنوی اعتدال ہے۔ اس پر قائم رہنا کوئی آسان بات نہیں ہے،غصہ ہو مگر للہ ہو للنفس نہ ہو، اس کے فرق کو سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا دشوار امر ہے۔ موفق من اللہ یعنی جس کو اللہ توفیق دیتا ہے وہی شخص اس پر قائم رہ سکتا ہے، اعمال میں بھی توسط ہو، اخلاق میں بھی توسط ہو،عقائد میں بھی توسط ہو، معاملات میں بھی توسط ہو۔ میرے دوستو! معاملات میں بعض لوگ سخت ہو جاتے ہیں کہ باہمی ہمدردی، رعایت ومروت ترک کر کے سختی وترشی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں اور اگر رعایت ومروت پر آتے ہیں تو اسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں، نماز روزہ تک کی پرواہ نہیں کرتے۔

اسی بنا پر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ”الاستقامة فوق الكرامة“ استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے، کرامت کو تو ہم سب سمجھتے ہیں کہ بڑی چیز ہے لیکن کسی کا مستقیم ہونا، دین پر ثابت قدم رہنا، اس کے اعمال واخلاق کے

اندر اعتدال کا ہونا یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بہت بڑی نعمت ہے۔

میرے دوستو! اس کو سمجھانا بھی مشکل ہے، اللہ تعالیٰ ہی سمجھا دے اور عمل کرا دے تو بہت بڑی بات ہے، اس بنا پر بزرگوں نے یہ کوئی معمولی بات نہیں کہی "الاستقامة فوق الكرامة" کرامت سے بڑھ کر استقامت ہے، اگر استقامت بڑھ کر نہ ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ معجزات دیئے گئے تھے جو کرامت سے بڑھ کر ہیں پھر بھی استقامت کے حکم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا اثر کیوں پڑا کہ موئے مبارک سفید ہو گئے۔ اسلئے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ استقامت کی دولت سے ہم سب کو نوازیں۔ آمین

استقامت کی تشریح

میرے دوستو! رمضان کے اس ماہ مبارک میں ہمیں جو اعمال کی توفیق ہو رہی ہیں یہ بہت بڑی بات ہے، بہت بڑی نعمت ہے، یہ باطنی اور روحانی اعمال جو ہم کر رہے ہیں وہی رمضان بعد بھی کرتے رہیں، یہ استقامت ہے ہم جو تلاوت اب کر رہے ہیں یہ تو نہیں ہوسکتا کہ رمضان کے بعد بھی چار، پانچ یا چھ پارے روز پڑھ سکیں لیکن کم از کم آدھا پارہ تو پڑھ ہی سکتے ہیں، اپنے اوپر لازم کرلیں کہ جتنا ہم یہاں رمضان کے مبارک مہینہ میں عمل کرتے ہیں اس کا دسواں حصہ عید بعد بھی انشاء اللہ العزیز کرتے رہیں گے تو امید ہے کہ سب کچھ مل جائے گا۔ اللہ کو تمہاری عبادت کی پرواہ نہیں، جتنا ہو سکے کرتے رہو۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم
بلکہ کردم خلق تا جودے کنم

میں نے مخلوق کو اپنے فائدہ کیلئے نہیں پیدا کیا ہے بلکہ اسلئے پیدا کیا ہے تا کہ میں اس پر اپنی مہربانی اور بخشش کروں۔

بہر حال میرے دوستو! کچھ عبادت کرو گے، کچھ لگے لپٹے رہو گے تو اپنے مقصد کو پالو گے، کمی ہوگی تو اللہ اس کو پورا کر دے گا اور اللہ اپنے طالبین کی طلب کو دیکھتا ہے، اپنے بندوں کی طلب کو دیکھتا ہے، بس آدمی لگا رہے، انشاء اللہ العزیز فائز المرام ہوگا اور فوز عظیم اس کو حاصل ہوگا۔ بس استقامت کے معنی یہی ہیں کہ جو کچھ کر رہے ہو اس پر جمے رہو۔

نوجوانوں سے خطاب

میں خاص طور سے نوجوانوں کو کہتا ہوں کہ تم اپنے علماء سے تعلق رکھو، اپنے مدارس سے تعلق رکھو، کبھی گمراہ نہیں ہوں گے، اگر عوام علماء سے تعلق رکھیں گے تو علماء کو بھی تقویت ہوگی اور عوام کو تو دینی فائدہ یقیناً ہوگا، میرے دوستو! دونوں محتاج ہیں، علماء کو تمہاری ضرورت ہے کہ اپنے علم دین کو تم تک پہنچائیں اور تم ان سے دین سیکھنے کے ہر وقت محتاج ہو اگر ان سے بے نیازی برتو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور عوام سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم دین سے ناواقف ہیں خواہ دوسرے علوم میں ماہر کیوں نہ ہوں، خوب سمجھ لو۔ عرب ممالک میں یہ حال ہے

کہ علماء الگ اور عوام الگ، ان کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں مگر اب وہاں کے علماء کو بھی محسوس ہورہا ہے کہ عوام سے تو ہمارا کوئی ربط نہیں اسلئے ہم دین کو ان تک کیسے پہنچائیں گے۔ صرف ایک مرتبہ حرم میں خطبہ دے دینے سے دین نہیں پھیل جائے گا، مستقل تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے، وہاں پر بھی یہ حال ہے کہ وضو کرنا نہیں جانتے، تو جب علماء سے تعلق نہیں، کتابوں سے شغف نہیں، مکاتب کا سلسلہ نہیں، پھر حالات تو خراب ہوں گے ہی۔

اللہ کا شکر ہے کہ یہاں کتنے مکاتب ہیں، کتنے لوگ دو دو سو تین تین سو بلکہ اس سے زیادہ مکاتب چلا رہے ہیں۔ ہم لوگوں کی بہت ہی خوش نصیبی ہے۔ یہ دین کی بہت ہی مضبوط اور دائمی خدمت ہے اور اگر یہ سلسلہ رہا تو انشاء اللہ کسی کو کلمہ پڑھانے کی ضرورت نہیں پیش آئیگی، سب آدمی کلمہ پڑھتے رہیں گے، بڑھاپے میں کلمہ پڑھانے کی ضرورت اسی لئے پڑ رہی ہے کہ یہ لوگ مدرسہ میں داخل نہیں ہوئے، اگر دو مہینہ ہمارے مکتب میں کوئی داخل ہو جائے تو اسے کلمہ آجائیگا، اس کو بڑھاپے میں کلمہ پڑھانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔

میں جب حج کیلئے بحری جہاز سے ۱۹۷۸ء میں گیا تھا تو دیکھا کہ واقعی بہت سے لوگ ایسے تھے جو کلمہ نہیں جانتے تھے، جماعت کے لوگ بھی ساتھ تھے، وہ بھی ان پر محنت کرتے تھے۔ دیکھئے! جا رہے تھے حج کا فریضہ ادا کرنے اور ایمان کا کلمہ تک یاد نہ تھا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ جب ایمان کی بنیاد ہی نہیں تو حج کیا کرو گے۔ اس بنا پر میری نوجوانوں سے خاص طور پر درخواست ہے کہ وہ علماء

کرام سے ربط رکھیں، مدارس اور مکاتب سے تعلق قائم کریں، یہ بنیادی چیز ہے، اس سے علم دین حاصل ہوگا جس سے سنت کے مطابق نماز روزہ حج کرنا آسان ہو جائے گا۔

علماء سے مسائل پوچھنے کی ترغیب

اپنے علماء سے خوب کام لو، ان سے مسائل پوچھو۔ دین کی باتیں معلوم کرو تو وہ کتابیں دیکھیں گے، کتاب اسی وقت دیکھیں گے جب کوئی پوچھنے والا موجود ہو اور اگر کوئی پوچھنے والا ہی نہ ہو تو وہ کتاب کیوں دیکھیں گے، بہشتی زیور بھی نہیں دیکھیں گے وہ بھی تمہاری طرح مثل عوام کے ناواقف ہو جائیں گے، جیسا کہ ڈاکٹر کے یہاں کوئی انجکشن لگوانے نہیں جائے گا تو اس کی سوئی زنگ آلود اور بیکار ہو جائے گی، انجکشن لگانا بھی بھول جائیگا، اگر لوگ دوائی لینے جائیں گے، انجکشن لگوانے جائیں گے، تب ہی تو وہ کام کریں گے، اسی طرح آپ علماء سے کام نہیں لیں گے، مسئلے مسائل نہیں پوچھیں گے، ان سے وعظ نہیں کرائیں گے تو ان کے علم کا بھی یہی حال ہوگا، زنگ آلود ہو جائے گا، اس بنا پر آپ لوگوں کو بھی علماء سے کام لینے کی ضرورت ہے، تاکہ علماء سمجھیں کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے، لوگ ہمارے پاس آتے ہیں، مسئلے مسائل پوچھتے ہیں۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ان کی صحیح رہنمائی کریں۔

ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب حضرت حکیم الامت مولانا

اشرف علی تھانویؒ کے پاس سے جب اپنے وطن فتح پور تال نرجا گئے، تو اب لوگ مسئلہ پوچھنے آنے لگے، ان کے پاس کوئی کتاب ہی نہیں تھی، اب ضرورت پیش آئی تو کتابیں منگوائیں، بحرالرائق، بدائع الصنائع وغیرہ، کہا بھائی! حضرت مولانا تھانویؒ کے یہاں جب تک ہم تھے ہمیں کوئی ضرورت نہیں تھی، اسلئے کہ حضرت مولانا تھانویؒ مسئلہ بتلاتے تھے، اب ہم مستقل یہاں آئے ہیں، لہٰذا اب ضرورت ہے، ہم اگر ان مسائل کو نہیں بتائیں تو لوگ کس سے پوچھیں گے۔ تو عوام سے بھی کام لینے کی ضرورت ہے کہ وہ دین سیکھیں اور علماء سے بھی کام لینے کی ضرورت ہے کہ وہ دین سکھائیں، اس طرح باہم ارتباط ہوگا تو دونوں کو فائدہ ہوگا اور دین کی اشاعت ہوگی۔

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر رمضان کے بعد بھی تلاوت اور ذکر کا اہتمام جس قدر بآسانی ہو سکے اور اس پر مداومت رہے تو پھر استقامت کی تعریف صادق آئیگی۔ انشاء اللہ العزیز اس کی برکت سے آپ کو دین ملے گا دین کی روشنی ملے گی، آپ کو علم کی روشنی ملے گی، پھر آپ کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

ایک ڈپٹی صاحب قرآن شریف بہت پڑھتے تھے، اور بہت بوڑھے ہو گئے تھے، مجھ سے خود انہوں نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ جو شخص بچپن میں قرآن پاک پڑھ لے گا وہ کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا۔ جس کے دل میں قرآن آجائے گا تو وہ قرآن گمراہی کو اندر داخل ہونے نہیں دے گا۔ سبحان اللہ! کیسی ایمان کی بات ہے۔

بہر حال میرے دوستو بزرگو! استقامت کے یہی معنی ہیں کہ رمضان میں جو

کچھ کرلیا اب اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو باقی رکھیں، اور اس پر مداومت رکھیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی دنیاداری نہیں!

ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فرماتے تھے کہ ہمارے بزرگوں نے کرامت اور استقامت میں جو فرق کیا ہے وہ اس بنا پر کہ استقامت اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے اور کرامت ہمارا محبوب ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ مستقیم رہو، اور ہم چاہتے ہیں کہ صاحب کرامت ہوجاویں، اُڑ اُڑ کر لوگوں کو دکھلاویں، لوگ ہمارے معتقد ہوجائیں، یہ ہمارا مطلوب ہے، ظاہر ہے کہ اللہ کا مطلوب بڑھا ہوا ہے ہمارے محبوب اور مطلوب سے، یہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کا ارشاد ہے جو کتابوں میں کہیں لکھا ہوا نہیں ملے گا۔ اللہ چاہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مستقیم رہیں اور آپ کی پوری امت مستقیم رہے، اور ہم چاہتے ہیں کہ صاحب کرامت ہوجائیں، پس یہ تو ہمارا مطلوب ہوا جو خالص دنیاداری ہے، اس راستہ میں آنے کے بعد کرامت کا طالب ہونا اس سے بڑھ کر کوئی دنیاداری نہیں، مال ودولت کی طلب جیسے دنیاداری ہے ویسے ہی کرامت کی طلب بھی دنیاداری ہے۔ بہت سے لوگ کرامت ہی کی فکر میں رہ گئے، آگے نہیں بڑھ سکے بلکہ ہلاک ہوگئے۔ کرامت اگرچہ بہت بڑی چیز ہے، اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے لیکن استقامت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اس وجہ سے استقامت کے طالب بنو۔ کرامت ملے یا نہ ملے، اللہ اگر کرامت دے دے تو اس کا شکر ادا کرو، لیکن کرامت کے طالب نہ بنو، بلکہ صدق وسچائی اختیار کرو، اس

لئے کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ صدق وسچائی ہی سے قطع ہوسکتا ہے ؎

در ارادت صادق باش اے فرید
تا بیابی گنج عرفان را کلید

معرفت کی کنجی پانے کیلئے اس راہ میں سچائی کو اختیار کرنا پڑے گا۔ جھوٹ، فریب اور دھوکہ کی اس راہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ بھی کوئی تصوف ہے جس میں مکروفریب اور دغابازی ہو، ایسے تصوف کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں یہ دوسروں کا راستہ ہے جو تصوف سے دور ہو چکے ہیں۔

خلاصۂ بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ﴾ یہی تصوف ہے یہی سلوک ہے یہی شریعت ہے یہی دین ہے۔ عقائد پر، اعمال پر اور اخلاق پر استقامت اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے سرفراز ہوگے۔

اللہ تعالیٰ تم سے کبھی نہیں پوچھے گا کہ تم سے کرامت کیوں صادر نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہی کرامت دینے والا ہے، کرامت ولی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا فعل ظاہر ہوگا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے کرامت نہیں دیا تو پھر تم سے مطالبہ کیوں کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا ﴿فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ ﴾ جیسا حکم دیا گیا ہے اس پر ثابت قدم رہئے، اسلئے کہ یہ اللہ کا مطلوب ہے اللہ کا مامور ہے اللہ کا محبوب ہے، اس بنا پر ہمیں اس پر عمل کرنا پڑے گا۔ پس

جس قدر عمل کی توفیق ہو جائے اس پر اللہ کا شکر ادا کیجئے اور اس پر قائم اور دائم رہنے کی کوشش کیجئے۔

نماز کے لئے تکبیر میں "قد قامت الصلوۃ" کہا جاتا ہے تو اس کے جواب میں "اقامها الله وادامها" کہا جاتا ہے، اللہ اس نماز کو قائم ودائم رکھے۔ اسلئے نماز کے ساتھ لگے لپٹے رہو گے تو لاکھوں کروڑوں آدمیوں کی دعائیں تمہارے ساتھ لگی رہیں گی، اور جو نماز کے ساتھ متعلق ہوگا وہ بھی قائم ودائم رہے گا، اس کے اندر بھی دوام آئے گا، یعنی نماز کے ساتھ نمازی کو بھی دوام نصیب ہوگا۔

میرے دوستو! ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ کوئی معمولی جملہ نہیں ہے، اب اس کے بعد جزا شروع ہوگئی، ہم نے تو دیر تک بیان کیا مگر اللہ تعالیٰ نے تو فوراً اس کی جزا بیان کردی، ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ جن لوگوں نے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا اور پھر اس پر جمے رہے تو ان پر ملائکہ خوش خبری لے کر نازل ہوں گے، ملائکہ موت کے وقت نازل ہوں گے، قبر میں نازل ہوں گے، حشر میں نازل ہوں گے، ہر جگہ ملائکہ ان کو تسلی دیتے رہیں گے اب ڈرو مت، تم نے استقامت اختیار کیا تو اب پار ہوگئے، دریا پار کر گئے، عبور کرلیا دریا کو، اب تو کنارے آگئے، اب مطمئن ہوجاؤ، آگے تو امن ہی امن ہے خوف تو اس کا ہوتا ہے جس کے آگے کوئی ہولناک چیز ہو، آگے کے اعتبار سے خوف ہوتا ہے،

اس کی پہلے ہی نفی کردی، کیونکہ جا رہے ہیں آخرت میں، تو پہلے ہی مطمئن کردیا کہ خوف کی بات نہیں، اور رہی دنیا تو وہ تو گذر گئی اب اس کے بارے میں حزن و غم کیا کرتے ہو، جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اب آگے کی خبر لو، اور آگے کے متعلق ہم اطمینان دلاتے ہیں فرشتے کہتے ہیں کہ تم بالکل مامون ہو، تمہیں بالکل خوف کی ضرورت نہیں۔ ﴿وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ اور بشارت حاصل کرو تم جنت کی جس کا تم کو وعدہ کیا جاتا تھا، تم سے کہا جاتا تھا ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ [سورۂ والتین / ۸] جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے ان کیلئے غیر منقطع اجر و ثواب ہے۔ ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی﴾ [سورۂ نازعات / ۴۰] تم سے یہ وعدہ کیا جاتا تھا کہ جو اللہ کے سامنے کھڑے رہنے سے ڈرا اور نفس کو اتباع ہویٰ سے بچایا اس کا ٹھکانا جنت ہے، آج وہ وعدہ پورا کرنے کا وقت آ گیا ہے، اللہ وعدہ پورا کرے گا۔ ﴿نَحْنُ اَوْلِیَاۗؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ﴾ ہم تمہارے مددگار ہیں، ہم تمہارے دوست ہیں، ہم تمہارے رفیق ہیں، حیات دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، دنیا میں بھی ہم تم کو تسلی دیں گے، آزمائشیں آئیں گی، مصیبتیں آئیں گی مگر ہم دلوں کو ثابت قدم رکھیں گے۔

ایک مرتبہ الہ آباد کے فساد کے زمانہ میں ہمارے دوست کو شرپسندوں نے پکڑ لیا اور بندوق کے کنڈوں سے خوب مارا، وہ مجھ سے کہتے تھے کہ جب جب

وہ مجھے مارتے تھے تو میں کہتا تھا باسم اللہ الواحد الجبار، اس کی برکت سے مجھے چوٹ کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا، کسی نے خوب کہا ہے:

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

میرے دوستو! محبت الٰہی بہت بڑی نعمت ہے۔ ہر محبت سے یہ محبت بے نیاز کر دیتی ہے، جملہ محبتیں اس کے تابع ہو جاتی ہیں، جملہ تعلقات اس کے تابع ہو جاتے ہیں پھر لطف ہی لطف ہے، پھر مزے ہی مزے ہیں، آخرت میں تو ہے ہی دنیا میں بھی اللہ ان کو تسلی دیتا ہے، عاشق بزبان خود اس شعر سے مترنم ہوتا ہے۔

بجرم عشق تو می کشند گوگائے
تو می بر سر پا ما عجب تماشائے

عاشق کہتا ہے کہ آپ کے جرم میں ہم کو یہ سزا مل رہی ہے آپ بھی لب بام آجایئے اور عشق کا جو بدلہ ہم کو دیا جا رہا اس کو آپ بھی دیکھ لیجئے۔

عاشق کو اسی میں مزہ ہے کہ ہمارا معشوق ہم کو دیکھ رہا ہے اس کیلئے ہم کو مار پڑ رہی ہے، مصیبتیں آتی ہیں تو اس کے دل میں قوت آتی جاتی ہے، طاقت آتی جاتی ہے، اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے، اللہ ہم سب لوگوں کو ایسا ہی ایمان دے ایسے ہی حال دے، یہ معمولی بات نہیں ہے۔

اس کے بعد ہے ﴿ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ ﴾ اب اس آیت پر کبھی اور بیان کیا جائے گا، اب اس کا موقع نہیں ہے بہر حال یہ جو باتیں بیان کی گئی ہیں کہ استقامت پر مدار ہے نعمتوں کا، استقامت پر مدار ہے اللہ کے مراحم

کا، اس بنا پر اس کی کوششیں کریں اور اپنے اعمال میں اپنے اقوال میں اپنے اخلاق میں اور اپنے معاملات میں استقامت پیدا کرنے کی خوب کوشش کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرماوے۔ آمین

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

﴿ اِنَّا اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ وَمَاۤ اَدۡرَاكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ﴾

طلب: حصول مقصود کا ذریعہ

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم

۲۱ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء مسجد دار العلوم کنتھاریہ، بھروچ گجرات

فہرست مضامین

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لهٗ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِيْكَ لَهٗ ، وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَ عَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ، أَمَّابَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَآ اَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ، لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ،

بزرگو اور عزیزو! ظاہر ہے کہ اس وقت اتنے کثیر مجمع کا آنا محض اسی احتمال کی بنا پر ہے کہ شاید آج لیلۃ القدر ہو، کیونکہ بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" تحروا ليلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان " [متفق علیہ، مشکوۃ ۱۸۱] رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں

میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ القدر کے آثار اور اس کی علامات بھی بتائی ہیں، صحابہ کو بھی بعض دفعہ اس کا اندازہ ہوا، چنانچہ ایک صحابی فرماتے ہیں "فمطرت السماء تلك الليلة وكان المسجد على عريش فوكف المسجد فبصرت عيناى رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلى جبهته اثر الماء والطين من صبيحة احد و عشرين" [متفق علیہ، مشکوۃ ۱۸۲] میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیسویں شب میں دیکھا کہ آپ کی پیشانی مبارک پر پانی اور مٹی کے آثار تھے۔ جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اکیسویں کو لیلۃ القدر ہے۔ اسی بنا پر ہمارے بزرگان دین اخیر عشرہ کے شروع ہی سے اس کی طلب میں لگ جاتے ہیں، اس کی طلب میں صرف ستائیسویں پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ یہ طلب ان کو اکیسویں رات ہی سے شب بیداری پر مجبور کر دیتی ہے، جس میں وہ دعا، مناجات، تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، اس بنا پر ہمارا آپ کا بھی وطیرہ اور شعار یہی ہونا چاہئے کہ ابھی سے لیلۃ القدر کی تلاش میں لگ جائیں۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا" اذا دخل العشر شدّ مِئزره وأحيى ليلة وايقظ اهله " [متفق علیہ، مشکوۃ ۱۸۲] یعنی جب رمضان کا عشرۂ اخیر آتا تھا تو آپ کمر کس لیتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کیلئے خوب مستعد اور تیار ہو جاتے تھے۔ اس کا اتنا اہتمام تھا جبھی تو اتنے صحابۂ کرام نے اس کو روایت کیا ہے، قرآن میں لیلۃ القدر کا ذکر موجود ہے،

حدیثوں میں بھی موجود ہے، اس وجہ سے ہم لوگوں کا شعار اور معمول ہونا چاہئے کہ ہم بھی اس کی تلاش میں لگ جائیں، طلب بھی بہت بڑی نعمت اور دولت ہے جب آدمی طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دے بھی دیتے ہیں، اس کو اس کا مطلوب عطا بھی فرمادیتے ہیں، طلب ایسی نعمت ہے کہ وہ اللہ کو بہت زیادہ پسند ہے۔

حصول نعمت کیلئے طلب ضروری ہے

ابھی کسی بات پر میں نے بیان کیا تھا کہ جب طلب ہوتی ہے تو اللہ اس کو محروم نہیں فرماتے۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں: ''گر نہ خواستے داد نداد ے خواست'' اگر وہ دینا نہ چاہتے تو طلب بھی عطا نہ کرتے۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ اپنے ملفوظات میں طالبین کی ہمت کو بڑھانے کیلئے اور ان کو مستعد کرنے کیلئے اس ملفوظ کا تکرار فرماتے ہیں۔

میرے دوستو! جو کوئی بھی باطنی دولت کا طالب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کسی ایسے بزرگ کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں کہ وہ باطنی دولت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ اب اگر طلب ہی نہ ہو، پیاس ہی نہ ہو تو ہزار کنویں موجود ہوں کوئی فائدہ نہیں، اور اگر طلب ہے، شوق ہے، تڑپ ہے، پیاس ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی اس کی قدر ہوتی ہے اور اس کی پیاس کے بجھانے کا سامان فرماتے ہیں۔ اس بنا پر بنیادی طور سے یہ ضروری ہے کہ ہمارے اندر ان باطنی نعمتوں کے حصول کی خواہش اور طلب پیدا ہو، تو پھر انشاء اللہ ان نعمتوں سے ہم نوازے جائیں گے۔

کچھ تو طلب باقی ہے

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس رات کی فضیلت قرآن وحدیث میں موجود ہے اور ہمارے بزرگان دین بھی اس کی تلاش میں برابر لگے رہے اور اللہ کا شکر ہے کہ آج مسلمانوں کے اندر بھی یہی جذبہ اور داعیہ موجود ہے کہ وہ اس کی تلاش میں لگے رہتے ہیں، اس کی قدر اور اس کی اہمیت ان کے دلوں میں ہے۔ اسی وجہ سے اس شب میں ضرور تلاوت اور عبادت کا اہتمام کرتے ہیں، یہ بھی ایک بہتر چیز ہے، بڑی نعمت ہے، اس کی بھی ہم کو قدر کرنا چاہئے، جمعہ کے دن لوگ ہر مسجد میں جوق در جوق جاتے ہیں، حالانکہ بہت سے ان میں ایسے ہیں جو پنج وقتہ نماز بھی نہیں پڑھتے لیکن جمعہ کے دن بہت شوق ذوق سے کپڑا زیب تن کر کے نماز سے بہت پہلے مسجد میں پہنچ جاتے ہیں۔ مجھے یہ عمل بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہفتہ میں ایک دن ہی سہی لیکن مسجد جاتے تو ہیں، ایسا تو نہیں ہے کہ جمعہ کے دن بھی نماز نہ پڑھیں، ابھی مسلمانوں میں کچھ طلب تو باقی ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہئے کہ سب مسلمان پانچوں وقت کی نماز کے عادی ہو جائیں۔

ایک تجربہ کی بات

میرے دوستو! لیلۃ القدر کی تلاش، رمضان کی اہمیت، تراویح کی اہمیت

دعاؤں کی اہمیت، یہ سب ایمانیات میں سے ہیں۔ ہمارے یہاں ایک بزرگ تھے حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ، آپ حضرات جانتے ہی ہیں، جب وہ کہیں تشریف لے جاتے تھے تو لوگ جوق در جوق تعویذ کیلئے آتے تھے، اور لوگوں کی اتنی بھیڑ ہوتی تھی کہ ہم لوگ بھی پریشان ہو جاتے تھے، جس کمرہ میں بٹھا دیا اس کمرہ میں جانا مشکل ہو جاتا، اس پر بعض لوگوں کو گراں بھی گذرتا اور اعتراض بھی کرتے کہ دیکھو لوگ تعویذ کیلئے دوڑے چلے آئے، خاص طور سے خشک مولوی یہ اعتراض کرتے تھے، اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مولانا کے بیان سے قبل مجھے کچھ کہنے کا موقع ملتا تھا، میں نے اس وقت اپنی تقریر میں کہا کہ بھائی دیکھو! یہ بھی غنیمت ہے کہ کچھ لوگ اس بہانے ہی بزرگوں کے قریب آجاتے ہیں، یہ آنے والے کم از کم اتنا تو سمجھتے ہیں کہ اللہ کا وجود ہے، اور اس کے کچھ خاص بندے بھی ہوتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان خاص بندوں کی دعا قبول ہوتی ہے، پس ان کا اس طرح بزرگوں کے پاس آنا جانا بہت سے بڑے بڑے عقائد حسنہ پر مشتمل ہے، ان کو اس طریقہ سے بزرگوں سے جڑے رہنے دو، ورنہ یہ سب بھاگ جائیں گے تو دعا کرانے بھی کوئی کسی بزرگ کی خدمت میں نہیں آئیگا، دعا ہی کے معتقد نہیں رہ جائیں گے، کم از کم تعویذ وغیرہ کے تو معتقد ہیں، تعویذ میں اللہ کا کلام لکھا جاتا ہے، قرآن وحدیث کی دعائیں اور آیات لکھی جاتی ہیں، اس بہانے دین سے لگے ہوئے ہیں، بہرحال میں نے مولاناؒ کے سامنے ہی تقریر کیا، بہت خوش ہوئے، دیگر علماء کرام بھی خوش ہوئے کہ اس مسئلہ کی خوب وضاحت کردی۔ اور اس طرح

لوگوں کا کسی بزرگ کی خدمت میں جمع ہونا دینی نفع سے خالی نہیں۔

اعتدال کی ضرورت

ایک مرتبہ میں بھوپال گیا تھا، تو کسی بات پر مکرم مولانا شمس الدین صاحب آفریدی سے میں نے کہہ دیا کہ بھائی میں تو تعویذ وغیرہ نہیں لکھتا، تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ مولانا تعویذ لکھا کرو، دیکھتے نہیں کہ مولانا صدیق باندوی صاحبؒ آتے تو ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے، بخلاف اس کے کہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تشریف لائے تو کوئی ملنے تک نہیں آتا، کیونکہ عامۃً دین کی باتوں کو سننے کیلئے لوگ نہیں آتے بلکہ یہی تعویذ وغیرہ کی طلب ہی انہیں کھینچ کر لاتی ہے، لیکن اس کا خیال رہے کہ حد سے تجاوز نہیں ہونا چاہئے، عوام کا ایک بڑا طبقہ اس سے جڑا ہوا ہے ان کو اعتدال پر لانے کی ضرورت ہے۔ دین وایمان کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مفکر اسلامؒ کا ارشاد

میں نے خود حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ سے رائے بریلی میں سنا کہ اس زمانہ میں جوانوں کا دین پر اعتماد رہنا ہی بہت بڑی نعمت ہے، آج کل دین پر سے تو اعتماد ہی تو اٹھ رہا ہے، چنانچہ یہ جوان کہتے ہیں کہ دین کچھ نہیں، قرآن کچھ نہیں، ابھی ہم کو زمانہ کے ساتھ چلنا ہے اور آگے بڑھنا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ ۔ یہ بے ایمانی کی بات ہے اور بد دینوں سے مرعوب اور متأثر ہونے کی علامت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طلب

بہر حال میں یہ ذکر کر رہا تھا کہ لیلۃ القدر کی فضیلت قرآن وحدیث میں موجود ہے، نیز بزرگان دین بھی اس کا بہت اہتمام کیا کرتے تھے، میں خود گجرات آنے سے قبل حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے یہاں ستائیسویں شب کو ضرور جایا کرتا تھا۔ جب سے گجرات آنے لگا تب سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا مولاناؒ با قاعدہ لیلۃ القدر پر تقریر فرماتے تھے۔ ان سے میں نے حدیث سنی "عن عائشة رضي الله عنها قالت قلت يارسول الله!ارأيت ان علمت أىّ ليلة ليلة القدر ما أقول فيها قال قولي اللهم انك عفو تحب العفو فاعف عني" [رواہ احمد، مشکوۃ: ۱۸۲] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! جب لیلۃ القدر کا کچھ اندازہ ہو جائے، لیلۃ القدر کی کچھ علامت پالوں تو کیا پڑھوں؟ دیکھئے! یہ طلب ہی کی بات ہے کہ انہوں نے پوچھا کہ لیلۃ القدر مل جائے تو کیا کرنا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اللهم انك عفو تحب العفو فاعف عني پڑھا کرو، کتنی زبردست دعا ہے، اے اللہ آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معافی کو پسند بھی فرماتے ہیں میرے گناہوں کو معاف فرما دیجئے۔

دیکھئے! حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں، ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ محبوب تھیں، مگر اس کے باوجود ان کو

بھی فنائیت کی طرف لے گئے اور استغفار وتوبہ کی طرف لے گئے، نیستی اور فنا کی طرف لے گئے کہ اپنی خوبی وکمال کی طرف نظر نہ ہو بلکہ اپنی خطاؤں اور لغزشوں کی اللہ سے معافی مانگو، توبہ کرو۔ سبحان اللہ یہ تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے اہل و عیال کو تعلیم وتربیت جس کی اس زمانہ میں بیحد ضرورت ہے۔

سلوک کی اصل اور بنیاد

اس پر آپ بھی غور کیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ محبوبہ کو یہ دعا تعلیم فرمارہے ہیں جس میں اللہ کی طرف رجوع اور انابت کو سکھایا گیا اور اپنے گناہوں کا استحضار سکھایا گیا ہے، میں پورے رمضان میں یہی بیان کررہا ہوں کہ اپنے گناہوں کا استحضار، اپنے گناہوں اور لغزشوں کا اعتراف کرو۔ یہی طریق وسلوک کی اصل بنیاد اور جڑ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہی طریق چلا آرہا ہے، تمام صحابۂ کرام بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے آپ واقعات دیکھ لیجئے، کہیں کبر نہیں پائیے گا، کہیں بڑائی نہیں پائیے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں کہ "ان موسیٰ قائما خطیبا فی بنی اسرائیل فسئل ای الناس اعلم فقال انا فعتب اللہ تعالیٰ علیہ اذ لم یرد العلم الیہ فاوحی اللہ الیہ ان لی عبداً بمجمع البحرین ھو اعلم منک" [بخاری ۲/۶۸۷] موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں تقریر کرنے کیلئے کھڑے ہوئے تو

ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو فرمایا میں، اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حوالہ علم کو نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجمع البحرین کے پاس میرا ایک بندہ ہے جو تجھ سے زیادہ جانکار ہے۔ ان کے پاس جانے کا حکم ہوا۔ جبکہ وہ واقعی سب سے بڑے عالم تھے، اولوالعزم پیغمبر تھے، ان سے بڑھ کر کس کا علم ہوسکتا تھا، کلیم اللہ کا شرف حاصل تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ جواب پسند نہیں آیا اور خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا امر ہوا۔

میرے دوستو! یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے، یہ تعلیم ہے طریق کی کہ اس میں کوئی کتنا ہی بڑا ہو، صاحب علم ہو، صاحب فضل ہو، مگر انانیت نہیں ہونا چاہئے، جھکاؤ اور عاجزی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں کی سب سے زیادہ عاجزی کی صفت کو پسند فرماتے ہیں، پس اگر اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز پسند ہوتی تو ہم کہاں سے اس چیز کو لاتے؟ عاجزی تو ہر آدمی لاسکتا ہے، بادشاہ بھی عاجزی لاسکتا ہے اور فقیر بھی عاجزی لاسکتا ہے۔ اور درحقیقت انسان کے اندر عاجزی ہی عاجزی ہے اس کے سوا اس کے پاس ہے ہی کیا، تھوڑی سی کوئی بات ہوجاتی ہے تو دماغ پر اثر ہوجاتا ہے، قلب پر اثر ہوجاتا ہے۔ کسی رگ معمولی پر اثر ہوجاتا ہے تو انسان چلنے پھرنے سے عاجز ہوجاتا ہے۔ ہمارے ایک دوست ہیں برابر مجلس میں آتے تھے، اب کچھ ذرا سا رگ پر اثر ہوگیا تو یہ حال ہے کہ چل نہیں سکتے، بیٹھ نہیں سکتے، کھڑے نہیں ہوسکتے۔ میں خود اپنا حال بتاتا ہوں کہ جب میں یہاں سے اٹھ کر جاتا ہوں

تو بالکل چلنے کی ہمت نہیں ہوتی، آج بھی جب صبح ذکر کے بعد گیا ہوں تو درمیان راستہ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گر جاؤں گا، لوگ تو محبت میں مصافحہ کرنے کیلئے ٹوٹ پڑتے ہیں لیکن کسی کو کیا معلوم کہ ہم پر کیا گذر رہی ہے، اور کسی کو منع کرنا بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

غرض انسان کی پوری زندگی میں عاجزی ہی عاجزی ہے۔ کیا کوئی اپنی صحت وقوت اور علم وعمل پر ناز کرے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ کا مقولہ ہے "من عرف نفسه عرف ربه" یعنی جو اپنے نفس کو پہچان لے گا اسے رب کی معرفت حاصل ہوگی۔

مصلح الامتؒ کو اپنے عجز کا استحضار

چنانچہ ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ استنجاء کیلئے کلوخ (ڈھیلے) کا استعمال کرتے تھے کبھی کلوخ ہاتھ سے گر جاتا تو بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد کہتے کہ انسان کتنا عاجز ہے کہ اپنے کلوخ کی بھی حفاظت نہیں کرسکتا، یہ تھا ہمارے بزرگوں کو اپنے عجز کا استحضار "من عرف نفسه بالعجز قد عرف ربه بالقوة و بالقدرة" جو اپنے نفس کو پہچانیگا عاجزی کے ساتھ تو اپنے رب کو پہچانیگا قوت اور قدرت کے ساتھ، پہلے تو اپنے نفس کی ہی عاجزی کو پہچاننا ہے اور یہی اللہ کی پہچان کا ذریعہ ہے۔ پس اپنے نفس کی پہچان اس کی بے بسی اور ضعف کا پہچاننا ہے اور اللہ کی پہچان اس کی قوت، عظمت، عزت اور بڑائی کی پہچان ہے۔

مجھے یاد آیا کہ قرآن کریم میں اکثر اللہ کی صفات میں عزیز و حکیم ساتھ میں آیا ہے۔ عزیز کے معنی قدرت والا اور حکیم کے معنی حکمت والا۔ قدرت کے ساتھ اللہ کی صفت حکمت بھی ہے۔ قدرت تو یہ ہے کہ ایک بادشاہ اور صدر مملکت کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم ایک گھنٹہ میں ساری دنیا کو فنا کر سکتے ہیں، اور اللہ کی قدرت یہ ہے کہ ایک آن میں سب کو فنا کر سکتے ہیں "كُنْ فَيَكُوْنَ" ہو جاؤ پھر ہو جائیگا، کوئی روک نہیں سکتا۔ یہ تکوینی امر میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا، تشریعی امور میں تو لوگ بکواس کر لیتے ہیں کہ نماز نہیں پڑھیں گے، ایمان نہیں لائیں گے، یہ نہیں کریں گے وہ نہیں کریں گے، لیکن تکوینی امور میں اللہ کا ہی حکم چلتا ہے، اگر سیلاب آجائے تو کوئی روک سکتا ہے؟ زلزلہ آجائے تو کوئی روک سکتا ہے؟ کوئی نہیں روک سکتا، تکوینی امور میں اللہ نے کسی کو اختیار نہیں دیا، تشریعی امور میں چونکہ اختیار دیا ہے اس لئے ان میں انسان اپنا اختیار استعمال کرتا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام تشریعی امور کو بتلاتے ہیں، علماء کرام تشریعی امور کو بتلاتے ہیں، مانو یا مانو، مگر تکوینی امر آتا ہے تو آ کر رہیگا، کوئی سائنس داں یا کوئی ڈاکٹر روک نہیں سکتا، بلکہ خود ڈاکٹر بھی اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کتنے سیلاب کی زد میں آجاتے ہیں، زلزلہ میں دب دبا کر فنا ہو جاتے ہیں۔ دن رات کا مشاہدہ ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین

صدیق اکبرؓ کا ارشاد گرامی

بہر حال میرے دوستو! ہماری شریعت کی بنیاد عاجزی پر ہے۔ حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "العجز فخری" [مجمع البحار ۵۲۵/۳] یعنی عاجزی میرے لئے باعث فخر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر عاجزی کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنے دربار میں لانے کیلئے فرماتے تو ہم کہاں سے لاتے۔ عاجزی لے آنا تو سب کے اختیار میں ہے۔

طریق وسلوک کی بنیاد عاجزی پر ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات دیکھئے کہ اس کے لفظ لفظ سے عاجزی ٹپک رہی ہے: "انا المشفق المقر المعترف بذنبی أسئلك مسئلة المسكين و أبتهل إليك ابتهال المذنب الذليل" [رواہ الطبرانی، فیض القدیر ۱۱۷/۲] اے اللہ! میں ڈرنے والا ہوں، میں کمزور ہوں، ضعیف ہوں، میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے والا ہوں، یہ سب عاجزی کی بات ہے، نبی بھی عاجزی اختیار کرسکتا ہے اور بادشاہ بھی عاجزی اختیار کرسکتا ہے، اور اگر تکبر کیلئے کہتے کہ میرے دربار میں تکبر کی ضرورت ہے تو ہم لوگ کس بات پر تکبر کرسکتے ہیں، ارے کوئی صدر تکبر کرلیتا، عام آدمی کس بات پر تکبر کرسکتا ہے، نہ علمی اعتبار سے، نہ عملی اعتبار سے، نہ صحت کے اعتبار سے، کس چیز پر آدمی تکبر کرسکتا ہے؟ بہرحال اس طریق کی بنیاد عاجزی پر ہے مسکینیت پر ہے، ذلت پر ہے، اپنے کمالات کی نفی پر ہے، اور رزلات کے استحضار پر ہے۔

مولانا روم اس میدان کے شہسوار ہیں، نفس اور عشق کے بیان میں ان کو ید

طولیٰ حاصل ہے، کہتے ہیں ؎

او نمی پرد بسوئے ذو الجلال
کو گمانے می کند خود را کمال

یعنی جو اپنے متعلق کمال کا دعویٰ رکھتا ہے وہ اللہ کی جانب نہیں بڑھ پاتا بلکہ نیچے کی جانب چلا جاتا ہے اسفل سافلین میں چلا جاتا ہے۔ کبر کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی نیچے جاتا ہے، آدمی جتنا کبر کرتا ہے اتنا ہی نیچے چلا جاتا ہے، اور جتنی عاجزی اختیار کرتا ہے اوپر چڑھتا ہے۔ شیطان نے جتنا تکبر کیا اتنا ہی نیچے گر گیا، فرعون نے جتنا تکبر کیا اتنا ہی نیچے گیا اور غرق ہی ہو گیا، ابو جہل نے جتنا تکبر کیا اتنا ہی نیچے گیا، اور اسکے مقابل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تواضع اختیار کیا آگے بڑھے اور بڑھتے ہی چلے گئے، حضرت عمر نے تواضع اختیار کیا بڑھتے ہی چلے گئے۔

اس بنا پر اس زمانہ میں بھی جو حضرات عاجزی اختیار کرتے ہیں اللہ کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہیں کہ اے اللہ! میں اس قابل نہیں ہوں کہ آپ کے راستہ کو طے کر سکوں، میں ضعیف ہوں، میں ناتواں ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو قوت دے دیتے ہیں اور راستہ کو آسان فرما دیتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ لڑکا جب چلنے کو ہوتا ہے اور کمزور ہوتا ہے گرتے پڑتے چلنا شروع کرتا ہے اور جب گرنے لگتا ہے تو ماں باپ دوڑ کر اس کو گود میں اٹھا لیتے ہیں، اسی طرح جب کوئی بندہ اللہ کے راستہ میں چلتا ہے اور اپنے کو عاجز سمجھتا ہے، اللہ کی طرف نگاہ رکھتا ہے

اور اللہ سے امید رکھتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! ہماری طرف توجہ فرمایئے، ہم کو ہمارے اس گرنے پڑنے کو دیکھئے، ہماری عاجزی کو دیکھئے اور ہماری مدد فرمایئے تو اللہ کو رحم آجاتا ہے، تو اب اس کا مصداق ہو جاتا ہے۔

ہر کہ نقص خویش را دید و شناخت
سوئے استکمال خود دو اسپہ تاخت

یعنی جس نے اپنے عیب کو دیکھا، جس نے اپنے نقص کو دیکھا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی تکمیل کی جانب دونوں پاؤں سے دوڑ گیا۔ لہٰذا جو شخص بھی ایسا کریگا اللہ کی طرف بہت تیزی سے بڑھے گا۔ معلوم ہوا کہ اپنے نفس کو دیکھنا اپنی کمزوری کو دیکھنا اللہ کو بہت پسند ہے۔ اپنے کمالات کو دیکھنا اللہ کو ناپسند ہے۔

طالب کی طلب پر عطا کیا جاتا ہے

میرے دوستو! آدمی کے اندر جتنی طلب ہوگی، تڑپ ہوگی، ذوق ہوگا وہ سمجھے گا کہ ہم اللہ کے حق کو ادا نہیں کر سکتے لیکن اس کے طالبین میں سے تو بن جائیں، تلاش کرنے والوں میں سے بن جائیں، یہ بھی بہت بڑی بات ہے، بہت بڑی نعمت ہے، طالبین میں سے ہو جانا اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی دولت ہے۔

مولانا رومؒ نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جس بازار میں فروخت ہو رہے تھے دیکھا گیا کہ ایک بڑھیا بھی وہاں جارہی ہے، بڑے بڑے امراء

قیمت لگا رہے تھے، اتنے خوبصورت تھے، اتنے حسین تھے، بادشاہ کی بیوی تک ان پر عاشق ہوگئی تھی۔ بہرحال وہ بڑھیا سوت کات کر ان کی خریداری کیلئے نکل پڑی۔لوگوں نے کہا کہ بڑھیا! کہاں جارہی ہو؟ کہا یوسف کا دام لگ رہا ہے میں بھی ان کو خریدنے جارہی ہوں۔لوگوں نے کہا ارے بڑے بڑے سرمایہ دار لوگ خریدنے سے عاجز ہیں، تم چلی ہَو اتنی سی چیز لیکر ان کو خریدنے۔ کہا چپ رہو کم ازکم ان کے طالبین اور خریداروں میں میرا نام تو ہوجائیگا۔

میرے دوستو! اپنی طلب کا اظہار اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی دولت ہے، میں اس پر یہ کہہ رہا ہوں کہ الحمدللہ اس کا اہتمام مسلمانوں کے اندر ہے، اس سے ان کی طلب کا اندازہ ہوتا ہے، خواہش کا اندازہ ہوتا ہے، یہ بھی بہت بڑی بات ہے۔ جب آدمی تڑپے گا تو ضرور اللہ تعالیٰ مطلوب عطا فرمائیں گے، ایک نہ ایک دن وہ رات جس کی تلاش ہے مل ہی جائے گی۔ جمعہ کی ایک ساعت جس میں دعا قبول ہوتی ہے وہ بھی مخفی ہے، اور یہ مبارک رات بھی مخفی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے یہ کیا ہے کہ فجر کی نماز کے بعد عبادت میں بیٹھ گئے، مثلاً دس بجے تک عبادت کیا، اور پھر دوسرے جمعہ کو دس بجے سے دو بجے تک، پھر تیسرے جمعہ کو دو بجے سے لیکر عصر کے بعد مغرب تک، کیونکہ پورا دن تو کوئی آدمی نہیں بیٹھ سکتا اس لئے انہوں نے اس طرح تقسیم کردیا کہ کسی نہ کسی وقت وہ ساعت مل جائیگی جس میں دُعا قبول ہوتی ہے، یہ طلب اور تڑپ ہی کی بات ہے، انہیں اتنا یقین تھا کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہے جس میں

دعا قبول ہوتی ہے، اس کیلئے انہوں نے کوشش کیا اور اس کو تلاش کیا۔

اسی طرح اللہ نے اس رات کو بھی مخفی رکھا ہے، اس میں اللہ کی مصلحت ہے، تا کہ ہماری طاعت کے اندر خلوص و کثرت پیدا ہو جائے، اگر معلوم ہو جائے کہ صرف آج کی رات ہے تو آج ہی کی رات لوگ جاگتے اور دوسری راتوں میں نہ جاگتے، اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز کو جو مخفی رکھا ہے اسکی .. یہی ہے کہ لوگ مزید طاعت میں لگیں، مزید شوق و ذوق کا اظہار کریں اور مزید اس کے طلب میں محنت و مشقت کریں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو توفیق دیا کہ شب قدر میں جمع ہوں، ہوسکتا ہے کہ آج ہی کی شب ہو اسلئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں خوب دُعا کرنا چاہئے، ذکر و شغل اور قرآن کریم کی تلاوت جس سے جو بھی ہوسکتا ہو کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے۔ آمین

اور یہ بھی ایک بہت بڑی رات ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے ”عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر رجلا من بنی اسرائیل لبس السلاح فی سبیل اللہ الف شھر فعجب المسلمون من ذالك فنزلت انا انزلنه ......الخ“ [قرطبی ۸۹/۲] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو ہزار مہینوں تک جہاد میں لگا رہا تو صحابہ کرامؓ نے اس پر تعجب کیا تو اس وقت انا انزلناہ ......الخ نازل ہوئی۔ دیکھئے معلوم ہوا کہ یہ بھی ایک حسرت کی بات ہے۔ یہ بھی ایک طلب کی بات ہے ورنہ ہم لوگ بھی سنتے ہیں لیکن خیال بھی نہیں

ہوتا، انہوں نے فوراً دوسری طرف سوچا کہ انہوں نے اتنے دنوں تک عبادت کی، ان کو اتنی طویل عمر ملی تو ظاہر ہے کہ ان کو اجر و ثواب زیادہ ملے گا۔ ہم کو اتنے ایام نہیں ملے، اتنے دن نہیں ملے، اتنے مہینے نہیں ملے، تو ظاہر ہے کہ ہماری عبادت کم ہوگی، جب کم ہوگی تو اجر و ثواب بھی کم ملے گا۔ دیکھئے کتنی بڑی بات ہے، سوچنے کی بات ہے کہ صحابہ کرامؓ کا مزاج دینی اور ایمانی تھا، آخرت کے وہ طالب تھے، اجر و ثواب حاصل کرنے کے وہ عاشق تھے، اس بنا پر انہوں نے کہا یارسول اللہ! پھر تو پہلی امت کے لوگ ہم سے زیادہ بڑھ جائیں گے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں پوری سورہ ہی نازل فرمادی ﴿ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ وَمَآ اَدْرَاكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ...... الخ ﴾ تم کو وہ رات دی جارہی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس رات میں اگر تم عبادت کرلو گے اور کوئی حصہ بھی کرلو گے تو اس کا اجر و ثواب تم کو ملے گا اور پچھلی امتوں سے زیادہ تم کو اجر و ثواب دیا جائے گا۔ اس امت کے ساتھ کتنا خاص معاملہ ہے، اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کی طلب کا ان کو ایک بدلہ تو یہ دے دیا کہ پوری سورہ نازل کردیا اور اس میں کثیر اجر و ثواب کی بشارت دیدی، معلوم ہوا کہ اجر و ثواب کا طالب ہونا یہ بھی بڑی نعمت ہے۔

قربان جایئے اس تعلیم نبوی پر

میرے دوستو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ غزوۂ

تبوک میں جا رہے تھے، سواریاں کم تھیں، ایک ایک سواری پر دو دو شخص سوار ہوتے تھے، اور باری باری سوار ہوتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے کسی سواری کو مخصوص نہیں فرمایا کہ یہ سواری خاص میرے لئے ہے اور اس پر سوار ہو کر میں تنہا چلوں گا، اسلئے کہ میں سپہ سالار ہوں میں نبی ہوں اور تم لوگ امتی ہو، یہ بھی دیکھئے! کتنی مساوات کی بات ہے، یہ سب تعلیم ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو بچوں کو بھی سلام کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے "عن انس رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مرّ علیٰ غلمان فسلّم علیهم" [متفق علیہ، مشکوۃ ۳۹۷] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بچوں کے پاس سے گذرے تو آپؐ نے بچوں کو سلام کیا۔

کچھ روز پہلے میں ایک بہت بڑے ادارے میں گیا، سلام کیا مگر لوگوں نے ٹھیک سے جواب بھی نہیں دیا۔ یہ حال ہے، ہم لوگ تو ان کا اتنا اکرام کرتے ہیں، اور وہ لوگ جواب تک ٹھیک سے نہیں دیتے، اس پر کسی۔ نے کہا چونکہ طلبہ ان کو سلام کرتے رہتے ہیں، اسلئے یہ لوگ بچوں کو سلام کرنا اپنی بے وقعتی سمجھتے ہیں، میں نے کہا یا اللہ! جس ادارہ میں سنت پر عمل کرنا بے وقعتی ہو پھر وہ ادارہ کیا ترقی کرے گا۔

میرے دوستو! سنت کی اشاعت سب سے بڑی دین کی خدمت ہے ہماری ترقی اسی سنت پر عمل اور اشاعت پر منحصر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے

تھے تو پیدل چلنے والوں کو سلام کرتے تھے۔ سنت یہ ہے کہ گھر میں جو آرہا ہے وہ گھر والوں کو سلام کرے، کھڑا ہوا بیٹھے ہوؤں کو سلام کرے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ بچوں کو بھی سلام کرتے تھے، کیونکہ اگر بچے سلام نہیں کرتے تو سنت سمجھ کر تم ہی سلام کرو اجر وثواب ملے گا اور تعلیم وتربیت بھی ہو جائے گی۔

کمال عبدیت کا ایک مظاہرہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کیلئے تشریف لے جارہے تھے آپ اور حضرت علیؓ اور مرثد غنویؓ کے درمیان سواری کیلئے صرف ایک اونٹ تھا دونوں صحابی نے چاہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سفر کریں اور ہم لوگ پیدل چلیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے نامنظور کردیا "**ما انتما بأقویٰ منی ولا انا اغنی عن الأجر منکم**" (سیرت ابن ہشام) یعنی تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور نہ میں اجر وثواب سے مستغنی ہوں۔

دیکھئے! ادب کا تقاضا یہی تھا وہ اگر نہ کہتے تو بے ادبی ہوتی اسلئے انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ سوار ہو کر چلئے، ہم اپنی باری آپ کو دے رہے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اب جواب سنئے، فرماتے ہیں کہ کس بنا پر تم یہ کہہ رہے ہو؟ کیا اس بنا پر کہ تم مجھ کو کمزور سمجھتے ہو؟ تو سن لو قوت میں میں تم سے زیادہ ہوں، اسلئے پیدل میں بھی چل سکتا ہوں، اور دوسری بات یہ فرمائی کہ یا تم زیادہ اجر

وثواب کے طالب ہو، اسلئے پیدل چلنے کو کہہ رہے ہو۔سن لو میں تم سے زیادہ اجروثواب کا طالب ہوں، اگر میں پیدل چلوں گا تو مجھ کو اجروثواب ملے گا،تم اگر اجروثواب کے طالب ہوتو میں بھی طالب ہوں، یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں۔اللہ غنی!اجروثواب معمولی چیز نہیں۔اسلئے ہم اس سے مستغنی نہیں ہوسکتے بلکہ اس کا طالب ہونے میں کمال عبدیت ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کے سامنے روزہ افطار کرنے کا ثواب بیان فرمارہے تھے تو صحابہ کرامؓ نے کہا یارسول اللہ!ہم میں سے ہر ایک اتنی مقدار نہیں پاتا ہے جس سے کسی کو افطار کرائے،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"یعطی اللہ ھذا الثواب من فطر صائما علی مذقۃ لبن او تمرۃ او شربۃ من ماء " [رواہ البیہقی،مشکوۃ ۱۷۴] اللہ تعالیٰ یہ ثواب ہر اس شخص کو عنایت فرمائیگا جو افطار کرائے ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی پر۔اس کے علاوہ بہت سی احادیث فضیلت پر وارد ہیں۔ایک دوسری روایت میں وارد ہے کہ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ کے متعلق سوال کیا"أيّ الصدقة خير قال بفضل طعامك قلت فان لم افعل قال بشق تمر قلت فان لم افعل قال فبكلمة طيبة " [الترغیب والترہیب ۱/۶۷۰] سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ کے متعلق سوال کیا کہ کونسا صدقہ بہتر ہے تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضرورت سے زائد کو پھر عرض کیا کہ اگر اس پر میں عمل نہ کرسکوں تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے ہی صدقہ کردو۔ پھرعرض کیا کہ اگر میں اس پرعمل نہ کرسکوں تو فرمایا کہ اچھی بات ہی کہہ دو یہ بھی صدقہ ہے۔ کتنا تسلی بخش جواب ہے۔ پس ہمارا طریق بند نہیں کھلا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا طریق کھلا ہے ایسا نہیں ہے کہ ایک دروازہ بند ہوا تو پھر کس در سے آئیں اور کیسے اللہ تک پہنچیں، اللہ تک پہنچنے کے لاکھوں دروازے ہیں ہر آدمی کیلئے مستقل دروازہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے، طلب پیدا کریں، تڑپ پیدا کریں دروازے ہی دروازے ہیں، جس دروازے سے چاہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائیں۔

میں تو کہتا ہوں کہ اگر کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکتے ہوتو کھڑے ہوکر نماز پڑھو۔ اگر اس پر قدرت نہیں تو بیٹھ کر نماز پڑھو اور اگر اس پر بھی قدرت نہیں ہے تو اشارہ سے نماز پڑھ سکتے ہو، سب کا اجروثواب اللہ تعالیٰ مرحمت فرمائیں گے۔

تیمّم بھی مکمل پاکی ہے

میرے دوستو! جس طرح وضو کا ثواب ہے ویسے ہی تیمّم کا ثواب ہے اگر عذر کی بنا پر آپ تیمّم کرتے ہیں تو یہ بھی مکمل پاکی ہے، وضو والے کی طرح تیمّم کرنے والا بھی پاک ہوجاتا ہے دونوں کا درجہ برابر ہے۔

اپنے ہی عالموں میں ایک عالم کو شدید بخار تھا لیکن وہ تیمّم نہیں بلکہ وضو کرتے تھے، ان سے ایک بڑے عالم ان کی عیادت کرنے گئے تو انھیں وضو

کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ مولانا آپ تیمّم کیوں نہیں کرتے، کیا تیمّم کو آپ طہارت ناقصہ سمجھتے ہیں؟ ذرا دل میں سوچو اگر یہ بات ہوگی تو تمہارے ایمان میں کمی ہے، چنانچہ انہوں نے فوراً تیمّم کرنا شروع کیا۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ کا راستہ کھلا ہوا ہے اور ہر ایک کیلئے کھلا ہوا ہے ایسا نہیں کہ صرف نیک لوگوں کیلئے کھلا ہوا ہے اور گنہگاروں کیلئے بند ہے۔

این درگہِ ما درگہ نو امیدی نیست
صد بار گر توبہ شکستی باز آ

اسلئے کہ ہمارا در نا امیدی کا در نہیں ہے اگر سو مرتبہ بھی توبہ توڑا ہے جب بھی لوٹ آؤ۔

ہزار مرتبہ گناہ کرنے کے بعد دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ذرا سوچئے کہ گنہگاروں کیلئے جب دروازہ کھلا ہوا ہے، تو طاعت کرنے والوں کیلئے کتنا دروازہ کھلا ہوا ہوگا۔ بہت سے دروازے اللہ تعالیٰ نے کھول رکھے ہیں، کھڑے ہوکر پڑھو بیٹھ کر پڑھو، افطار میں بہت وسیع دسترخوان کر سکتے ہو تو وہی کرو، اور اگر نہ کر سکتے ہوں تو لسی ہے چھوہارا ہے کھجور ہے اسی سے افطار کرا سکتے ہو، ایک گھونٹ پانی سے تو کرا سکتے ہو، اجر و ثواب کے حاصل ہونے کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں اس میں بھی وہی بات ہے کہ اجر و ثواب حاصل کرنا ہے اللہ تعالیٰ کو دسترخوان کی وسعت مطلوب نہیں ہے، افطار کرانا مطلوب ہے، اور افطار چاہے بڑے بڑے دسترخوان پر بٹھا کر کراؤ تب بھی ثواب ملے گا، چاہے

چھوٹے دستر خوان پر کراؤ تب بھی اجر وثواب ملے گا۔ بہت سے لوگ اس زمانے میں سطحی مزاج ہونے کی بنا پر ان باتوں کو سمجھتے ہی نہیں، اللہ کا کیا منشا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا منشا ہے، ان کیلئے دستر خوان کیا چیز ہے کیا اللہ کے یہاں کھانا پہنچ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ بڑے دستر خوان سے تو بہت خوش ہوں اور چھوٹے سے نہ ہوں وہ تو تمہاری نیت کو دیکھتا ہے، تمہاری نیت اگر یہ ہے کہ ہم افطار اسلئے کرا رہے ہیں کہ ہمیں اس کا اجر وثواب ملے، اللہ راضی ہو جائے تو ہوسکتا ہے کہ بڑے دستر خوان والے سے زیادہ تم کو اجر وثواب عطا فرما دے۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے اپنے طریق کو عام کیا ہے، بہت سے راستے ہیں ہر راستے سے آدمی پہنچ سکتا ہے، سب کے مزاج اور ذوق یکساں نہیں ہوتے، بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو روزے سے تعلق ہے، خوب روزہ رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے کہ مجھ سے زیادہ نفل روزے نہیں رکھے جاتے، میں روزہ کے بجائے کثرت سے نماز پڑھتا ہوں۔ تو یہ کیا نماز سے نہیں پہنچیں گے، کوئی نماز سے پہنچے گا، کوئی ذکر سے پہنچے گا، کوئی تلاوت سے پہنچے گا، کوئی نصرت وضیافت سے پہنچے گا، بس طلب ہونی چاہئے، لہٰذا سنت کے مطابق کوئی بھی عمل ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں ضرور پہنچے گا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کا یہ دین ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

نزول قرآن کے شکریہ میں روزہ کی فرضیت

تو یہ لیلۃ القدر ہے جس سے جتنا ہو سکے اگر تھوڑا بھی عمل ہو لیکن نیت اسکی صحیح ہے تو انشاء اللہ بڑی بڑی عمر والوں سے بھی اسکی عزت اور عظمت زیادہ ہو جائیگی، اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس امت محمد یہ کو خاص چیز لیلۃ القدر عنایت فرمائی جو بہت بڑی نعمت اور دولت ہے اس کی ہم کو اور آپ کو قدر کرنی چاہئے اور اس لیلۃ القدر کی اہمیت کیلئے یہی بہت بڑی بات ہے کہ اللہ پاک نے اس میں قرآن پاک نازل فرمایا ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ کہ لیلۃ القدر کی عظمت بلکہ پورے رمضان کی وقعت اسی بنا پر ہے کہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا۔ علماء نے لکھا ہے کہ چونکہ اس مہینہ میں قرآن نازل ہوا اس بنا پر اس کے شکریہ میں روزے کو فرض قرار دیا۔ تو اصل چیز قرآن کا نزول ہوا، معلوم ہوا قرآن کا نزول بہت بڑی نعمت ہے جب ہی تو اسکے شکریہ میں پورے مہینہ کے روزے رکھ دیئے، تو ہمارے اندر قرآن موجود ہے یہ بہت بڑی نعمت ہے اس کی ہمیں قدر کرنی چاہئے۔

قوم ہے قرآن سے قرآن رخصت قوم گم
صوم ہے ایمان سے ایمان رخصت صوم گم

قوم من حیث القوم قرآن سے ہے، اگر قرآن کو آپ نے چھوڑ دیا، میرے دوستو! تو کچھ بھی نہیں رہ جائے گا، آپ کے پاس رہے گا کیا، اس طرح روزہ میں

اگر ایمان نہیں ہے، تو روزہ کی کوئی حیثیت نہیں، اس بنا پر جس طرح رمضان کے روزوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے اسی طرح قرآن کی طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک ہمارے درمیان رکھا ہے اس کے اندر اتنے مضامین اور اتنے اسرار اور علوم و معارف ہیں کہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا، کیسے کیسے مضامین آتے ہیں، جیسے سمندر کی موجیں ہیں، یکے بعد دیگرے موج آتی رہتی ہیں۔ معلوم ہوا واقعی کتنا جوش و جذبہ والا یہ قرآن ہے اور کتنے علوم والا قرآن ہے، کتنے معارف والا یہ کلام ہے، کوئی اس کا تصور نہیں کرسکتا۔ اسی بنا پر یہ بھی آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کے اخیر رمضان میں دو مرتبہ قرآن کریم کا دور کیا۔

اس کی اہمیت ہی کی بنا پر ہمارے تمام بزرگان دین کا معمول بہ نسبت اور دنوں کے رمضان میں قرآن پاک کی تلاوت کا زیادہ رہا ہے۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ عام دنوں میں روزانہ ایک منزل قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے اور عام طور سے بزرگوں کا یہی معمول رہا ہے، لیکن رمضان شریف میں مقدار زیادہ کردیتے تھے، ایک ختم قرآن کریم تو ہم لوگ بھی جانتے ہیں لیکن بعض لوگ ایک سے بھی زیادہ کہتے ہیں۔ بہر حال قرآن پاک کا نزول ہوا ہے، اس کی قدر یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم دیا ہے انہیں اس کے معانی و مطالب میں غور و فکر کرنا چاہئے۔

مجھے یاد آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

بھائی اس رمضان میں ہم بیان القرآن کا مطالعہ کریں گے۔ معلوم ہوا کہ ان کی توجہ قرآن پاک کے معانی اور مطالب کی طرف بھی تھی۔ کیا حضرت شیخ الحدیث کو ترجمہ معلوم نہیں تھا، کیا ان کو اس کی تفسیر معلوم نہیں تھی، لیکن رمضان شریف میں قرآن کا ایک مشغلہ رکھنے کیلئے فرمایا کہ بیان القرآن کا ہم مطالعہ کریں گے، معلوم ہوا کہ یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت اور دولت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی نعمت دی ہے اس سے بڑھ کر کوئی نعمت ہو ہی نہیں سکتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس فقیر پر بے شمار ہیں اور سب سے بڑی نعمت قرآن کریم سمجھنے کی توفیق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عظیم اس امت پر بے پناہ ہے اور سب سے بڑا احسان قرآن کریم کا امت تک پہنچانا ہے یہاں تک کہ مجھے بھی قرآن پاک کا روایۃً اور درایۃً کچھ حصہ ملا۔

میرے دوستو! تفسیر، حدیث سب چیزیں ایسی ہیں کہ جتنا ان میں شغف ہوگا اتنا ہی اللہ کا قرب بھی ہوگا، یہ نہیں کہ اسکے اندر قرب نہیں، اسکے مذاکرے میں بھی اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں ﴿ فَاذْكُرُونِیْ اَذْكُرْكُمْ ﴾ کے تحت لکھا ہے کہ مسائل کا اگر مذاکرہ ہوتا ہے تو یہ بھی ذکر میں شامل ہے۔ اور اس سے بھی اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس مہینہ تک پہنچایا ہم میں کتنے لوگ ایسے ہیں

جو اس مہینہ تک نہیں پہنچے اس سے پہلے ہی ختم ہو گئے درمیان ہی میں ختم ہو گئے اس بنا پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں رمضان تک پہنچایا، رجب کے مہینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی تھی **"اللهم بارك لنا في رجب وشعبان وبلغنا رمضان"**[بیہقی ۳/۳۷۸] اے اللہ! رجب اور شعبان میں ہمارے لئے برکت عطا فرمایئے اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجئے۔ لہٰذا جن حضرات کو اس ماہ مبارک کے روزے، تراویح اور تہجد و اشراق کی توفیق ملی ان کو شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رمضان نصیب فرمایا۔ دو عشرے گذر چکے، اللہ تعالیٰ نے روزہ بھی رکھوا دیا، تراویح بھی ہو رہی ہے، کچھ ذکر و شغل کی توفیق بھی ہو گئی، یہ بھی بہت بڑی نعمت بہت بڑی دولت ہے۔

جزاء کے استحضار سے اعمال کا شوق بڑھتا ہے

میں اس پر کہہ رہا ہوں کہ ان چیزوں کی بھی قدر کی ضرورت ہے، جس طرح اعمال کی قدر ہے، اسی طرح جزاؤں کو بھی پیش نظر رکھو، اعمال کا جیسے شوق ہونا چاہئے، اسی طرح جزاؤں کی بھی امید ہونی چاہئے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شیخ فرید کو لکھا جو شاہجہاں کا سب سے بڑا وزیر تھا کہ جس طرح اعمال کو پیش نظر رکھتے ہو ان کی جزاؤں کو بھی پیش نظر رکھو مثلاً رمضان میں روزہ رکھنا ہے تلاوت کرنا ہے، ذکر اور دعاؤں میں لگنا ہے، یہ سب تو ہے لیکن بعض دفعہ جزاؤں کا استحضار نہیں رہتا، جزاؤں کا استحضار رکھو گے تو اعمال کا ذوق و شوق اور بڑھ

جائیگا۔اس وجہ سے اعمال میں ذوق وشوق جزاؤں کے استحضار سے ہوگا۔

اور دوسری نصیحت تحریر فرمائی کہ اخلاص عمل کا خیال رکھو اور تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ ظاہر اور باطن میں یکسانیت پیدا کرو۔سبحان اللہ! کیا خوب نصیحتیں ہیں جو ہم سب کیلئے قابل عمل ہے۔

اسی بنا پر حجۃ اللہ البالغہ میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ قران کریم میں جو آیات ابتداءً نازل ہوئی ہیں وہ عموماً جنت ودوزخ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں تا کہ جنت کے ذکر سے لوگوں کے دل بالکل شوق سے لبریز ہو جائیں اور دوزخ کے ذکر سے لوگوں کے قلوب خوف سے لرز جائیں اس لئے جب جنت کا شوق ہوگا تو اعمال صالحہ کے کرنے کا بھی ذوق ہوگا اور جب دوزخ کا خوف ہوگا تو معاصی سے بچنے کا بھی خیال ہوگا۔اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی اعمال کا ذکر کیا ہے وہاں جزاؤں کا بھی ذکر کیا ہے۔

کل میں نے اسی کو بیان کیا تھا، ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ دیکھئے! عمل کیلئے دو ہی چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار اور پھر اس پر جمے رہنا،لیکن اس کی جزاء میں کتنی چیزیں اور نعمتیں شمار کی جارہی ہیں ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ اس کے بعد ہے ﴿وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ

رَّحِيمٍ ﴾ اللہ غنی! بات تو صرف اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرنا ہے اور پھر اس پر جمے رہنا ہے لیکن یہ دونوں عمل بہت بڑے پہاڑ کے مثل ہیں، معمولی بات نہیں ہے، اگر اتنا آسان ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کیوں سفید ہو جاتے۔

﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ﴾ جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے (راہ دین) پر مستقیم رہئے۔ کسی آدمی کو اگر کوئی امتحان کے طور چلنے کیلئے کہے کہ دیکھو یہاں سے وہاں تک چلو مگر بالکل سیدھا چلو ذرا کجی نہ آنے پائے، ہم تمہاری چال دیکھتے رہیں گے۔ جب ہم تمہاری سیدھی چال دیکھ لیں گے تو ہم ملازمت میں لیں گے۔ تو وہ شخص یہ سن کر چلنے میں ڈگمگا جائے گا۔ اور یہاں تو اللہ تبارک وتعالیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہے ہیں جیسا ہم نے کہا ہے آپ اس پر مستقیم رہئے، تو کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ڈر نہیں جائیں گے، کانپ نہیں جائیں گے، ممتحن کے سامنے چلنے سے آدمی گھبرا جاتا ہے، چلنے میں اس کے پیر ڈاواں ڈول ہو جاتے ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں آپ میرے سامنے ہیں، دیکھئے راہ راست سے سر مو تجاوز نہ کیجئے گا، تو کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوف زدہ نہ ہو جائیں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر خائف وخاشع کون ہوسکتا ہے؟

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پورے قرآن کریم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت اور شاق کوئی آیت نازل

نہیں ہوئی اور فرمایا کہ جب صحابۂ کرامؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک میں کچھ سفید بال دیکھ کر بطور حسرت وافسوس کے عرض کیا کہ اب تیزی سے بڑھاپا آپ کی طرف آرہا ہے تو فرمایا کہ سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا کردیا۔ پھر سوال کیا کہ اس سورت میں جو انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات اور ان کی قوموں کے عذاب کا ذکر ہے اس نے آپ کو بوڑھا کردیا؟ تو فرمایا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ ﴾ نے۔[معارف القرآن ۴/۶۷۱]

تو میں کہہ رہا تھا کہ بات تو اتنی ہی ہے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ﴾ لیکن جزاؤں کو اللہ تعالیٰ نے کتنا پھیلا دیا ہے کہ نازل ہوں گے فرشتے مبارک باد دیں گے تم کو، تمہاری استقامت کو مبارک باد دیں گے تمہارے ربوبیت کے اقرار پر تم کو مبارک باد دیں گے، موت کے وقت دیں گے اور قبر میں بھی دیں گے، اور حشر میں بھی دیں گے کہ دنیا جو ہلاکت وضلالت کی جگہ تھی جو غفلت کی جگہ تھی اس میں تم دین پر ثابت قدم رہے، اسلئے تم قابل مبارک باد ہو کیونکہ دنیا میں استقامت پر رہنا بہت مشکل امر تھا، جو مزلّۃ الاقدام یعنی قدموں کے پھسلنے کی جگہ تھی وہاں تم نہیں پھسلے اور مستقیم رہے، سیدھے سیدھے چلے آئے، اسلئے تم مبارکبادی کے مستحق ہو۔

میرے دوستو! یہ دنیا پھسلنے کی جگہ ہے، یہاں ہر وقت پھسلنا ہی پھسلنا ہے، کیچڑ ہی کیچڑ ہے، حضرت فضیل ابن عیاضؒ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں کوئی ہلاک ہوجاتا ہے تو تعجب نہ کرو بلکہ نجات پاجائے تو تعجب کرو۔ اسلئے کہ اسباب ہلاکت

کثیر ہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ آج کل کے ان بڑے بڑے مکانات میں جانے سے بہت ڈر لگتا ہے، وہاں سنگ مرمر لگا ہوتا ہے، اور اس پر پالش کی ہوئی ہوتی ہے، اچھے خاصے لوگ گر جاتے ہیں، ذرا بھی پانی اس پر پڑا رہتا ہے تو پھسلنے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک جگہ بیت الخلاء میں گیا، وہ بہت بڑا تھا لیکن اس میں نہ کہیں کھونٹی ہے نہ رسی ہے نہ پکڑنے کی جگہ ہے اگر آدمی پھسلا تو پھر زمین پر ہی گر جائے، عورتیں بیچاری بیت الخلاء میں گر جاتی ہیں، ہڈی ٹوٹ جاتی ہے، اسپتال میں داخل ہو جاتی ہیں لیکن وہ بھی کہتی ہیں کہ فرش چکنا ہی ہونا چاہئے، چاہے اس کی وجہ سے ہاتھ پیر ٹوٹ جائے۔ یہ سب یورپ وامریکہ کی نقل میں ہو رہا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

میرے دوستو! جب دنیوی عمارات کا یہ حال ہے کہ پیر پھسلنے کا خطرہ رہتا ہے تو دین وایمان کا کیا حال ہوگا جس کیلئے فتنے وفساد عام ہیں ہر گھر میں ٹی وی ہے، جسے حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ سانپوں کا پٹارا کہتے تھے۔ ظاہری اعتبار سے بھی ہلاکت اور باطنی اعتبار سے بھی ہلاکت نہ بدن محفوظ نہ روح محفوظ نہ دل محفوظ نہ دماغ محفوظ، یہ پھسلانے والی چیز ہے، آدمی دین سے پھسل جاتا ہے، آخرت کو فراموش کر دیتا ہے اپنے دین ودنیا کی اس کو خبر نہیں رہ جاتی اس سے بڑھ کر ہلاکت اور کیا ہوگی، جو لوگ شراب پیتے ہیں ان کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہم کہاں ہیں، ہم کیا کر رہے ہیں اور ہمارے ساتھ لوگ کیا سلوک کر رہے ہیں آدمی کی عزت وآبرو باقی نہیں رہ جاتی۔ میں نے سنا ہے کہ ایک صاحب منصب

عورت اتنا شراب پیتی تھی کہ بالکل مدہوش ہوجاتی تھی یہاں تک کہ دوسرے اجنبی مرد اس کو اٹھا کر بستر پر لٹاتے تھے، ایسے نا ہنجار حکام سے کیا کسی عدل وانصاف کی امید کی جائے۔ اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی کے سلسلہ میں فرمایا "لاتشربن الخمر فانه رأس كل فاحشة" [رواہ احمد، مشکوۃ ۱۸] یعنی اے لوگو! شراب نہ پیو کیونکہ شراب تمام برائیوں کی جڑ اور اصل ہے۔ تو پھر ایسے لوگوں سے کیا امید کی جاسکتی ہے، جو بھی ظلم وستم کریں کم ہے اسلئے شراب نوشی سے دل میں قساوت آجاتی ہے مادۂ رحم ورفق رخصت ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے محفوظ فرمائے۔ آمین

میں نے دیکھا کہ جب ہم لوگوں کے یہاں فساد میں کرفیو لگتا ہے تو جگہ جگہ پولس والے متعین کئے جاتے ہیں اور بڑے بڑے افسران کا گشت ہوتا رہتا ہے تو وہ جب ان پولس کے سپاہیوں سے ملتے ہیں اور حال معلوم کرتے ہیں مگر جب وہ افسران چلے جاتے ہیں تو پولس کے لوگ افسران کو گالی دیتے ہیں کہ خود تو کھاتے ہیں اور ہم لوگوں کو کھانا نہیں بھیجتے وغیرہ وغیرہ، کیا یہ عزت ہے؟ عزت تو قلب میں ہوتی ہے، یہ اہل اللہ کو ملتی ہے، وہاں پسینہ کی جگہ خون بہانے کیلئے لوگ تیار رہتے ہیں۔

بہرحال میرے دوستو بزرگو! یہ دنیا ذلت کی جگہ ہے، عزت کی جگہ نہیں ہے، جو اس میں پھنسا آخرت بھی اس کی گئی اور دنیا بھی چلی جائے گی، اس بنا پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو ہمیں بتلایا ان کا استحضار

رکھنے کی ضرورت ہے، اسی میں ہمارے لئے عافیت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق ہو، وہ تعلق ایمان اور عمل صالح سے ہوگا، اس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار، الوہیت کا اقرار، ان کی رحمانیت کا اقرار، ان کی غفوریت کا اقرار کرنا ہوگا اور پھر دین کے اوپر ڈٹے رہنا اور اس کے مطابق پھونک پھونک کے قدم رکھنا، سنبھال سنبھال کر کوئی بات کہنا، بس اسی میں کامیابی کا راز ہے۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

رمضان شریف آیا ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "هو شهر الصبر و الصبر ثوابه الجنة " [رواہ البیہقی، مشکوۃ ۱۷۳] رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ آدمی کھانا پینا اور بیوی سے دن میں علیحدگی اختیار کرتا ہے اس کے باوجود نفس میں انانیت ہو، سرکشی ہو تو تعجب کی بات ہے۔ جب یہ چیزیں نہیں چھوڑیں تو پھر آپ نے کیا صبر کیا؟ رمضان کے بعد اور زیادہ حیوانیت آ گئی شہوات کا اور زیادہ غلبہ ہو گیا، غصہ کا اور زیادہ غلبہ ہو گیا تو آپ نے رمضان میں کیا کیا؟ کتنی اصلاح کیا؟ رمضان کے بعد تو آپ کو بالکل مزکیٰ ہونا چاہئے، روزہ کا تقاضہ ہی یہ ہے کہ ڈرنے والے بن جائیں ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ تاکہ تم متقی اور پرہیزگار ہو جاؤ۔

سارے مہینوں کی برکات کو رمضان میں رکھا ہے، اور رمضان کے سارے برکات کو اخیر عشرہ میں رکھا ہے اور اس کی ساری برکات کو لیلۃ القدر میں رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ اس کے اندر دیا ہے، اور یہ امت محمدیہ کی خصوصیات میں

سے ہے، بہت سی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دیا ہے جو پہلی امتوں کو نہیں دیا جیسے اناللہ وانا الیہ راجعون، یہ کلمہ بھی پہلے کسی امت کو نہیں دیا گیا اسی امت کے ساتھ خاص ہے، اس بنا پر کوئی پریشانی آئے کوئی مصیبت آئے، کوئی چیز گم ہو تو دل کی گہرائی سے اس کو پڑھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں۔ پس اعتقاد ہونا چاہئے، ایقان ہونا چاہئے، اللہ ہم سب کو توفیق دے۔ آمین

اللہ نے ہم کو دین دیا، کتاب دیا قرآن پاک دیا حدیث کی کتابیں عطا فرمائیں، اس کے باوجود ہم دین پر نہ رہیں تو بہت ہی افسوس کی بات ہے، ﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بتلاؤ اس کے بعد آپ کس بات پر ایمان لاؤ گے۔ اس بنا پر ہم کو اور آپ کو اپنے حالات میں غور کرنا چاہئے۔ کتنے رمضان آئے اور چلے گئے، کتنے عشرۂ اخیرہ آئے اور چلے گئے، کتنی لیلۃ القدر آئیں اور چلی گئیں، کتنے حج کئے، کتنے عمرہ کئے، لیکن نفس کے معاملات جوں کے توں معلوم ہوتے ہیں، الا ماشاء اللہ سب کو نہیں کہا جا سکتا، لیکن واقعی اصلاح کی غرض سے جب حج وعمرہ کیا جائے گا تب ہی اس سے اصلاح ہوگی۔

منافقین مسجد نبوی میں رہتے تھے، جمعہ کی نماز میں وہ لوگ شریک رہتے تھے، ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "ان منکم منافقین فمن سمیت فلیقم ثم قال قم یافلان قم یا فلان حتی سمی ستة وثلاثین رجلا" [مجمع الزوائد: ۱/۱۰۷] بیشک تم میں منافقین

بھی ہیں تو جس کا نام میں پکاروں وہ اٹھ کر چلا جائے، پھر فرمایا اے فلاں! اٹھو جاؤ، اے فلاں! اٹھو جاؤ، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھتیس لوگوں کا نام شمار کرایا۔ معلوم ہوا کہ مسجد نبوی میں رہ کر بھی نفاق میں آدمی مبتلا ہوسکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہوسکتا ہے۔ خانقاہوں کو کیا کہا جائے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا بافیض شخص ان کی خدمت میں مسجد میں رہتے ہوئے اپنی بے طلبی کی بنا پر آدمی محروم رہ سکتا ہے، تو عام بزرگوں کے یہاں کوئی رہے اور محروم ہوجائے تو کوئی کیا اعتراض کرسکتا ہے۔

ایک آدمی ایک بہت بڑے بزرگ کے یہاں رہتا تھا آپ کی وفات کے بعد اس نے نماز بھی چھوڑ دیا، اور بہت خاص خادم تھا، بزرگوں کے یہاں شکایت کر کر کے گڑ بڑ کرتا تھا، بعد میں اس نے نماز بھی چھوڑ دیا، کسی نے کہا کہ کیا ہوا بھائی تم تو اتنے دنوں تک فلاں بزرگ کی خدمت میں رہے اور اب تو نماز ہی چھوڑ دی، کہا کیا بتلاؤں! میں ایک دن کیلئے بھی اللہ کیلئے خانقاہ میں نہیں رہا، جو اللہ کیلئے ایک دن بھی نہ رہے گا اس کو اللہ کیا دے گا؟ ﴿ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كَارِهُوْنَ ﴾ تم کو وہ چیز دے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو؟

طلب اور تڑپ پر نبوت کے علاوہ سب کچھ مل سکتا ہے

اسی پر بیان کر رہا ہوں کہ طلب ہو اجر وثواب کی خواہش ہو، کسی کو جب تقویٰ کی تڑپ ہوگی تو اس کے لوازم کو وہ اختیار کرے گا اور ویسے اعمال اختیار

کرے گا، انشاء اللہ اس کی برکت سے اسے سب کچھ مل جائے گا، آج بھی اللہ کے یہاں اپنی طلب، تڑپ اور اخلاص سے مانگی ہوئی سب چیزیں مل سکتی ہیں، سوائے نبوت کے سب کچھ مل سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی کمی نہیں ہے

نظر در دیدہا ناقص فتاد ست
وگرنہ یار من از کس نہاں نیست

لوگوں کی نظروں ہی میں کمی آگئی ہے، ورنہ ہمارا محبوب تو کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اس بنا پر میرے دوستو! اللہ سے مانگنا چاہئے، طلب پیدا کرنا چاہئے، اجر وثواب کا طالب ہونا چاہئے، لیلۃ القدر میں ہم جاگیں گے تو ہم کو ثواب ملے گا، عزت ملے گی، اللہ کا قرب ہم کو ملے گا، جب یہ چیزیں ذہن میں رہیں گی تو طلب پیدا ہوگی اور عمل کرنے میں بھی ایک ذوق اور شوق پیدا ہوگا اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

درود شریف پڑھ لیجئے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك

رحمة انك انت الوهاب ۔

یا اللہ! اپنے فضل وکرم سے رمضان شریف کے فیوض و برکات سے مالا مال فرما، یا اللہ! اگر آج لیلۃ القدر ہے تو اس کے فیوض و برکات سے مالا مال فرما، اور جب بھی مقدر ہو تو اس میں اعمال صالح کے کرنے کی توفیق مرحمت فرما، اپنے ذکر وفکر کی توفیق مرحمت فرما، مناجات کی توفیق مرحمت فرما، اپنے فضل وکرم سے ان کو قبول فرما، یا اللہ! ہر قسم کی خیر اور بھلائی ہم کو عطا فرما، یا اللہ! قرآن پاک کے فیوض و برکات سے ہم کو محروم نہ فرما، رمضان شریف کے فیوض و برکات سے مالا مال فرما، لیلۃ القدر نصیب فرما، اس میں ہماری دعاؤں کو قبول فرما، یا اللہ! ہر قسم کی خیر و بھلائی سے ہم کو مالا مال فرما، یا اللہ! اپنی مرضیات پر چلنے کی ہم کو توفیق مرحمت فرما، سنت کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق نصیب فرما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل محبت عطا فرما، صحابہ کرام کے اتباع کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! اپنی محبت اور نسبت سے ہمارے قلوب کو معمور فرما، اپنے ذکر وفکر سے ہمارے قلوب کو منور فرما، یا اللہ! ہمارے تمام مکاتب اسلامیہ کو دینداری عطا فرما، دینی سمجھ عطا فرما، تقوی کی زندگی نصیب فرما، یا اللہ! دشمنوں کی تمام سازشوں سے، ان کی اسکیموں سے ہماری حفاظت فرما، یا اللہ! ہر قسم کی خیر اور بھلائی سے ہمارے تمام مردوں کو اور تمام عورتوں کو مالا مال فرما، یا اللہ! دین کا شوق پیدا فرما، دین پر عمل کرنے کا شوق اور جذبہ عطا فرما، یا اللہ! اپنے فضل وکرم سے اپنے دین کی قدر ہم کو مرحمت فرما، یا اللہ! اپنے فضل وکرم سے اپنی نسبت ومحبت سے اپنی معرفت سے ہم

سب کو مشرف فرما، یا اللہ صحابہ کرام اور اولیاء عظام کے اتباع کی توفیق مرحمت فرما۔ جنت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اکرام اولیاء عظام کی معیت نصیب فرما ان کے طریقہ پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ ان دعاؤں کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴾

اللہ کی معیت

اور اس کے حصول کا طریقہ

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم

۲۲؍رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء مسجد دار العلوم کنتھاریہ، بھروچ گجرات

فہرست مضامین

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِيْكَ لَهٗ ، وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَ عَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ، أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴾ [سورة النحل/۱۲۸]

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ ،

عزیزو اور بزرگو! خیال تھا کہ آج سورۂ حجرات کے کچھ مضامین بیان کروں گا، مگر خیال ہوا کہ بہت ہی طویل بحث ہے، بہت سے حقوق، بہت سے آداب اس کے اندر بیان ہوئے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اس میں بیان کئے گئے ہیں، صحابۂ کرام کے حقوق اس میں بیان کئے گئے ہیں، عام

مؤمنین کے حقوق اس میں بیان کئے گئے ہیں، غرض کہ اخلاقیات کے سلسلہ میں بہت ہی جامع سورت ہے، ہمارے حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ہر شخص کو کم از کم سورۂ حجرات کے مضامین کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ اس کی تفسیر پڑھنا چاہئے، اس تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں، نہ بہت سے مفسرین کے اس میں اقوال ہیں اور نہ روایات، صاف صاف آیتیں موجود ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب تو یہ ہے ﴿لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ﴾ [سورۂ حجرات/۲] اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک ادب ہے ﴿لَاتُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ [سورۂ حجرات/۱] یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی چیز میں پیش قدمی نہ کرو۔ ان کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب ہیں جن کو علماء نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس سورہ میں صحابۂ کرامؓ کے بارے میں بھی بیان فرمایا گیا ہے، ان کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں کہ ان کے دلوں میں اللہ نے ایمان مزین کر دیا ہے، رشد وہدایت ان کیلئے گویا لازم حال بنا دیا اسلئے ان کی ہرگز ہرگز بے ادبی نہ ہونی چاہئے۔ اسی طریقہ سے عام مؤمنین کے آداب بھی بیان فرمائے اور اخلاق کی طرف ان کو متوجہ فرمایا کہ تمہارے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کیا اخلاق ہونے چاہئے، کیا معاملات ہونے چاہئے، یہ سب سورۂ حجرات میں اللہ

تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔اگر ان کی رعایت کی جائے تو باہمی تنازعات ختم ہوجائیں۔دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کی غیبت سے منع کیا، سوءِ ظن سے منع کیا، تجسس سے منع کیا، یہ سب چیزیں بظاہر چھوٹی معلوم ہوتی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے جب اس کو قرآن کریم میں بیان فرمایا تو پھر یہ چھوٹی کہاں رہ گئیں بہت بڑی ہیں، بہت عظیم الشان ہیں، اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی طرف عام طور سے آدمی توجہ نہیں کرتا، ایک دوسرے پر طعن وتشنیع کر دیتا ہے، دوسروں کی برائی کر دیتا ہے، تنقیص کر دیتا ہے، یہ سب چیزیں عام طور سے ہوتی رہتی ہیں اور آدمی خیال نہیں کرتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت ہی اہمیت سے اس کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے ﴿وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَاتَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [سورۂ حجرات ر۱۱] اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارا کرو، ایمان لانے کے بعد فسق کا نام بہت برا ہے اور جو لوگ توبہ نہ کریں گے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہوں گے۔ اخلاقیات، معاملات اور معاشرت کے آداب سے متعلق بہت سے احکام اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں بیان فرما دیئے ہیں، جن کی طرف توجہ ضروری ہے۔ واقعی حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ نے جو فرمایا بہت صحیح ہے کہ اس سورہ حجرات کے مضامین کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے۔اپنے علماء سے اس کو ضرور پڑھ

لینا چاہئے ،کوئی مشکل نہیں ہے، اس کے لئے بہت زیادہ فصاحت و بلاغت کے علم کی ضرورت نہیں، عام طور سے علماء کہتے ہیں کہ تفسیر کیلئے اتنے اتنے علوم کی ضرورت ہے،اس کا انکار نہیں، لیکن ہر آیت میں اس کی ضرورت نہیں۔علماء اس کا ترجمہ جانتے ہیں، ترجمے لکھے ہوئے ہیں، آدمی اس کو سمجھ سکتا ہے۔قرآن کریم کا نزول صرف علماء ہی کیلئے نہیں ہے بلکہ سب کیلئے اترا ہے، سب کی تذکر اور نصیحت کیلئے نازل ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے اندر اتنی صلاحیت رکھی ہے کہ جو شخص بھی ادھر متوجہ ہوگا اس کو نفع پہنچے گا،اسلئے علماء وعوام سب کو اس سورۂ حجرات کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کو بنانا چاہئے ،معاشرت میں اس چیز کو لانا چاہئے ،تاکہ زندگی خوشگوار ہو۔

غیبت ،شکایت ،چغلی ،تجسس یہ سب ایسی خصلتیں ہیں جو قلب کو فاسد اور وقت کو ضائع کر دیتی ہیں اپنا ہی نقصان ہوتا ہے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔اگر آپ کو کسی کا عیب معلوم ہو جائے تو آپ کا اس میں کیا فائدہ ہوگا۔آپ اس کے مصلح نہیں ہیں، آپ اس کے مرشد نہیں کہ اس کی اصلاح کر سکیں، آپ کے دل میں اس کی خیر خواہی بھی نہیں کہ عیب معلوم کر کے اس کو چھپائیں یا اس کی اصلاح کریں، جب یہ سب کچھ نہیں ہے تو پھر اس کے پیچھے پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ عام طور سے ہمارا معاشرہ اسی وجہ سے تباہ و برباد ہو رہا ہے۔میں بہت دنوں سے یہ بات کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں اوہام پر احکام کی بنیاد ہے، حالانکہ احکام کی بنیاد تو یقینی چیزوں پر ہونی چاہئے نہ کہ اوہام پر، آپ کو کسی کے متعلق کوئی وہم ہو گیا

اور آپ نے اس پر حکم لگا دیا کہ وہ ایسا ہے یا ایسا کام کر رہا ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں، یہاں تک لکھا ہے علماء نے کہ اگر کوئی شخص آستین کے اندر بوتل لئے جا رہا ہے، آپ اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شراب کی بوتل لئے جا رہا ہے، اس کی ٹوہ میں نہ پڑیئے کہ کیا لئے جا رہا ہے، ہوسکتا ہے کہ سرکہ کی بوتل لئے جا رہا ہو، اور سرکہ چونکہ اس زمانہ میں تھا اسلئے سرکہ کی مثال دی، اب پیپسی وغیرہ کی مثال دے سکتے ہیں، اُس زمانہ میں تو یہ سب چیزیں نہیں تھیں اسلئے ہمارے فقہاء نے سرکہ کی مثال دے دی۔

احکام کی بنیاد یقین پر ہے

بہر حال میرے دوستو بزرگو! احکام شرعیہ اللہ تعالیٰ نے نہایت محکم طریقہ سے بیان فرمائے ہیں، اور یقینیات پر اس کی بنیاد رکھی ہے، اسلئے یقین پر ہی حکم کا ثبوت ہوگا، ظن پر نہیں، آپ دیکھئے! چاند کا مسئلہ ہے اس کیلئے شہادت کی ضرورت ہے یقین اس وقت ہوگا جب رؤیت پر شہادت ہو اور آپ کو بھی یقین ہو جائے کہ اس نے چاند دیکھا ہے۔ بعض دفعہ دیکھنے والے کو غلط ہو جاتا ہے اسلئے شہادت دینے اور قبول کرنے میں احتیاط کرنا چاہئے۔

ایک دفعہ الٰہ آباد میں سول لائن سے جدید تعلیم یافتہ لوگ آئے اور کہا کہ مولانا صاحب! غیر مسلم کہتے ہیں کہ آپ لوگوں میں ہر سال چاند کے مسئلے میں اختلاف ہو جاتا ہے جب ریڈیو پر خبر آ گئی تو مان لینا چاہیے، ایک دن عید ہونا چاہئے، تو

چونکہ وہ لوگ جدید تعلیم یافتہ تھے دینی علوم سے تعلق نہ تھا اسلئے غیر مسلم کی باتوں سے متأثر ہوگئے۔ اور آج لوگوں کا یہی حال ہے کہ کم علمی کی وجہ سے غیروں کی باتوں سے متأثر ہوجاتے ہیں اور شور کرتے ہیں کہ بس مولوی لوگ جھگڑا کرتے رہتے ہیں۔ سن لیجئے! مولوی بیچارے نہیں جھگڑتے بلکہ وہ تو احکام شرعیہ کے پابند ہیں، چنانچہ بعض دینی معاملہ میں تو صحابہ کرامؓ میں بھی اختلاف تھا، مگر وہ حضرات سب اچھی نیت والے تھے، اس کے باوجود اختلاف ہوگیا۔

بہر حال وہ لوگ جدید تعلیم یافتہ تھے، انہوں نے آکر یہ بات مجھ سے کہی، میں نے کہا دیکھو! چاند کا ماننا شہادت پر ہے، شہادت جب ہوگی تب ہی چاند مانا جائیگا، اور ریڈیو کی خبر سے شہادت ثابت نہیں ہوتی، اس کیلئے بہت سے شرائط ہیں، عام طور سے ریڈیو پر خبر آجاتی ہے کہ پٹنہ والوں نے کچھ بول دیا، اور رانچی والوں نے کچھ بول دیا، دلی والوں نے کچھ بول دیا، تو کس کس پر آپ عمل کیجئے گا اس بنا پر شہادت کیلئے ضرورت ہے یقین کی۔

میں نے مثال دیا، جیسے قتل کیلئے شہادت کی ضرورت ہے اگر جج نے بھی کسی کو قتل کرتے ہوئے دیکھا ہو تب بھی وہ پھانسی کا حکم نہیں دے سکتا جب تک کہ اس پر دو شاہد نہ ہوں، جج کا دیکھنا بھی معتبر نہیں ہے۔ پھانسی کیلئے، قصاص کیلئے صرف جج کا دیکھنا کافی نہیں ہے، بلکہ دو آدمی کی شہادت ہوگی تب اس پر قتل اور پھانسی کی سزا مرتب ہوگی۔ چونکہ ان سب چیزوں کا ایک شرعی حکم ہے اسلئے اس کے مطابق سب کو چلنا ہوگا، اگر کورٹ میں کسی کا ٹیلی فون جج کے پاس آجائے کہ فلاں نے

فلاں کو قتل کیا ہے، کیا جج اس کو پھانسی دے دیگا؟ جب جج کے دیکھنے سے سزا کا حکم نہیں لگ سکتا، اور ٹیلی فون پر کہہ دینے سے اس کی گواہی معتبر نہیں مانی جاتی تو کیا شریعت ہی ایک ایسی چیز رہ گئی ہے کہ ہر کس و ناکس اس میں کلام کرنے لگے؟ وہاں تو ہر ایک یہی کہے گا کہ ہاں قتل کیلئے شہادت کی ضرورت ہے بلکہ عینی شہادت کی ضرورت ہے، میں نے کہا کہ چونکہ ان چیزوں کی وقعت آپ کے نزدیک ہے، اور شریعت کی وقعت نہیں ہے، علماء جو کہتے ہیں اس کی وقعت نہیں ہے اس بنا پر آپ لوگوں کو یہ اشکالات واعتراضات ہیں، وہاں خوب سمجھ میں آتا ہے کہ واقعی ٹیلیفون کے ذریعہ پھانسی نہیں دی جا سکتی، اس کیلئے عینی شہادت کی ضرورت ہے، اس میں بھی خوب بحث ہوتی ہے، بحث میں کتنے لوگ شہادت میں اکھڑ جاتے ہیں، معاملہ غلط ثابت ہوتا ہے مگر چاند کی شہادت کو آپ یوں ہی سمجھتے ہیں، اس کی اہمیت ذہنوں میں نہیں ہے۔ اس بنا پر جب ہم لوگ کہتے ہیں کہ شہادت کی ضرورت ہے تو وہ آپ کے گلے سے نیچے نہیں اترتی، میں نے کہا یہ دین میں کمزوری کی بات ہے۔

بہر حال وہ لوگ سمجھ گئے، سول لائن میں ایک آدمی نے میری بات کو نقل کیا کہ ریڈیو کی خبر پر اور ٹیلی فون کی خبر پر کوئی جج کسی کے قتل کا حکم نہیں لگاتا تو چاند کے بارے میں ہم کیسے ان خبروں پر حکم لگا سکتے ہیں، تو دوسرے شخص نے کہا کہ واقعی اس میں گڑبڑی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک مشہور لیڈر کے مرنے کی اطلاع ریڈیو نے دے دی اور اعلان کر دیا کہ اس کے مطابق اس کی کریا کرنی سب

ہوگئی پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے خود اس نے تسلیم کرلیا کہ ریڈیو کی خبر غلط بھی ہوسکتی ہے۔

میرے دوستو بزرگو! احکام کی بنیاد اوہام پر نہیں بلکہ یقین پر ہوتی ہے، اس بنا پر معاملات میں جو شک وشبہ پر حکم لگایا جاتا ہے یہ بہت بے احتیاطی کی اور گناہ کی بات ہے۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ایسے موقع پر بہت احتیاط کی ضرورت ہے بد احتیاطی بڑے بڑے فتنوں کا سبب بن جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ غایت درجہ احتیاط لازم وضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے بھی یہ حکم ثابت ہوتا ہے ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ﴾ [سورۂ حجرات/٦] اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچادو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

مفسر قرآن علامہ ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کی تفسیر میں بہت سی روایات نقل فرمائی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنی مصطلق میں زکوٰۃ کی وصولی کیلئے بھیجا چنانچہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ حسب حکم بنی مصطلق میں پہنچے، اس قبیلہ کے لوگوں کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ اس تاریخ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد آئیگا اسلئے استقبال میں بستی سے باہر آکر انتظار کرنے لگے۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو شبہ

ہو گیا کہ یہ شاید پرانی دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرنے آئے ہیں اسلئے وہیں سے واپس ہو گئے اور جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گمان کے مطابق یہ عرض کر دیا کہ وہ لوگ زکوٰۃ دینے کیلئے تیار نہیں بلکہ میرے قتل کے درپے ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ خوب تحقیق کر لیں اس کے بعد کوئی اقدام کریں۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بستی سے باہر رات کو پہنچ کر قیام کیا اور تحقیق حال کیلئے چند آدمی بطور جاسوس کے بھیج دیئے۔ ان لوگوں نے آ کر خبر دی کہ یہ لوگ اسلام وایمان پر قائم، نماز وروزہ کے پابند ہیں اور کوئی بات خلاف اسلام نہیں پائی گئی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا واقعہ بتلایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں جب یہ حکم تھا (چونکہ قرآن قیامت تک کیلئے ہے) لہٰذا ہمارے لئے بھی یہی حکم ہے جب کوئی شخص کوئی خبر لے کر آئے اس کی تحقیق کی جائے گی۔ مشائخ کے یہاں بھی بعض لوگ بے تحقیق باتیں کرتے ہیں جسکی وجہ سے باہم اختلاف اور فساد ہو جاتا ہے اس بناء پر میرے دوستو! اوہام پر احکام کی بنیاد نہیں رکھنی چاہئے یہ شرعی طریقہ نہیں ہے اس سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بہت سی ایسی باتوں کو بیان فرمایا ہے جو ہما شما کے ذہن میں نہیں آ سکتی تھیں پس اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

باطنی گناہوں سے بچنا ضروری ہے

پس میرے دوستو بزرگو! جس طریقہ سے قرآن نے کہا ﴿ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ اسی طرح ﴿ لَايَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ بھی قرآن ہی نے کہا ہے۔ اور مشکوٰۃ شریف میں جس طریقہ سے ذکر کے فضائل بیان کئے گئے ہیں اسی طریقہ سے توکل وتواضع کی فضیلت بھی بیان کی ہے اور جس طریقہ سے زنا وغیرہ کی مذمت وقباحت بیان فرمائی ہے اسی طرح حسد کے بارے میں بھی ارشاد نبوی ہے کہ "ولَاتباغضوا ولَا تحاسدوا ولَاتدابروا كونوا عبادالله اخوانا " [ابوداؤد: ۲/ ۶۷۳] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپس میں یک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور حسد نہ کرو اور کسی کے پیچھے نہ پڑو اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔

یہ سب باطنی گناہ ہیں جس طریقہ سے چوری سے زنا سے جھوٹ سے منع کیا جو ظاہری گناہ ہیں اسی طریقہ سے باطنی گناہ سے بھی منع کیا ہے اسی طرح کینہ بھی بہت ہی برا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا "یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسي وليس في قلبك غش لاحد فافعل ثم قال يا بني وذالك من سنتي ومن احب سنتي فقداحبني ومن احبني كان معي في الجنة "[رواہ الترمذی مشکوۃ: ۳۰] اے میرے پیارے بیٹے! اگر تم صبح وشام اس حال میں کرنے پر قادر ہو کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ

ہو تو ضرور ایسا کرو اور یہ میری سنت ہے جس نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے مجھے محبوب رکھا وہ میرے ساتھ جنت میں رہے گا۔

اس لئے ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ کینہ کا نہ رکھنا اس کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا ہے، معلوم ہوا کہ ظاہری سنتوں کے ساتھ باطنی سنتیں بھی ہیں، ترک کینہ یہ بھی سنت ہے، ترک بغض یہ بھی سنت ہے، جس طریقہ سے مدد کرنا سنت ہے، جس طریقہ سے اچھی بات کا کہنا سننا سنت ہے، اس طرح کینہ کا نہ رکھنا جو ایک باطنی چیز ہے، وہ بھی سنت ہے، فرماتے تھے سنت کا اطلاق جتنا ظاہری اعمال پر ہوتا ہے اتنا ہی باطنی اعمال پر بھی ہوتا ہے، ترک کینہ ایک باطنی عمل ہے دل سے اس کا تعلق ہے، جس سے معلوم ہوا سنت یہ بھی ہے اور اس سنت پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت سنائی ہے کہ جو ان باتوں پر عمل کرے گا وہ میرے ساتھ جنت میں جائیگا، کتنی بڑی بشارت اور کتنا بڑا وعدہ ہے، جس طریقہ سے جو شخص لیلۃ القدر کو زندہ رکھے گا، جو اس کو ذکر و شغل میں گذارے گا وہ اللہ کی معیت سے شاد ہوگا، اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا، اسی طرح ترک کینہ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب ہوگی، جنت میں آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جائے گا، جو بشارت اعمال خیر کے کرنے پر ہے وہی اعمال شر کے ترک کرنے پر بھی ہے۔

شامی عالم کی ایک کتاب ہے "من معین الشمائل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم" انہوں نے اس پر بحث کی ہے کہ اب تک جو کتابیں لکھی گئیں وہ

صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل حمیدہ پر لکھی گئی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اخلاق حمیدہ تھے، یہ خصال حسنہ تھے، کسی نے اس پر نہیں لکھا کہ حضور کے یہ برے اخلاق نہیں تھے، نفی میں کسی نے نہیں لکھا اخلاق ثبوتیہ جس طرح ہیں اسی طرح اخلاق سلبیہ بھی ہیں، جس طرح آپ میں تواضع تھی، توکل تھا، عبدیت وبندگی تھی، اسی طرح آپ میں کبر نہیں تھا حرص وطمع کی بیماری نہیں تھی۔ اس پر اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، الحمدللہ اس کتاب کا میں ترجمہ کر رہا ہوں دعا کرو اس کی تکمیل یا کم از کم اس کی تلخیص کرنے کی اللہ توفیق دے۔

بہرحال میرے دوستو! علماء نے جس طرح اذکار کی کتابوں کو لکھا ہے اسی طرح اخلاق کی کتابوں کو بھی لکھا ہے اور اب بھی لکھی جا رہی ہیں۔ اس بنا پر اذکار ووظائف کے ساتھ ساتھ ان اخلاق کی درستگی کا بھی ہم خیال رکھیں، تا کہ ہمارا ذکر صحیح معنی میں ذکر ہو جائے۔

﴿ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴾ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، بُری باتوں سے بچتے ہیں، بُرے اخلاق سے بچتے ہیں، اپنے دل میں ایسی چیزوں کو نہیں لاتے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، ترمذی شریف میں حدیث ہے ''سُئِل النبی صلی الله علیه وسلم عن اکثر ما یُدخل الجنة فقال تقوی الله وحسن الخلق'' [ترمذی: ۲/ ۲۰] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا اس چیز کے بارے میں جس کی وجہ سے لوگ زیادہ جنت میں جائیں گے۔ دیکھئے صحابۂ کرامؓ کیسی باتیں پوچھتے تھے،

اگر وہ نہ پوچھتے تو یہ حدیثیں ہم تک کیسے پہنچتیں؟ صحابہ کا پوچھنے کا معمول تھا اور علم وحکمت کی باتوں کو معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اسلئے جب کوئی دیہات سے صحابی آتے تھے تو شہر کے صحابہ خوش ہو جاتے تھے، سمجھتے تھے یہ کچھ سوال کریں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیں گے تو ہمارے علم میں اضافہ ہوگا، دینی علم میں اضافے کے خاطر وہ خوش ہوتے تھے۔ کیا علم دین کے بارے میں آج ہمارے اندر یہ حرص اور طمع موجود ہے؟ ہر گز نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ کے یہاں تشریف لے گئے، کہا حضرت میں دوسری مرتبہ آؤں گا تو آپ کو ایک حدیث سناؤں گا، میں نے دل میں کہا کہ یا اللہ کتنی حدیثیں لکھی ہوئی ہیں، معلوم نہیں کون سی حدیث سنائیں گے۔ اس سے حدیث پاک کی کتنی اہمیت ثابت ہوئی کہ مولانا اعظمیؒ نے اس قدر اہمیت سے یہ بات فرمائی، مگر افسوس کہ علماء تو حدیث سنانے کیلئے بیتاب ہیں مگر سننے والا کوئی نہیں۔ یہ علم دین سے بے ذوقی کی بات ہے، بس چونکہ جس راستہ پر چلنا نہیں ہے اسلئے اس راستہ کے بارے میں پوچھتے بھی نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم دین کا ذوق نصیب فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

فتنوں کے تذکرے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ نصیحت کی درخواست کرتے تھے جبکہ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد کچھ نہ کچھ دین کی باتیں بیان فرماتے ہی رہتے تھے لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام کے اندر دین کی باتوں کو معلوم کرنے کی اس قدر طلب اور تڑپ تھی کہ برابر سوال کرتے رہتے تھے کہ راستہ واضح ہو جائے ۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی برابر فتنے کے متعلق پوچھتے رہتے تھے کسی نے کہا کہ بھائی آپ جب پوچھتے ہیں تو فتنوں ہی کے متعلق پوچھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں اسلئے فتنوں کے متعلق پوچھتا ہوں تا کہ میں فتنوں سے بچ سکوں۔ کتنی بڑی بات ہے کہ فتنوں کے متعلق پوچھتے تھے تا کہ فتنوں سے بچ سکیں مشکوٰۃ شریف اٹھا کر دیکھئے ، بخاری وغیرہ میں دیکھئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشین گوئیاں فرمائی ہیں وہ سب پوری ہو رہی ہیں۔ چنانچہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں ”اللھم انی اعوذبك من الفتن ما ظهر منها وما بطن “[کنز العمال ۲/ ۲۶۴] یعنی اے اللہ ! میں ظاہری اور باطنی فتنوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور فرماتے ہیں ” اللھم انی اعوذبك من يوم السوء ومن صاحب السوء ومن جار السوء في دار المقامة “ [كشف الخفاء ١/ ١٧٢] اے اللہ ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں برے دن سے اور برے ساتھی سے اور برے پڑوسی سے رہائش کی جگہ میں۔

اس سے بڑھ کر فتنہ کیا ہوگا کہ دل میں شرک و کفر آ جائے یا مسلمان کے دل میں حسد پیدا ہو جائے ، کبر پیدا ہو جائے ، تو اس طرح آدمی فتنے میں مبتلا ہو جائیگا۔ اسی طریقہ سے ظاہری فتنے بھی ہیں ، ظاہری گناہوں میں مبتلا ہو گئے ، چوری ، زنا ،

رشوت وغیرہ وغیرہ یہ سب فتنے ہی تو ہیں۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے باقاعدہ فتنوں پر بحث کیا ہے۔ فرمایا کہ ایک فتنۂ نفس ہے، فتنہ قلب ہے، ایک فتنہ مدینہ ہے، ایک فتنہ عالم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " **تعرض الفتن علی القلوب کالحصیر عوداً عوداً** " [رواہ مسلم، مشکوٰۃ ر ۴۶۱] یعنی آخری زمانہ میں قلوب پر فتنے ایسے آئیں گے جیسے چٹائی کے یکے بعد دیگرے تنکے۔ یعنی جس طرح چٹائی کے تنکے ایک دوسرے سے ملے رہتے ہیں اور مسلسل رہتے ہیں اسی طرح فتنے آتے جائیں گے۔

دیکھئے! آج یہی حال ہے، اخباروں میں پڑھیے، آج جو فتنہ ہے کل کے دن کوئی دوسرا ہی فتنہ آجائے گا۔ اتنے فتنے آرہے ہیں کہ ان سے نمٹنا آسان نہیں، اور اس میں دشمنوں کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اتنے مسلسل فتنے اور فسادات پیدا کردو کہ مسلمانوں کو کوئی اصلاحی کام کرنے کا موقع ہی نہ ملے اصلاحی، علمی، سیاسی یا صنعت وحرفت کے کام کرہی نہ سکیں، ان سب میں الجھ کر ان کا دماغ معطل ہوجائے۔

فتنۂ قلب

میرے دوستو! شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ فتنۂ قلب یہ ہے کہ مناجات کی حلاوت فوت ہوجائے، دعا کے اندر لذت نہ رہ جائے، عبادت

کے اندر خشوع اور خضوع نہ رہ جائے، یہ فتنۂ قلب ہے۔ کتنے رونے کی بات ہے کہ ہمارا یہ حال ہو جائے کہ ہم فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" **ألَا وان في الجسد مضغةً اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله، ألا وهي القلب**" [ابن ماجہ/۲۸۷] سنو! بدن میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست رہتا ہے تو سارا بدن درست رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو سارا بدن فاسد ہو جاتا ہے، سنو وہ قلب ہے۔

اسی قلب کے فساد سے سارے بدن کا فساد ہے بلکہ اسی قلب کے فساد سے سارے عالم کا فساد ہے۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ فتنۂ عالم اسی فتنۂ قلب کا نتیجہ ہے۔ اگر ایک آدمی فتّین ہوگا تو سارے عالم کو ہلاکت اور فساد میں ڈال دے گا، جیسے آج ہو رہا ہے۔ اگر صاحب فتنہ کے اندر قوت آگئی تو وہ قوت سے فتنے کو عام کر دے گا جیسا کہ ہو رہا ہے۔ اگر فتنۂ قلب قوت کے ساتھ نہیں ہے تو اپنے جی ہی میں کڑھ کڑھ کر مر جائے گا۔

چنانچہ ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے بد اخلاق آدمی کو تنہائی میں بھی سکون نہیں ملتا۔ کیونکہ بد اخلاقی اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیتی، کبھی حسد میں ہے، کبھی کبر میں ہے، کسی نے کوئی بات کہہ دیا تو بلبلا رہا ہے، رات میں نیند نہیں آرہی ہے کہ ہم کو فلاں نے ایسا کہہ دیا، اور وہ آدمی جس کے اندر کبر نہیں ہے وہ یہ کہتا ہے کہ اگر کسی نے خلاف شان کوئی بات کہہ دی تو کیا ہو گیا؟ ہم کون سے بڑے ہیں بلکہ جو بات کہی گئی ہے اس سے بھی بدتر ہیں۔ تو

ایسا شخص مطمئن رہتا ہے، بے چین نہیں ہوتا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا واقعہ سنئے کہ وہ ایک گلی سے گذر رہے تھے، کسی نے ان کے اوپر راکھ پھینک دیا، مریدین کو بہت زیادہ طیش آ گیا، غضبناک ہو گئے، غصہ ہو گئے کہنے لگے ہم بھی اس سے بدلہ اور انتقام لیں گے، انہوں نے کہا تم لوگ کیوں غضبناک ہو رہے ہو، کیوں طیش میں آ رہے ہو، ارے جو شخص آگ کے لائق تھا، اگر راکھ پر اکتفاء کر دیا جائے تو اس کو شکر ادا کرنا چاہئے۔ سبحان اللہ کیسی تواضع تھی اور اپنے مریدوں کو کیسی تعلیم دی، جو ہم لوگوں کیلئے قابل اقتداء ہے۔

اب بتلایئے انہوں نے فتنہ دبا دیا کہ نہیں، ورنہ گلی میں فساد ہو جاتا، کیا سے کیا ہو جاتا، اور جب یہ سمجھ لیا کہ ہم تو اس سے بھی بدتر ہیں، ہم تو آگ کے لائق تھے، اب معاملہ سب وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ اس بنا پر میں کہتا ہوں کہ اخلاق کی اصلاح سے اپنا ہی نفع ہے، اپنے کو ہی سکون ہے، اپنے کو ہی چین ہے، اگر کوئی آپ کا ساتھی مال میں بڑھ رہا ہے، علم میں بڑھ رہا ہے، آپ اگر اس سے جلن رکھتے ہیں تو اس جلن کا اس کو کیا نقصان پہنچے گا، آپ کو ہی نقصان ہوگا، آپ کو کڑھن ہوگی۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ حضرت پہلے میں سمجھتا تھا کہ بیماری کی وجہ سے مجھ کو غصہ آتا ہے، اب سمجھ میں آیا کہ غصہ کی وجہ سے مجھ کو بیماری ہے۔ چنانچہ اس کو حضرت نے پسند فرمایا اور بار بار سناتے تھے۔

حسد کے متعلق حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ کے اشعار بہت ہی خوب ہیں ؎

حسد کی آگ میں کیوں جل رہے ہو
کفِ افسوس کیوں مل رہے ہو
خدا کے فیصلہ سے کیوں ہو ناراض
جہنم کی طرف کیوں چل رہے ہو

حدیثوں میں آتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ایاکم **والحسد فان الحسد یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب**" [ابوداؤد ۲/ ۲۷۶] یعنی حسد سے بچو اسلئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔ حسد ایک آگ ہے، جیسے آگ لکڑی کو کھا کر ختم کر دیتی ہے راکھ کر دیتی ہے اسی طرح حسد اگر کسی کے اندر ہے تو وہ نیک اعمال کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو حسد کے بارے میں یہ فرما رہے ہیں، معلوم ہوا کہ حسد کی وجہ سے نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں، تو اب کون آدمی ہے جو اپنی نیکیوں کو ضائع کرنا چاہے گا، اس بنا پر مشائخ اور علماء اس پر زور دیتے ہیں کہ بھائی حسد نہ کرو، اس سے فائدہ تو کیا بلکہ نقصان ہی نقصان ہے۔

تصوف کی حقیقت

بہر حال میرے دوستو بزرگو! کبر، حسد، غصہ، یہ سب مذموم خصلتیں ہیں

آدمی غضبناک ہوتا ہے، اپنی صحت کو برباد کر لیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ نصیحت کیجئے فرمایا "**لاتغضب**" [رواہ البخاری، مشکوٰۃ ۴۳۳] غصہ نہ کرو۔ کئی مرتبہ انہوں نے نصیحت طلب کی اور ہر مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**لاتغضب**" شراح حدیث لکھتے ہیں کہ اس شخص کے اندر غصہ زیادہ تھا، اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ یہی فرمایا۔

حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر تم غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ ساری دنیا میں فساد غصہ ہی کی وجہ سے پھیلا ہوا ہے۔ ایک صاحب حکومت نے دوسرے صاحب حکومت کو سخت بات کہہ دی جس کی وجہ سے دونوں ملک میں جنگ تک ہو جاتی ہے اور ہزاروں بلکہ لاکھوں جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ تصوف وسلوک میں اصل چیز اخلاق کی اصلاح ہے، اخلاق کی اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ قوت غضب جو اللہ نے دیا ہے وہ تو کام کیلئے دیا ہے لیکن اگر تم نے اس کو غلط استعمال کیا تو یہ تمہارے لئے مہلک ہے، اسی طرح قوت شہویہ اللہ تعالیٰ نے جو عطا فرمایا ہے وہ جائز کام کیلئے دیا ہے جو نافع ومفید ہے لیکن حد سے اگر تجاوز کرو گے تو وہ تمہارے لئے مضر ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

شہوت دنیا مثال گل خن است
ازیں حمام تقوی روشن است

یعنی دنیوی شہوت کی مثال ایسی ہے جیسے آتش دان کہ تقوی کا حمام اسی سے گرم ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح آتش دان میں لکڑی وغیرہ ڈالتے ہیں جو فی نفسہٖ کم حقیقت ہے لیکن اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آگ جل جاتی ہے پانی گرم ہو جاتا ہے، کھانا پکتا ہے اسی طرح دنیوی شہوت فی نفسہٖ اگرچہ مذموم ہے لیکن اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اسی کے ذریعہ انسان متقی بن جاتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کو حد میں رکھے تب ہی ورنہ شہوت کی آگ جلا بھنا کر سب ختم کردے گی، جیسے آج ہو رہا ہے، اور شہوت میں دنیا مست ہے اور بری طرح ہلاک ہو رہی ہے۔ یورپ تو بہت دنوں سے اس کا شکار ہے اب ہمارے ممالک بھی پیچھے نہیں ہیں۔ جیسا کہ اخبارات سے عیاں ہوتا رہتا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

چنانچہ ایک صحابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے لوگ بکثرت جنت میں جائیں گے۔ یعنی جو چیز سب سے زیادہ جنت میں داخل کرنے والی ہے وہ کون سی چیز ہے، اس کے بارے میں آپ ارشاد فرمائیے فرمایا" تقوى الله وحسن الخلق" خوف خداوندی اور اچھے اخلاق۔ اسی سے لوگ جنت میں زیادہ جائیں گے۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے لوگ بکثرت جہنم میں جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زبان اور شرمگاہ۔ تو معلوم ہوا کہ ان دونوں چیزوں کی حفاظت ضروری ہے۔ غلط استعمال سے پرہیز لازم وضروری ہے۔

آج ہمارے اعمال میں جو نورانیت نہیں آرہی ہے تو اس کے متعلق مولانا

محمد اسماعیل شہیدؒ نے لکھا ہے کہ باوجود اوراد و وظائف کے اگر تم پر الطاف الٰہی کا ورود نہیں ہو رہا ہے تو سمجھ لو کہ تمہارے اندر مرض یا سبب مرض موجود ہے۔ یہ کون کہہ رہا ہے؟ مولانا شہیدؒ کہہ رہے ہیں، اتنے بڑے محقق، اتنے بڑے صوفی اور اتنے بڑے شیخ فرما رہے ہیں۔ اسلئے ان اعمال کے ساتھ، ان اذکار کے ساتھ، اپنے اخلاق کی درستگی بھی بہت ضروری ہے۔ جب ہی الطاف رحمانی کا ورود ہوگا۔ اپنے اندر تواضع پیدا کرنا، انکساری پیدا کرنا، شکستگی پیدا کرنا، اللہ پر بھروسہ کرنا، لوگوں سے استغنا یہ تمام اخلاق ہیں جو مقامات سلوک کہلاتے ہیں۔ خوب سمجھ لیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذکار کی بھی تعلیم فرمائی ہے اور اخلاق کی بھی تعلیم فرمائی ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" [کنز العمال ۳/۱۶] میں مبعوث ہی اس لئے کیا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔ معلوم ہوا کہ مکارم اخلاق کی کمی تھی اس کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے گئے، تاکہ اخلاقی تعلیم کو عام کریں، اور اخلاق کی وضاحت کریں، اس کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

ایسے چند مواقع ہیں جن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کیلئے میری بعثت ہوئی ہے مثلاً مکارم اخلاق کی تکمیل چنانچہ ارشاد ہے

"بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" اور تعلیم امت جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بعثت معلماً" [ابن ماجہ ۲۱] یعنی مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے، اور دعوت و تبلیغ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بعثت داعیًا و مبلغًا" [فیض القدیر ۲/۲۰۳] یعنی مجھے داعی اور مبلغ بنا کر بھیجا گیا ہے، اور خاطر و مدارات کیلئے جیسا کہ ارشاد ہے "بعثت بمداراۃ الناس" [فیض القدیر ۲/۲۰۳] یعنی مجھے خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حجرے سے باہر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ دو حلقوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، ایک حلقہ کے لوگ قرآن کریم کی تلاوت کررہے تھے اور دعا کررہے تھے اور دوسرے حلقہ کے لوگ پڑھنے پڑھانے میں مشغول تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب لوگ خیر پر ہو۔ جو لوگ قرآن پڑھ رہے ہیں اور دعا کررہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دینا چاہے گا تو دیگا اور یہ لوگ پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں چونکہ میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسلئے آپ ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔

میرے دوستو ہر جگہ اور ہر موقع کا ایک ذکر اور ایک وظیفہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کر کے دکھلا دیا ہے، ذکر کے بارے میں حلقہ میں بیٹھ کر بتلا دیا ﴿ وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَ الۡعَشِيِّ

﴿يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت محض اسکی رضا جوئی کیلئے کرتے ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں اس کا شان نزول یوں نقل فرمایا ہے کہ علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عیینہ ابن حصین فزاری کے متعلق نازل ہوئی، مسلمان ہونے سے قبل عیینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت کچھ نادار مسلمان بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور ان کو پسینہ آرہا تھا، عیینہ بولا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو ان لوگوں کی بدبو سے دکھ نہیں ہوتا؟ ہم قبائل مضر کے سردار ہیں اگر ہم مسلمان ہوگئے تو سب لوگ مسلمان ہوجائیں گے لیکن ہم کو آپ کا اتباع کرنے سے ان لوگوں کی موجودگی روکتی ہے اگر آپ ان کو ہٹادیں تو ہم لوگ آپ کی اتباع کرنے لگیں گے یا ہمارے لئے کوئی الگ بیٹھنے کی جگہ مقرر کردیں۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستائش ہے اس کیلئے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کردیئے جن کیساتھ مجھے جمے رہنے کا حکم دیا ہے۔ [تفسیر مظہری ۷/۲۰۶]

میرے دوستو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذاکرین کے ساتھ بیٹھے، اللہ کو یاد کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے تاکہ ذکر کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ نہیں ہیں، اسی طرح مذاکرہ کرنے والوں کے ساتھ

بیٹھے اور بعثت معلماً ، میں معلم بنا کر کے بھیجا گیا ہوں تا کہ علم والے یہ نہ سمجھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، اس بنا پر ایسی چیزیں واقع ہوئیں تا کہ سب کو سنت کا ثواب مل جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عمدہ دھاری دار چادر تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں زیب تن فرماتے تھے۔ [مجمع الزوائد ۲۰۱/۵] تا کہ امیروں کو بھی اتباع سنت کا شرف حاصل ہو جائے۔ جو لوگ اچھے کپڑے پہنتے ہیں وہ یہ سمجھ کر پہنیں کہ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

بہر حال میرے دوستو! یہ نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف کملی ہی اوڑھا ہے بلکہ نقشین چادر بھی اوڑھا ہے، اسلئے دونوں ہی کو بیان کرنا چاہئے۔

بہر حال چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اس وجہ سے آپ کا اسوہ سب کیلئے سنت ہے ﴿ وَلَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں کتنی وسعت ہے، کہیں پر گاڑی رکتی نہیں، سنت کا فیض ہر شخص حاصل کر سکتا ہے، اس بنا پر ان چیزوں کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔

میرے دوستو! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا تذکرہ کیا اور ان

سے پناہ مانگی، تو اس کی بھی بہت سخت ضرورت ہے کہ اپنے قلب کو مفتون نہ ہونے دیا جائے اور قلب کا مفتون ہونا یہی ہے کہ نمازوں کی لذت ختم ہو جائے، دعا کی حلاوت ختم ہو جائے، یہ بہت بڑی نعمت ہے جب اللہ تعالیٰ کسی سے انتقام لیتے ہیں، تو اِنہی دونوں چیزوں سے اسے محروم کر دیتے ہیں۔

ایک عبرتناک واقعہ

ایک مالدار آدمی ایک بزرگ کو ستایا کرتا تھا اور دنیا میں روزانہ ترقی کرتا رہتا تھا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل تھی مگر وہ اس کو سمجھ نہ سکا اور غرور میں مبتلا ہو کر لوگوں سے کہنے لگا کہ اس بزرگ کو ستانے سے ہمارا کیا نقصان ہوا، ہم تو تجارت میں اور بڑھ گئے۔ مگر اللہ والے کہتے ہیں کہ ہمارا انتقام یہ نہیں ہوتا کہ دنیا میں وہ کم ہو جائے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ دنیا کے بارے میں اور وسیع ہو جائے تا کہ وہ اللہ کی مزید گرفت میں آ جائے۔ پس جب کوئی شخص کسی بزرگ کو ستاتا ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ فوراً اس کی تجارت ختم ہو جاتی ہے یا کاروبار ٹھپ پڑ جاتا ہے یا وہ بیمار پڑ جاتا ہے بلکہ ہوتا یہ ہے کہ اس کے قلب میں عبادت و مناجات کی لذت میں کمی آ جاتی ہے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ قلب کی حلاوت اس سے ختم ہو جائے، قلب کے اندر خشوع ختم ہو جائے۔ میرے دوستو! یہ بھی ایک حکومت ہے، جیسے ظاہری حکومت چل رہی ہے اسی طرح باطنی حکومت رواں دواں ہے، اس کے احکام و قوانین بھی

جاری ہیں، کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴾ ہر دن اللہ تعالیٰ ایک شان میں ہے کسی کو غالب کرتا ہے اور کسی کو مغلوب کرتا ہے، کبھی بے شان وگمان الیکشن میں جیتا تا ہے اور کبھی ہرا دیتا ہے، کسی کو تخت پر بٹھاتا ہے اور کسی کو تخت سے اتارتا ہے، کسی کو صحت سے بہرہ ور فرماتا ہے اور کسی کو محروم کرتا ہے۔

بہر حال میرے دوستو بزرگو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جنت میں کون سا عمل لے جائے گا، تو فرمایا ''تقوی اللہ وحسن الخلق'' اللہ سے ڈرنا اور حسن خلق، اللہ سے جو ڈرے گا اور اپنے اخلاق کو درست کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس بنا پر کہ تقوی اللہ سے حقوق اللہ کو ادا کرے گا، اور حسن خلق سے حقوق العباد کو ادا کرے گا، اور کمال کی بات یہی ہے کہ حقوق اللہ بھی ادا کیا جائے اور حقوق العباد بھی ادا کیا جائے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بات ارشاد فرمادی جو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو شامل ہے۔

میرے دوستو! حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کو تقوی اللہ حاصل ہو گیا تو انشاء اللہ اس کے ذریعہ حسن خلق بھی حاصل ہو جائے گا، اللہ سے جب ڈرے گا تو لوگوں سے بھی ڈرے گا۔ بہر حال تقویٰ اللہ بہت بڑی چیز ہے، اللہ کا ڈر اللہ کا خوف یہ بہت بڑی دولت ہے جس قلب میں اللہ تعالیٰ کا پاس ولحاظ آجائے، جس قلب میں اللہ کا خوف وخشیت

آجائے یہ بہت بڑی نعمت ہے۔

میرے دوستو! رمضان کے روزے رکھنے کی یہی غرض اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے اور تم ہی پر نہیں بلکہ تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی ہوجاؤ۔ تقویٰ کیلئے روزے رکھے جاتے ہیں، اب روزے رکھنے کے بعد بھی اگر ہمارے دل میں تقویٰ نہ آئے تو یہی سمجھا جائے گا کہ روزے کا جو مقصد تھا وہ ہمیں حاصل نہیں ہوا۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا کہ میں ابھی گورکھپور اپنے خاص عزیز کے یہاں گیا تھا، وہ بہت ہی افسوس کی بات کہہ رہے تھے کہ رمضان میں شراب بیچنے والے پریشان ہوجاتے ہیں کہتے ہیں کہ ہمیں بہت گھاٹا ہورہا ہے، کوئی شراب پیتا ہی نہیں، لیکن جب چاندرات ہوجاتی ہے تو وہ دوکاندار خوش ہوجاتے ہیں کہ چلو اب پورے مہینہ کی تلافی ہوجائے گی۔

اب غور فرمائیں روزے کا کیا فائدہ ہوا، اس کی جتنی شراب کی فروخت رمضان میں نہیں رہتی وہ صرف چاندرات کو ہوجاتی ہے، اب بتلایئے اس رات خاص طور سے کون شراب پیتا ہے، مسلمان ہی تو پیتے ہیں، چاندرات کو کوئی ہندو تھوڑا ہی آکر پیئے گا۔ مسلمان پیتے ہیں، تو کیا تم نے روزہ رکھا، کیا تم نے تراویح پڑھی جبکہ دل میں تقویٰ نہیں آیا، دل میں خوف نہیں آیا، اللہ تعالیٰ کا استحضار، اللہ

تعالیٰ کا مراقبہ نہیں آیا۔ مسلمانو! روزہ رکھ رہے ہو، بھوکے رہتے ہو، پیاسے رہتے ہو، تراویح پڑھتے ہو اور پھر بھی اتنا خوف الٰہی نہ ہو کہ شراب نوشی سے باز آجاؤ تو کیا کہا جائے گا سوائے اس کے کہ روزہ رسمی ہے حقیقی نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہم آداب کا خیال نہیں رکھتے، ہم کھانے پینے سے رک جاتے ہیں لیکن جو باطنی موانع ہیں ان سے نہیں رکتے جیسے غیبت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الغيبة تخرق الصوم" [بیہقی] غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، نمیمہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے، اسلئے کہ ان سب گناہوں کا اثر روزہ پر پڑتا ہے۔

تقویٰ کا مفہوم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار تقویٰ کے متعلق ارشاد فرمایا اور لوگوں کے ذہنوں میں ڈالدیا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا اجی بتلاؤ کہ تقوی کا کیا مفہوم ہے؟ اللہ غنی! عرب تھے، عربی داں تھے، فصیح عربی بولنے والے تھے، امیر المؤمنین تھے، لیکن تقوی کا مفہوم اپنے ایک ساتھی سے پوچھا کہ تقوی کا کیا مفہوم ہے۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ امیر المؤمنین! آپ کا کبھی جنگلوں میں خاردار جھاڑیوں سے گذر ہوا ہے؟ کہا ہاں، کہا آپ وہاں سے کیسے گذرے؟ فرمایا دامن کو سمیٹ لیا اور بچتے بچاتے سکڑ کر نکل گیا، کہا یہی تقوی کا مفہوم ہے، دنیا میں ہلاکت کی چیزیں عام ہیں بچ بچا کے نکل جانا، اپنے ایمان

کو محفوظ رکھنا، اپنے دین کو محفوظ رکھنا، یہی تقوی ہے۔ حضرت حذیفہ نے کتنے عمدہ طریقہ سے تقویٰ کا مفہوم سمجھا دیا۔

دیکھئے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ پوچھنے میں شرمائے نہیں، آج تو لوگ اپنے بڑوں سے بھی نہیں پوچھتے ساتھی سے کیا پوچھیں گے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ امیر المؤمنین ہیں اور حضرت حذیفہؓ ماموریں، کیا آج کوئی استاذ کبھی طالبعلم سے پوچھے گا؟ کبھی نہیں پوچھے گا، کتنی ہی جہالت میں رہ جائے، جہالت میں رہنا گوارہ کرے گا لیکن نہیں پوچھے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوچھ رہے ہیں، تقوی کا مفہوم کیا ہے اور حضرت حذیفہؓ نے بھی بلا تکلف بتلا دیا، یہ نہیں کہا کہ حضرت آپ امیر المؤمنین ہیں، آپ کو ہم کیا بتلائیں، وہاں تو تکلف تھا ہی نہیں، نہ پوچھنے میں تکلف نہ بتلانے میں تکلف، یہاں تو پوچھنے میں بھی تکلف، بتلانے میں بھی تکلف، کبھی نہیں بتلائے گا کہے گا حضرت ہم آپ کے سامنے کیا بولیں۔ صحابہ کرامؓ کا دین بہت ہی سادہ تھا، بلا تکلف باتیں پوچھتے تھے، باتیں بتلاتے تھے، فوراً نکیر بھی کر دیتے تھے اور بلا تکلف مان لیتے تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کا پرنالہ مسجد نبوی کی طرف لگا ہوا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ مسجد تو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور کسی

شخص کے ذاتی گھر کا پرنالہ مسجد کے اندر آرہا ہو تو یہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے چنانچہ آپ نے اس پرنالہ کو توڑنے کا حکم دے دیا اور وہ توڑ دیا گیا۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ میرے گھر کا کا پرنالہ توڑ دیا گیا ہے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے فرمایا کہ آپ نے یہ پرنالہ کیوں توڑ دیا؟ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جگہ تو مسجد کی ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے میں نے لگایا تھا آپ اس کو توڑنے والے کون ہوتے ہیں؟ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اجازت دی تھی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ کیلئے میرے ساتھ آؤ۔ چنانچہ اس پرنالہ کی جگہ کے پاس گئے اور وہاں جا کر خود رکوع کی حالت میں جھک گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اب میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ دوبارہ لگا دیجئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں دوسروں سے لگوا لوں گا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمر کی یہ مجال کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرنالے کو توڑ دے! مجھ سے یہ اتنا بڑا جرم سرزد ہوا، اس کی کم سے کم سزا یہ ہے کہ میں جھک جاؤں اور تم میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ لگاؤ۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی کمر پر کھڑے ہو کر وہ پرنالہ اس کی جگہ پر واپس لگا دیا۔ میرے دوستو! یہ تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تقویٰ اور خوف

وخشیت کا حال کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر فوراً درست کر دیا۔

خانقاہ کی ضرورت

جس طریقہ سے اذکار واشغال ہے اسی طریقہ سے باطنی اصلاح کی بھی ضرورت ہے۔ اور خانقاہ کا مفہوم یہی ہے کہ کثرت ذکر کے ساتھ تحسین اخلاق ہو۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ خانقاہ کی غرض کیا ہے، میں نے کہا کہ حضرت خانقاہ کی غرض یہ ہے کہ کثرت ذکر ہو حسن اخلاق کے ساتھ۔ اگر کثرت ذکر ہے حسن اخلاق نہیں یا صرف اخلاق ہی اخلاق پر بحث ہو اور ذکر نہ ہو تو خانقاہ ناقص رہے گی۔ ذکر کی بھی کثرت ہو اور خلق کی بھی کثرت ہو۔ خلق کی بھی صحت ہو۔ ذکر کرنے کے بعد عجب نہ آنا چاہئے، نخوت نہ آنا چاہئے، کبر نہ ہونا چاہئے، جتنا ذکر بڑھے گا اتنا ہی تواضع بڑھے، تب ہی سمجھا جائے گا کہ واقعی صحیح معنی میں خانقاہیت آ رہی ہے، اور لوگ خانقاہ کو قبول کر رہے ہیں، لہٰذا دونوں چیزوں کی ضرورت ہے۔

مسلمانو! اپنے ضرر سے لوگوں کو بچاؤ، اپنی زبان کے شر سے لوگوں کو بچاؤ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده**" [بخاری ۶/۱] مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں۔ بہت مشہور حدیث ہے لیکن کتنے لوگوں کو خیال ہے کہ زبان سے کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، ہاتھ بھی چلا دیتے ہیں، قلم بھی

چلا دیتے ہیں، تلوار بھی چلا دیتے ہیں، بندوق بھی چلا دیتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ہو رہی ہیں، جو اسلام کے بالکل خلاف ہے، دین کے بالکل خلاف ہے، ہمارا دین تو امن ہی امن ہے، سلم ہی سلم ہے، صلح ہی صلح ہے، ایمان کا مادہ ہی امن ہے، ایمان امن سے مشتق ہے، امن اس کا مصدر ہے، اسلام کا مادہ سلم ہے۔ اسلئے ایمانیات کو سمجھنا دینیات کو سمجھنا ہم سب لوگوں کیلئے لازم ہے، ہم اپنے دین سے، اپنے عمل سے، اپنے دین کی فوقیت کو ظاہر کریں۔ اس کے حسن اور خوبی کو ظاہر کریں کہ ہمارا دین یہ ہے جو سراپا اخلاق اور سراپا نرمی ہے، اور سراپا صلح اور سراپا امن ہے۔ ان چیزوں کا بتلانا بہت ضروری بلکہ عمل کرنا کرانا ضروری ہے ورنہ ہمارا دین بدنام ہو جائیگا اور اسلام سے دوری ہو جائیگی، جیسا کہ دشمنان اسلام چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کے اسباب

تو میں نے جو آیت پڑھی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴾ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو تقوی اختیار کرتے ہیں۔ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، بولنے میں بھی ڈرتے ہیں کہ کوئی لغو بات ہماری زبان سے نہ نکل جائے، کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جس سے کسی کو تکلیف پہنچے، اذیت پہنچے۔ ڈرنے کا مطلب یہی ہے، عمل میں بھی قدم پھونک پھونک کر اور قول میں بھی پھونک پھونک کر کے رکھتے ہیں۔

تو ڈرنے کا مطلب صرف دل سے نہیں بلکہ اس کے علامات اور اس کے ثمرات اور اس کے نتائج سے بھی ظاہر ہونے چاہیئے کہ ہاتھ سے کوئی آدمی کسی کو ضرر نہ پہنچائے ''لاضرر ولاضرار فی الاسلام'' [ابن ماجہ/۱۹۶] اسلام میں ضرر اور ضرار ہے ہی نہیں۔ یعنی نقصان والی چیز ہے ہی نہیں، اذیت والی چیز ہے ہی نہیں، تو ہمیں بھی ثابت کرنا چاہیئے کہ واقعی ہمارے ہاتھ سے کسی کو ضرر نہیں پہنچا ہے، کسی کو اذیت نہیں پہنچی ہے، کسی کو تکلیف نہیں پہنچی ہے، غیبت تو ذمی تک کی بھی منع ہے، یعنی آپ کے دارالاسلام میں جو غیر مسلم رہتے ہیں ان کی غیبت بھی نہیں کر سکتے ہیں، کتنی بڑی بات ہے اور کیسی تعلیم ہے جو عدل وانصاف پر مبنی ہے۔

میں سمجھتا ہوں تقویٰ کے بعد اس کا نتیجہ نیکوکاری ہے۔ ''محسنون'' کا مطلب یہی ہے کہ آدمی نیکوکار ہو جائے، یعنی نیک کام کرنے لگے، بھلائی کے کام کرنے لگے، لوگوں کے ساتھ مروّت کا معاملہ کرنے لگے، لطف وکرم کا معاملہ کرنے لگے، یہ سب اس کے اندر داخل ہیں۔ ہاں محسنون کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ مخلوق کے ساتھ بھی حسن والا معاملہ کرے اور خالق کے ساتھ بھی حسن والا معاملہ کرے۔ میں نے سنایا تھا کہ حسن اور احسان کے معنی تحری الحسن فی الاعمال یعنی اعمال میں حسن کو طلب کرنا یہ ہے احسان، جو بھی عمل ہم کریں اس کے اندر خوبی پیدا ہو، حسن پیدا ہو، تو یہ ہے احسان، نماز میں حسن طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ''ان تعبد اللہ کانک تراہ'' اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ یہ حسن ہے عبادت کا۔ لوگوں کے معاملہ میں حسن طلب کرنے کا

مطلب یہ ہے کہ کسی کو اذیت نہ ہو، کلام میں حسن کا مطلب یہی ہے کہ ایسی بات نہ کرو جس سے کسی کو تکلیف پہنچ جائے۔ مذاق میں بھی کوئی ایسی بات نہ کہو جس سے کسی کو اذیت ہو تکلیف ہو۔ اسلئے کسی کو کوئی بات کہنا رہتا ہے تو مذاق کے طور پر کہہ دیتا ہے تو دوسرا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس نے یہ بات ہم کو طعن کے طور پر ہی کہی ہے جو ناراضی کا سبب ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر مذاق میں بھی ایسی بات نہ کہو، ہنسی میں بھی ایسی بات نہ کہو جس کی وجہ سے اذیت ہو۔

میرے دوستو بزرگو! اگر ہم ان چیزوں کا خیال رکھیں گے تو انشاء اللہ العزیز اللہ کی طرف سے نصرت ہوگی، اللہ کی معیت ہم کو نصیب ہوگی۔ اللہ کی معیت کب ہوگی؟ جب ہم تقویٰ اللہ سے متصف ہوں گے، حسن فی الاخلاق، حسن فی الاعمال کو اختیار کریں گے۔ حسن نیت سے متصف ہوں گے۔ ان چیزوں سے جب ہم مرصع ہوں گے تو اللہ کی معیت حاصل ہوگی۔ اور ظاہر بات ہے کہ جس فرد کے ساتھ اللہ کا ساتھ ہو، جس فرد کے ساتھ اللہ کی معیت ہو اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا ہے۔ اس بنا پر اللہ کی معیت کیلئے لازم ہے کہ ہم اللہ سے ڈریں اور اللہ کے احکام پر، اللہ کے شرائع پر عمل کریں تو ہم کو دل میں تسلی ہوگی، تشفی ہوگی، سکون قلبی نصیب ہوگا۔

سورۂ نحل کی یہ آخری آیت کفار کی وجہ سے نازل ہوئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اذیت رسانی سے کبھی مضمحل ہو جاتے تھے، دلگیر ہو جاتے تھے، رنجیدہ ہو جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کو اس سے رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے،

آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے، چونکہ آپ متقی اور محسن ہیں، اس بنا پر اللہ کی معیت آپ کے ساتھ ہی ہے، یہ کافر کیا کریں گے، کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ کتنی بڑی بشارت ہے ہم تمام مسلمانوں کیلئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ کی معیت تھی اور انشاء اللہ العزیز اس طریقے پر ہم چلیں گے تو ہمارے لئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی معیت ضرور رہے گی، مگر وہی اختیار کرنا ہوگا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا تھا، تب ہی کامیابی ملے گی، جیسا کہ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ہے۔

کامیابی تو کام سے ہوگی　　نہ کہ حسن کلام سے ہوگی
ذکر کے التزام سے ہوگی　　فکر کے اہتمام سے ہوگی

دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو اس کی توفیق دے۔ آمین

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

درود شریف پڑھیے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب ۔

یا اللہ! جملہ فتن وفسادات سے ہماری حفاظت فرما، بداخلاقیوں سے ہماری

حفاظت فرما، بد اعمالیوں سے ہماری حفاظت فرما، یا اللہ! ہمارے غضب اور شہوت کو ہمیں قابو میں رکھنے کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! ہمارے اخلاق کو درست فرما، حسن اخلاق سے ہمیں مرصع فرما، حسن اقوال سے ہمیں آراستہ فرما، حسن اعمال سے ہمیں مشرف فرما۔ یا اللہ! اپنا تقویٰ ہمارے دلوں میں عطا فرما، یا اللہ! اعمال کو درست کرنے کی توفیق مرحمت فرما، اعمال میں حسن پیدا کرنے کی توفیق مرحمت فرما تاکہ معیت کی جو بشارت ہے وہ ہمیں حاصل ہو۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾

جہنم سے چھٹکارا کیسے؟

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم

۲۳ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء مسجد دار العلوم کنتھاریہ، بھروچ گجرات

فہرست مضامین

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِيْكَ لَهٗ ، وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَ عَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ،

أَمَّابَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿يٰـأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾ وقال النبی صلی الله علیه وسلم ”وهو شهر اوله رحمة و اوسطه مغفرة وآخره عتق من النار“ [رواه البیهقی، مشکوۃ ۱۷۴/۱]

دوستو بزرگو عزیزو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے اخیر عشرہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ عشرہ جہنم سے نجات دلانے والا عشرہ ہے۔ اول عشرہ اس کا رحمت، درمیانی عشرہ اس کا مغفرت اور اخیر عشرہ جہنم سے نجات دلانے والا ہے۔

حارث ابن مسلم تمیمی بیان کرتے ہیں کہ میرے ابا جان کو نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہ دعا سکھلائی اور فرمایا" اذا انصرفت من صلوة المغرب فقل قبل ان تکلم احدا اللهم اجرنی من النار سبع مرات فانك اذا قلت ذالك ثم متّ فی لیلتك کتب لك جواز منها واذا صلیت الصبح فقل کذالك فانك اذا متّ فی یومك کتب لك جواز منها" [رواہ ابوداؤد، مشکوۃ ۲۱۰] فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم مغرب کی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کسی سے بات کئے بغیر سات مرتبہ پڑھو "اللهم اجرنا من النار" اگر تم اس کو پڑھو گے اور اسی رات موت آجائیگی تو جہنم سے چھٹکارا لکھ دیا جائیگا اور اگر اسی طرح صبح نماز فجر کے بعد پڑھو گے اور اسی دن موت آجائیگی تو جہنم سے چھٹکارا لکھ دیا جائیگا۔ غور کرو اگر اللہ تعالیٰ سات مرتبہ پڑھنے کے بعد جہنم سے نجات دے دیں تو مقصود حاصل ہو جائے۔ اسلئے کہ ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ جو جہنم سے نجات دے دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ یہ قرآن کریم کہہ رہا ہے، جنت کا ذکر قرآن وحدیث میں کس قدر آیا ہے لیکن آج اس کا ذکر ہماری زبانوں پر نہیں ہے ہماری مجلسوں میں نہیں ہے، ہمارے وعظوں میں نہیں ہے، ہمارے بیانوں میں نہیں ہے، اسلئے کہ اس کا استحضار نہیں ہے۔

میں نے خود حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے سنا کہ حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادیؒ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کہا کہ حضرت قرآن پاک میں جنت اور دوزخ کا تو بہت ذکر ہے لیکن علماء

اس کو بیان نہیں کرتے۔ یہ پچاس سال پہلے کی بات ہے، مگر اب تو جتنی فصیح و بلیغ لچھے دار مقفع مسجع تقریر ہو تو عموماً لوگ اسے ہی پسند کرتے ہیں، ورنہ تو وعظ کی مجلسوں میں شریک بھی نہیں ہوتے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

دو قسم کے علماء ہیں ایک علماء آخرت دوسرے علماء دنیاء۔ جس کے سامنے آخرت ہے تو وہ آخرت ہی پر بیان کرتا ہے۔ آپ دیکھئے الیکشن میں جو لوگ انتخاب کیلئے لڑتے ہیں ان کے سامنے بس الیکشن جیتنا ہے اسلئے سوائے اس کے کوئی بات ہی نہیں کرتے۔ بس ایک ہی تقریر بار بار کرتے ہیں لوگوں کو متاثر کرنے کیلئے، نہ وہ بولنے سے گھبراتے ہیں اور نہ لوگ سننے سے گھبراتے ہیں۔ سینکڑوں جگہ ہیلی کاپٹر سے جاتے ہیں اور رٹی رٹائی تقریر سنا دیتے ہیں، ان لوگوں کے پاس علم کہاں ہے، رٹی رٹائی کچھ باتیں بیان کر دیتے ہیں۔

حضرت مولانا سید علی میاں صاحبؒ سے میں نے خود سنا ہے مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے کہہ رہے تھے کہ حضرت! ہم لوگوں کو بیان کیلئے زیادہ زحمت نہیں ہوتی، قرآن اور حدیث میں بیانات تو بھرے پڑے ہیں، جتنا ہم چاہیں بیان کر دیں کوئی کمی اور تنگی نہیں ہے۔ حضرت مصلح الامتؒ نے ان کی یہ بات بہت پسند فرمائی۔

میں تو طلبہ سے کہتا ہوں کہ تین چار حدیث وعظ میں پڑھ دیا کرو، پندرہ منٹ تو بیان ہو ہی جائیگا، اب سب لوگ مولانا ابو الوفاء صاحب شاہ جہانپوریؒ یا حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ تو نہیں ہو سکتے۔ دین کا کام کرنا ہے تو تین

گھنٹہ کی تقریر مقصود نہیں ہے، مسلمانوں کو دین پہنچانا ہے تو اس طرح زیادہ تم دین پہنچا سکتے ہو۔

دوران سفر نماز کیلئے کسی مسجد میں جانا ہوتا ہے تو اکثر لوگ مجھ سے کہتے ہیں مولانا کچھ نصیحت کر دیجئے، تو ایک دو حدیث پڑھ کر پانچ دس منٹ تقریر کرتا ہوں، لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر حدیث کی تشریح نہیں فرمائی بلکہ صرف حدیث پڑھ دی، اس سے ہی صحابۂ کرامؓ پر اثر ہو گیا۔ اتنا تو آپ بھی جانتے ہیں کیوں اثر نہیں لیتے۔ کیوں عادی بن گئے ہو تین گھنٹہ کی تقریر کے۔ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگانِ دین کرسی پر بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے ﴿يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اے لوگو! اللہ سے ڈرو۔ لوگ ڈر گئے، کرسی سے اتر آئے، اور فرمایا کہ وعظ کا مقصد حاصل ہو گیا۔

وعظ کی حقیقت

میرے دوستو! قرآن کریم میں ایک آیت سے کم میں بھی پورا پورا مضمون موجود ہے، پھر کیوں نہیں اس کو بیان کرتے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے، اصلی وعظ یہی ہے، اصلی بیان یہی ہے۔

ایک بزرگ مولانا سید امین نصیر آبادیؒ تھے۔ ہمارے بڑوں کا تعلق حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے پہلے ان ہی سے تھا، حضرت مولانا علی میاں

صاحبؒ کے خاندان کے تھے، ظہر بعد وعظ کیلئے جیسے نماز میں بیٹھا جاتا ہے بیٹھتے تھے اور عصر کے وقت تک ایک ہی نشست پر قیامت پر بیان کرتے تھے ﴿اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ وَاِذَا الۡكَوَاكِبُ انۡتَثَرَتۡ وَاِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ وَاِذَا الۡقُبُوۡرُ بُعۡثِرَتۡ﴾ [جب آسمان پھٹ جائے اور جب ستارے جھڑ پڑیں اور جب سب دریا بہا دیئے جائیں اور جب قبریں زیروزبر کردی جائیں] آپ کہیں یہ آیت سنتے ہیں؟ اس پر بیان سنتے ہیں؟ کہیں نہیں، جب یہ علماء کرام بیان کرتے تھے تو لوگوں کے دل رقت سے بھر جاتے تھے، خوف سے ڈر جاتے تھے، میرے دوستو! یہ وعظ ہے وعظ، وعظ اسے کہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کہتے تھے کہ میاں وعظ تو مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کہتے تھے، جس بزم میں گئے اسے میخانہ کردیا بلکہ تو میں میخانہ بدل کر کہتا ہوں کہ جس بزم میں گئے اسے خانقاہ بنادیا۔

دنیا دار الابتلاء ہے

میرے دوستو! قرآن وحدیث سے ہی مسلمانوں کو متاثر کیا جاسکتا ہے اور جنت اور دوزخ کے بیان ہی سے مسلمانوں کو راستہ پر لایا جاسکتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جب تم بعد نماز مغرب کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات مرتبہ **اللھم اجرنا من النار** پڑھو گے اور اگر تم اسی رات مرجاؤ گے تو تمہارے لئے جہنم سے چھٹکارا لکھ دیا

جائیگا۔ [رواہ ابوداؤد، مشکوۃ ر ۲۱۰] میرے دوستو! سات مرتبہ پڑھنا کیا مشکل ہے، خود دعا فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللھم انی اسئلك الجنة ، وماقرب الیھا من قولٍ وعمل واعوذبك من النار وما قرب الیھا من قول وعمل ۔ [فیض القدیر ۲/ ۱۲۸] اے اللہ میں جنت کا سوال کرتا ہوں اور ہر اس عمل کا سوال کرتا ہوں جو جنت کے قریب کردے، اور دوزخ سے میں پناہ مانگتا ہوں اور ہر اس عمل سے پناہ مانگتا ہوں جو دوزخ کے قریب کردے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود دعا فرمار ہے ہیں، لوگوں کو حکم دے رہے ہیں کہ بھائی غفلت میں نہ رہو، دنیا تو دار الغفلت ہے، یہ دار الابتلاء ہے، دارِ آزمائش ہے، بہت سے لوگ یہاں کی آزمائش، آرائش اور زیبائش میں پھنس کر اصلی چیز کو کھودیتے ہیں، اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کے سامنے آرائش، زیبائش وآسائش سب موجود ہے لیکن ایک لمحہ کیلئے ان کا دل اس سے نہیں لگتا، اللہ تعالیٰ بہت سے بندوں کو ایسے ہی بناتے ہیں، بادشاہت ان کو ملی ہوتی ہے لیکن بادشاہت سے ان کا کوئی تعلق نہیں، شاہی لباس میں درویشِ کامل ہوتے ہیں، لباس کے اعتبار سے شاہ اور قلب کے اعتبار سے درویش ہیں، ایسے بہت سے بادشاہ گذرے ہیں، اورنگ زیب بھی ان ہی میں سے ہیں، عبدالحلیم گجراتی جو یہاں (گجرات) کے بہت بڑے بادشاہ گذرے ہیں، وہ بھی شاہی لباس میں درویشِ کامل تھے اور یہاں ہم لوگ درویشی لباس میں غافل۔ العیاذ باللہ تعالیٰ ۔

در کسوتِ خاصاں آمدہ عامے چند

نا رفتہ رہ صدق وصفا گامے چند

بدنام کنندۂ نِکو نامے چند

یعنی خاص لوگوں کے لباس میں چند عام لوگ آگئے ہیں، صدق وصفا کے چند قدم بھی نہیں چلے ہیں، جو چند نیک نام والوں کو بدنام کرنے والے ہیں۔

افسوس کہ عام لوگ ہیں لیکن خاص لوگوں کے لباس میں ہیں، صدق وصفا کے چند قدم بھی نہیں چلے ہیں، تو کیا نتیجہ ہوگا؟ بدنامی ہی تو ہوگی، آج کیوں تصوف بدنام ہورہا ہے، کیوں خانقاہیں بدنام ہورہی ہیں؟ اس لئے کہ خانقاہوں میں آنے کے باوجود اصلاح نہیں کرتے، اخلاق کی اصلاح نہیں کرتے، اپنے معاملات کی اصلاح نہیں کرتے، اس سے صرف خانقاہ ہی نہیں بدنام ہوتی بلکہ مشائخ بھی بدنام ہوتے ہیں، آج کہا جاتا ہے کہ خانقاہوں سے کام نہیں ہو رہا ہے تو صحیح ہے، بات یہی ہے اس لئے کہ جو کام اصلاح نفس اور تزکیۂ نفس کا تھا اس سے ہم کورے ہیں ذکر وشغل تو کچھ کر بھی لیتے ہیں مگر اصلاح اخلاق کی طرف توجہ نہیں کرتے اور بعض جگہ تو وہ بھی نہیں بس نام ہی نام ہے۔

ہمارے یہاں الٰہ آباد میں متعدد خانقاہیں اور دائرے مشہور ہیں مگر سوائے رسم ورواج کے کچھ بھی نہیں ہے نماز تک کی پابندی نہیں ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "واللہ لوتعلمون ماأعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا وما تلذذتم بالنساء علی الفرش"

[رواہ الترمذی مشکوٰۃ ۴۵۶] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ اگر تم لوگ جان لو وہ جو میں جانتا ہوں تو بہت کم ہنسو گے اور بہت زیادہ روؤ گے اور بستروں پر عورتوں سے ملنا جلنا چھوڑ دو گے۔

یہ کون کہہ رہا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ یوں فرما رہے ہیں ﴿ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلاً اِنَّكُمْ مُجْرِمُوْنَ ﴾ تم کھاؤ پیو کم تم مجرم ہو، مجرم آدمی کہاں کھاتا ہے، مجرم آدمی تو بقدرِ ضرورت ہی کھاتا ہے، اس قسم کی قرآن میں بہت سی آیات ہیں کس قدر ڈرانے والی آیات ہیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو ﴿ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴾ فرمایا ہے یعنی بدترین بچھونا ہے اور جنت بہترین جگہ فرمایا ہے۔

قیامت پر بیان سے فوائد

اسی لئے ہمارے پہلے کے علماء و بزرگانِ دین قیامت پر بیان کرتے تھے، ایسا بیان کرتے تھے کہ قیامت کو سامنے کر دیتے تھے۔ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے دوزخ کا ذکر کرتے تھے، عذاب آخرت کا ذکر کرتے تھے تو کتنے جنازے ان کے وعظ سے نکلتے تھے، ان کے وعظ سے کتنی روح خوف خدا سے پرواز کر جاتی تھیں، کسی نے کہا حضرت آپ عذاب اور جہنم کے متعلق بیان کرتے ہیں تو لوگوں پر اتنا اثر ہوتا ہے کہ لوگوں کی روحیں پرواز کر جاتی ہیں تو کیوں نہ کبھی جنت اور رحمت الٰہیہ کے متعلق وعظ فرماتے لہٰذا

شیخ نے جنت پر اور اللہ کی رحمت پر بیان کیا، شوق سے کتنے لوگوں کی روحیں پرواز کر گئیں۔ وہاں خوف اور یہاں شوق! یہ وعظ تھا میرے دوستو بزرگو! اللہ تعالیٰ توفیق دے اثر لینے کی، چاہے جان نہ جائے لیکن کچھ تو اثر ہونا چاہئے۔ کہنے والوں میں قوت تأثیر ہونی چاہئے اور سننے والوں میں قوت تأثر ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں میں یہ صلاحیت عطا فرمائے۔ آمین

جب حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ وعظ کیلئے کرسی پر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ سے کہا اے اللہ اب تک تو میں خلوت میں تھا آپ مجھے مجمع میں لائے اور وعظ کی کرسی پر بٹھلایا تو اب میرے کلام میں اثر دیجئے ورنہ پھر مجھ کو خلوت میں بھیج دیجئے۔

میرے دوستو! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو امر ہو رہا ہے ﴿قُوْلُوْا قَوْلاً بَلِيْغاً﴾ قولِ بلیغ کہئے، کیا مطلب؟ یعنی مؤثر قول کہئے ایسا کہ لوگوں پر اثر ہو۔ معلوم ہوا کہ خشک قول نہ کہئے، پہلے خود آپ متأثر ہوں تو دوسرے آپ کے قول سے متأثر ہوں گے۔ میرے دوستو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللھم اجرنا من النار سات مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ اور ایک دوسری روایت حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ”سمعت ابی یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من عبد یقول فی صباح کل یوم ومساء کل لیلۃ بسم اللہ الذی لایضر مع اسمہٖ شئی فی الارض ولا فی السماء ھو السمیع العلیم ثلاث مرات فیضرہ شئی فکان ابان قداصابہ طرف فالج فجعل الرجل ینظر الیہ فقال

له ابان ما تنظر اليّ اما ان الحديث كما حدثتك ولكني لم اقله يومئذ ليقضي الله عليّ قدره " [رواہ الترمذی مشکوۃ ۲۰۹] میں نے اپنے ابا کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی بندہ نہیں ہے جو ہر دن صبح شام اور ہر رات میں تین بار یہ کہہ لیا کرے بسم الله الذی لایضر مع اسمہٖ شئی فی الارض ولا فی السماء ھو السمیع العلیم پھر اسے کوئی چیز نقصان دے۔ جب حضرت ابانؓ پر فالج کا اثر ہوا تو ایک شخص انھیں غور سے دیکھنے لگا تو انھوں نے فرمایا کہ تو مجھے کیوں دیکھ رہا ہے، حدیث ویسے ہی ہے جیسے میں نے تجھے سنائی لیکن میں آج یہ دعا نہ کر سکا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی قضا وقدر نافذ کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا اپنی امت کو یوں ہی چھوڑ کر گئے ہیں، ان کو ہتھیار دے کر گئے ہیں، وضو دے گئے ہیں نماز دے گئے ہیں، دعا دے گئے ہیں علماء کرام اور محدثین عظام نے فرمایا "الوضوء سلاح المومن" وضو مومن کا ہتھیار ہے "الدعاء سلاح المومن" [فیض القدیر ۳/ ۵۴۰] دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ اللہ ہم کو اعتقاد دے کہ اس علاج پر عمل کریں اور اس نسخہ پر عمل کر کے فائز المرام ہوں۔

بہر حال جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے اور جنت بہترین جگہ ہے ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ [آل عمران/ ۱۹۵] جو جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان

شریف کے اس اخیر عشرہ کے متعلق فرمایا " آخرہ عتق من النار" جہنم سے نجات کا یہ عشرہ ہے۔ظاہر ہے کہ رحمت ہوگی تو مغفرت ہوگی اور جب مغفرت ہو جائے گی تو جہنم سے نجات مل ہی جائے گی۔

شب قدر کی اہمیت

اس بنا پر اس مہینہ میں خاص طور سے اس کا اہتمام ہونا چاہئے،شب قدر میں کم سے کم جو دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو بتلائی ہے اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔یہ نہیں کہ ایک دن پڑھ لیا بس اس کے بعد بھول گئے۔اسی شب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا بتلائی ہے **اللهم انك عفو تحب العفو فا عف عني** [رواہ احمد مشکوۃ:۱۸۲] اسلئے یہ دعا بھی خوب دل سے کرنی چاہئے۔ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا موقع نہ ہو تو لیٹے لیٹے ہی دعا کر سکتے ہو چلتے پھرتے بھی پڑھ سکتے ہو،اللہ کی ذات ہر وقت دیکھنے والی ہے، سننے والی ہے۔ہوسکتا ہے کہ چلتے پھرتے بلکہ دوڑتے جو دعا کی جائے وہ زیادہ قابل قبول ہو جائے۔سعی میں کیا ہوتا ہے،صفا اور مروہ کے درمیان میں دوڑتے ہی تو ہیں اور آدمی جو دعا کرتا ہے وہ از روئے حدیث قبول ہوتی ہے۔تو معلوم ہوا کہ دوڑتے ہوئے بھی دعا قبول ہوتی ہے۔آخر طواف میں بھی تو دعا قبول ہوتی ہے اس بنا پر دعا کیلئے ضروری نہیں کہ ہاتھ اٹھا کر ہی دعا کی جائے،دل میں دعا کرو،زبان نہ چلے تب بھی دعا ہوسکتی ہے۔اسلئے کہ اللہ سب جانتا ہے،اس کے

نزدیک زبان اور قلب میں کوئی فرق نہیں ہے، اس کے نزدیک دن اور رات میں بھی کوئی فرق نہیں، ہاتھ اٹھانے نہ اٹھانے میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، بولنے نہ بولنے میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، سب اللہ کے نزدیک برابر ہے نہ ان کے یہاں ماضی ہے نہ مضارع، نہ حال ہے نہ استقبال ہے، نہ دن ہے نہ رات ہے وہ صبح کو جیسے سنتا ہے ویسے ہی دوپہر میں بھی سنتا ہے ویسے رات میں بھی سنتا ہے، وہ جیسے گجراتی میں سنتا ہے اور سمجھتا ہے ویسے ہی انگریزی و فرانسیسی میں بھی سنتا اور سمجھتا ہے۔ چڑیوں کی بولی بھی سنتا اور سمجھتا ہے۔ میرے دوستو بزرگو! دل سے یہ دعا کرو اور بار بار کرو **اللهم انك عفو تحب العفو فاعف عني** معاف کردیجئے، جب اللہ معاف کرے گا تو جنت میں بھیجے گا، جہنم سے نجات دے دے گا اور کامیابی وفوز نصیب ہوگی۔

میرے دوستو بزرگو! یہ اخیر عشرہ ہے تیئسویں مبارک شب ہے جس میں شب قدر کا احتمال ہے۔ یوں تو پورا ہی عشرہ بلکہ پورا مہینہ ہی متبرک ہے، لیکن شب شب میں خصوصیت و برکت کے اعتبار سے فرق ہے۔ جیسے صحابہ کرام کے بارے میں ہے "**کلھم عدول**" سب کے سب عادل ہیں، لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ کا درجہ بڑھا ہوا ہے، سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ ہیں سب کو اللہ نے مرتبہ دیا ہے، سب کو اللہ نے عظمت دیا ہے کوئی ان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، نہ قطب پہنچ سکتا، نہ کوئی ولی پہنچ سکتا ہے نہ کوئی غوث، یہ سب عقائد کی بات ہے سن لو، ساری امت میں صحابۂ کرامؓ کی عظمت کا اعتقاد رکھو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

شرح عقائد میں لکھا ہے کہ حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت معاویہؓ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، کہا معاویہؓ کے گھوڑے کے کھر کی خاک کے برابر بھی ہم نہیں پہنچ سکتے۔ اسلئے کہ صحابیت کا درجہ ان کو ملا ہوا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ نعمت کوئی کہاں سے لائیگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، ذکر اور شغل سب کچھ کرے لیکن جو شرف صحابہ کو حاصل ہے کہ ایمان کے ساتھ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، اسلئے کوئی اس میں ان کا مساوی نہیں ہو سکتا، نہ کوئی قطب اور نہ غوث۔

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ صحابہ سب عادل ہیں لیکن ان میں بھی فرق ہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کا سب سے بڑا درجہ، پھر حضرت عمر فاروقؓ کا درجہ اسکے بعد حضرت عثمان غنیؓ کا پھر حضرت علیؓ کا مقام و درجہ ہے۔ اسی طرح پورا رمضان فضیلت اور شرف والا ہے، لیکن اخیر عشرہ کی زیادہ فضیلت ہے اسلئے کہ اس میں لیلۃ القدر ہے۔ ہم کو تو پوری کوشش شروع ہی سے کرنی چاہئے، تاکہ ہمارا کوئی لمحہ کوئی وقت غفلت سے نہ گذر جائے۔

عشرۂ اخیرہ میں پڑھنے کی دعائیں

میرے دوستو! یہ عشرہ جہنم سے نجات کا ہے اسلئے اس سے حفاظت کیلئے دعا

کرنی چاہئے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں فرمائی ہیں اللهم اجرنا من النار، اے اللہ! ہم کو جہنم سے نجات دیجئے۔ اللهم انی اعوذبك من النار وما قرب الیها من قول وعمل، اے اللہ! ہم پناہ مانگتے ہیں جہنم سے اور ہر اس چیز سے جو جہنم کے قریب کرنے والی ہے۔ پس جب ہم جہنم سے پناہ مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور پناہ دیں گے۔ پس جہنم سے نجات کی دعا ضرور کرنی چاہئے۔

چونکہ اخیر عشرہ میں خصوصیت ہے اس بنا پر ذہن میں یہ حدیث آئی اور یہ آیت کریمہ بھی آئی ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا﴾ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو جہنم سے بچاؤ۔ اس کا اللہ حکم فرما رہے ہیں۔ وہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں یہاں خود اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو جہنم سے بچاؤ، یہ نہیں کہ خود تو بچ گئے اور اپنی اولاد کو جہنم میں ڈھکیل دیا، بلکہ جیسے تم اپنے لئے جہنم سے نجات کو لازم سمجھتے ہو اپنی اولاد کیلئے بھی ضروری سمجھو، یہ اولاد سے محبت نہیں ہے کہ آپ ان کو اپنے لباس کے خلاف لباس پہنا رہے ہیں، اپنے علم کے خلاف ان کو سکھا پڑھا رہے ہیں، اپنے طریقہ کے خلاف دوسرے طریقہ پر لے چل رہے ہیں۔ سن لو! یہ اپنے لڑکوں کیساتھ مہربانی نہیں ہے، یہ شفقت نہیں ہے یہ تو ان کے ساتھ ظلم کرنا ہے، یہ ان کے ساتھ آپ دشمنی کررہے ہیں، اتنا روپیہ پیسہ خرچ کررہے ہیں لیکن دشمنی کررہے ہیں بلکہ ان کو دین پر ثابت رکھنے کی کوشش کیجئے

نہ کہ ان کو دین سے علیحدہ کرنے میں تعاون کریں۔

اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وزیروں سے وضو کی سنتیں دریافت کیں کہ کتنی ہیں اور کونسی ہیں، کوئی نہیں بتا سکا، کہا کہ کیوں نہیں مولویوں سے یہ سب چیزیں سیکھ لیتے۔لکھا ہے کہ اس میں دو مصلحت تھی ایک تو یہ کہ مولوی لوگوں کی کچھ آمدنی بڑھ جائے اور دوسرے یہ کہ یہ لوگ بھی دین کی باتیں سیکھ لیں۔ بہر حال اورنگ زیبؒ اتنے بڑے شخص لیکن وہ ضروری سمجھتے تھے کہ دین کی باتیں عام ہوں، لوگوں میں علم دین عام ہو، عمل صالح عام ہو، میرے دوستو! ان حضرات نے نماز روزہ کی پابندی کی ان لوگوں نے خود مسائل واحکام دین سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھلایا۔خود اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی بہنیں، لڑکیاں بہت سی حافظۂ قرآن تھیں کئی زبردست عالمہ تھیں، عارفہ تھیں۔

دنیا میں سب ہی کی زندگی کٹ رہی ہے، سب ہی لوگ کھا پی رہے ہیں لیکن ایک زندگی وہ ہے جو اللہ ورسول کے منشا کے مطابق ہے، اور ایک وہ زندگی ہے جو اس کے خلاف ہے۔جن لوگوں کی زندگی موافق ہے تو آنکھ بند ہوتے ہی اللہ کی رضا سے مشرف ہوں گے۔اللہ تعالیٰ تم کو اطمینان دے گا ﴿تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ملائکہ ملاقات کریں گے اور تم کو بشارت سنائیں گے کہ مبارک باد ہے کہ دنیا سے بچ بچا کر ایمان کے ساتھ جا رہے ہو، اس بنا پر ہر وہ چیز جو جنت کے قریب کرنے والی ہے اسے اختیار کرو اور ہر وہ چیز جو دوزخ کے قریب کرنے والی ہے اس سے بچو اس کو نہ اختیار کرو، یہ سب اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے کو بھی جہنم سے بچاؤ اور اپنے بال بچوں کو بھی بچاؤ۔ تمہاری ذمہ داری ہے، یہ نہیں کہ خود بچنے کا تو اہتمام کرو، اعتکاف بھی کر رہے ہو، تلاوت بھی کر رہے ہو، ذکر بھی کر رہے ہو مگر اپنے بال بچوں کی کوئی فکر نہیں ہے کہاں وہ جا رہے ہیں؟ ان کی رات کہاں گذر رہی ہے، ان کا دن کہاں گذر رہا ہے۔

صحبت کا اثر

عام طور سے لوگ آ کر زبانی اور خط لکھ کر ایسے واقعات کا ذکر کرتے رہتے ہیں جن کو معلوم کر کے رنج ہوتا ہے کہ ہمارے بچے کس طرح برباد ہو رہے ہیں۔ ناجنسوں کی صحبت سے ان کا ایمان تک برباد ہو جاتا ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

بددین آدمی کی صحبت تم کو بددین بنا دے گی، اور دیندار آدمی کی صحبت تم کو دیندار بنا دے گی، آج لڑکوں کو آزاد چھوڑا جاتا ہے کہاں جا رہے ہیں، سنیما جا رہے ہیں یا ٹی وی دیکھنے جا رہے ہیں، کس سے ان کے تعلقات ہو رہے ہیں ہمیں یہ خبر نہیں پھر جب خراب ہو جاتے ہیں تو روتے ہوئے آتے ہیں۔ میرے دوستو بزرگو! پہلے ہی سے احتیاط کرنے کی ضرورت ہے، تربیت کا خیال ہونا چاہئے، بچپن ہی سے جب تربیت کا خیال ہوگا تب کچھ تربیت ہو جائیگی انشاء اللہ

العزیز، بہت سی برائیوں سے وہ بچ جائیں گے، ان کے ذہنوں میں برائیوں کی برائیاں ڈالئے، اچھائیوں کی اچھائیاں ڈالئے۔

عبرتناک واقعہ

میں بیان کر چکا ہوں کہ ماں باپ بھی بہت سے لڑکوں کو بگاڑ دیتے ہیں ایک شامی عالم نے لکھا ہے ہماری کتاب تربیتِ اولاد جس کا الحمد للہ انگریزی میں ترجمہ ہو گیا، گجراتی میں بھی ہو چکا ہے، اور اب اللہ کا شکر ہے کہ بنگالی میں بھی ہو چکا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک لڑکے کا چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کا حکم ہو گیا، لڑکے نے کہا کہ میری ماں کا ہاتھ کاٹو، لوگوں نے کہا کہ عجیب لڑکا ہے، سب لڑکے تو ماں کیلئے روتے ہیں کہ ہماری ماں روئیگی، رنجیدہ ہوگی اور یہ لڑکا کہہ رہا ہے ہمارا ہاتھ کاٹنے کے بجائے ہماری ماں کا ہاتھ کاٹو، لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے، کہا جب میں پڑوسن کے یہاں سے انڈے چوری کر کے ماں کے پاس لے جاتا تھا تو میری ماں بلبل کی طرح چہچہاتی تھی اور مجھے شاباشی دیتی تھی اگر وہ اسی وقت مجھے روک دیتی تو آج یہ نتیجہ مجھ کو دیکھنا نہیں پڑتا۔

دوستو! اولاد کی تربیت بہت بڑی چیز ہے، بہت اہمیت کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت بتلائی ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مُروا اولادکم بالصلوۃ وھم أبناء سبع سنین“ [رواہ ابوداؤد، مشکوۃ ۵۹] جب اولاد سات سال کی ہو جائے تو اپنی اولاد کو نماز کا

حکم کرو۔ دس سال کے ہوجائیں تو ان کے بستروں کو الگ کردو۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی سے تعلیم دے رہے ہیں۔

غیروں نے ہماری کتابوں سے اخذ کرکے تربیت کے اصول بنائے ہیں، تمام عربی کتابوں سے ان لوگوں نے ضبط کرکے اس کا ترجمہ انگریزی میں کرایا ، یہی نہیں بلکہ جتنی بھی قیمتی انگریزی دوائیں ہیں عموماً ہماری ہی طب کی کتابوں کو دیکھ کر دوسری شکل دے کر دوائیں تیار کی ہیں اور اپنی طرف منسوب کردیا ہے۔ حقیقت بتلاتے نہیں ہے بلکہ اپنی تحقیق بتلاتے ہیں۔ اسی سے سائنس نے ترقی کی۔ ''امت مسلمہ'' نام کی کتاب میں ایجادات وغیرہ کے متعلق بہت سی تحقیقات لکھی ہوئی ہیں جو قابل مطالعہ ہے۔

بہرحال تربیت کا نظام جو قرآن وحدیث نے دیا ہے وہ پہلے نہیں تھا اسی بنا پر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ یوں فرماتے ہیں انگریزوں نے ترقی اسلئے کی کہ انہوں نے اسلامی اصول اپنا لئے۔ ہم لوگوں نے اپنے ہی اصول کو ترک کردیا جس کی بنا پر حکومت بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گئی، عیاشی میں آگئے ، مہینوں سلطنت مغلیہ کے آخر بادشاہ گھر سے نکلتے نہ تھے ،تو ان کو کیا معلوم کہ عوام کا کیا حال ہے۔ یقیناً عیاشی اور فحاشی ایسی چیز ہے کہ اس کی بنا پر آدمی اپنے آپ کو بھی ضائع کرتا ہے اور اپنے لوگوں کو بھی ضائع کردیتا ہے۔ چنانچہ ان بادشاہوں نے اتنی بڑی حکومت کو برباد کردیا بلکہ اغیار واعداء کے سپرد کردیا۔ اس بنا پر اپنی اور اپنے گھر کی حفاظت کی ضرورت ہے۔

آگے ارشاد باری ہے: ﴿ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾ اس کے ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ یہ نہیں کہ کوئی دوسری چیز ہوگی بلکہ لوگ ہوں گے ایک بہت بڑے بزرگ تھے ایک مرتبہ بچپن میں رو رہے تھے، ان کی ماں نے کہا کیوں رو رہے ہو بیٹا، کہا ہم کو جہنم کا ایندھن اللہ میاں نہ بنادیں، اس نے کہا ارے ابھی تم بچے ہو، تم معصوم بچے ہو تم کو اللہ جہنم میں نہیں ڈالے گا، جو لوگ بڑے بالغ لوگ ہوتے ہیں اور برے اعمال کرتے ہیں ان کو ڈالا جاتا ہے، تم بچوں کو کیوں ڈالے گا؟ کہا اماں! دیکھئے، جب آپ کو چولھا جلانا ہوتا ہے تو چھوٹی چھوٹی لکڑی پہلے رکھتی ہیں، اس میں آگ آسانی سے لگ جاتی ہے، تب بڑی لکڑی رکھتی ہیں، تو مجھے بھی ڈر لگتا ہے کہ مجھ ہی سے کہیں جہنم نہ دھونکی جائے۔ بچپن ہی میں ان کو جہنم کا اس قدر استحضار تھا، چنانچہ وہ بڑے ہونے پر اللہ والے ہوئے۔

ایک بزرگ مچھلی کے شکار کو گئے، ان کا چھوٹا لڑکا بھی ساتھ تھا اس کو تھیلا دے دیا کہ جو مچھلی ہم شکار کریں اس کو اس میں رکھتے جانا، چنانچہ خوب مچھلی ملی۔ وہ بیچارے سمجھے کہ تھیلا خوب بھر گیا ہوگا مگر جب اس کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں ایک مچھلی بھی نہیں ہے۔ تھیلا خالی ہے۔ تو بیٹے سے پوچھا کہ مچھلیاں کہاں ہیں؟ بیٹے نے کہا ہم نے تو سب مچھلیوں کو دریا میں چھوڑ دیا۔ کہا کیوں؟ کہا ہم نے سنا ہے کہ جو مچھلی اللہ کے ذکر سے غافل ہوتی ہے وہی جال میں آتی ہے۔ اسلئے خیال ہوا کہ غافل مچھلیوں کو کھا کر ہمارے قلوب میں غفلت پیدا ہوگی اس وجہ سے میں نے انہیں چھوڑ دیا۔ یہ بچہ بھی اہل اللہ میں سے ہوا۔

میرے دوستو! یہ بچپن کی بات ہے، ماں باپ جب بچپن ہی سے صحیح تربیت کرتے ہیں تو ان کو ان سب چیزوں کا سلیقہ آجاتا ہے اور ماں باپ نے کبھی جہنم کا ذکر ہی نہ کیا ہو اور جنت کا بھی ذکر نہ کیا ہو بلکہ یوں کہا ہو کہ ہم اپنے بچوں کو ڈرا کر ان کے دلوں کو کیوں کمزور کریں، جب یہ حال ہو گا تو سمجھ لیں کہ ہمارے لڑکے کبھی ٹھیک نہیں ہوں گے، ان کی تربیت کبھی نہیں ہوگی، بلکہ تمہارے اوپر وبالِ جان ہوں گے۔ چنانچہ جب ایسے بچے ماں باپ کو پریشان کرتے ہیں تو بزرگوں کے پاس دعا کرانے جاتے ہیں۔ پہلے ان کی اصلاح کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے جب وہ بگڑ جاتے ہیں تو روتے پھرتے ہیں۔

بچوں کو دینی تعلیم دینے کی ضرورت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا ہے کہ اولاد کو جہنم کا ایندھن بننے سے اگر بچانا ہو تو ان کو تربیت دو، دینی تعلیم دو۔ اور ایک حدیث تو بالکل صریح ہے "اعملوا بطاعة الله واتقوا معاصی الله ومروا اولادکم بامتثال الأوامر واجتناب النواهی ، فذلك وقاية لهم ولكم من النار" [ابن جریر، ابن المنذر] اللہ کی طاعت پر عمل کرو اور اللہ کی معاصی سے بچو، اور اپنی اولاد کو بھی اسی کا حکم کرو، معاصی سے بچنے کا حکم کرو، طاعات کے کرنے کا حکم کرو، یہ تمہارے لئے اور ان کیلئے وقایہ ہوگا جہنم سے، جہنم سے بچاؤ کا یہی ذریعہ ہوگا۔

جہنم سے چھٹکارے کے اسباب اختیار کرنا چاہئے

میرے دوستو! "عتق من النار" یعنی جہنم سے آزادی اور نجات کیلئے ہم اس کے اسباب اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ جہنم سے بچائے گا۔ لیکن ادھر قدم بڑھانے کی ضرورت ہے، اپنے اعمال کو درست کرنے کی ضرورت ہے، اپنے اخلاق کو صحیح کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ جب ہم اپنے اعمال کی تصحیح کریں، نیتوں کی تصحیح کریں اور اللہ کے دربار میں کچھ عبادت وتلاوت کریں، تو یہ سب چیزیں جہنم سے نجات کے اسباب میں ہیں، اصل تو اللہ کی رحمت ہی ہے لیکن اسباب کو اختیار کرنے کا اللہ نے امر فرمایا اسلئے اختیار کرنا چاہئے۔

بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر میں جو ہے وہ ہوگا ہم کو عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے، تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ رزق میں بھی تقدیر ہے اتنا ہی ملے گا جتنا مقدر ہے پھر کیوں کمانے جاتے ہو؟ تجارت کیوں کرتے ہو؟ کیوں کھیتی باڑی کرتے ہو؟ وہاں تو یہ برابر سمجھ میں آتا ہے کہ کریں گے تو اللہ روزی دیگا، اور یہاں اللہ تعالیٰ کی جنت کیلئے یہ تصور ہے کہ جو مقدر ہوگا وہ دیکھا جائے گا یہ سب نفس کے بہانے ہیں، مکر اور خداع ہے، یہ شیطان کا اغوا اور اضلال ہے۔ اس سے بچو اور سیدھا راستہ اختیار کرو۔

میرے دوستو! کتنی زبردست حدیث ہے، عام طور سے یہ حدیث نہیں بیان کی جاتی لیکن شامی عالم علامہ سید عبداللہ ناصح علوان نے کتاب کے شروع میں

اس حدیث کو لکھا ہے۔ جہنم سے بچاؤ کی یہی صورت متعین ہے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ اللہ ہم سب لوگوں کو اس پر عمل کی توفیق دے، بچوں کو اس پر لانے کی توفیق دے۔ خاص طور سے اس زمانہ میں اپنے بچوں کی اصلاح زیادہ ضروری ہے تاکہ وہ ایمان پر باقی رہیں دین پر باقی رہیں۔ آپ ایک دفعہ صحیح راستہ اس کو دکھاتے ہیں اور ہزاروں مرتبہ غلط راستہ اس کو چوبیس گھنٹے میں دکھایا جا رہا ہے، طرح طرح سے دکھایا جا رہا ہے، تو ایسی صورت میں آپ کو بھی اس سے روکنے کیلئے ویسی ہی قوت کی ضرورت ہے، ویسی ہی طاقت سے اس کو روکنے کی ضرورت ہے تب وہ رکیں گے، ویسے نہیں رک سکتے، الحاد کا سیلاب ہے، بددینی کا طوفان ہے، ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا چاہئے، اللہ کی اعانت اور مدد مانگنے کی ضرورت ہے۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

اب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے تیسرے عشرہ کو عتق من النار فرمایا مجھے خیال ہوا کہ رمضان کا اگر چوتھا عشرہ بھی رہتا تو ہوسکتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ یہ دخولِ جنت کا عشرہ ہے۔ مگر چونکہ تین ہی عشرے ہیں ایک رحمت، دوسرے مغفرت اور تیسرے عتق من النار اور اگر چالیس دن کا روزہ رہتا تو میرا خیال ہے (اللہ اعلم بالصواب) کہ یہ عشرہ دخولِ جنت کا ہوتا۔ اس بنا پر دخولِ جنت کے بارے میں بتلا دیتا ہوں، چنانچہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ” اعبدوا الرحمٰن واطعموا الطعام

وافشوا السلام تدخلوا الجنة بسلام‘‘ [فیض القدیر ۱/ ۵۵۲] رحمٰن کی عبادت کرواور ضرورت مندوں کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو عام کرو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ وہ رحمٰن ہے وہ رحیم ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں رحمٰن اور رحیم دونوں آیا۔ الحمد للہ رب العٰلمین، الرحمٰن الرحیم میں بھی یہ دونوں اسماء مذکور ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ رحمت کی ایک شان ہے، رحمت کا ایک خاص درجہ ہے، بلکہ غضب الٰہی پر یہ صفتِ رحمت غالب اور سابق ہے، اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے دو اسماء استعمال کیے رحمٰن اور رحیم۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رحمٰن کی عبادت کرو، یہاں یہ نہیں کہا کہ اللہ کی عبادت کرو بلکہ رحمٰن کی عبادت کرو، دنیا میں وہ تم پر رحم کر رہا ہے اور آخرت میں بھی رحم فرمائیگا، امةٌ مذنبةٌ و ربٌ غفورٌ امت گنہگار ہے رب غفور ہے۔ تو تم پر رحم کرے گا، تم گناہوں کو لے کر جاؤ گے تو تم پر رحم کرے گا۔ تمہاری مغفرت فرمائیگا۔

رحمت کا زیادہ حصہ امت محمدیہ پر ہوگا

حضرت مجدد صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اللہ کی رحمت کا زیادہ حصہ امتِ محمدیہ ہی پر صرف ہوگا کیوں کہ امةٌ مذنبةٌ و ربٌ غفورٌ امت گنہگار اور ربِ غفور ہے تو جس امت میں گنہگار زیادہ ہوں گے وہی مستحق ہوں گے کہ ان پر رحمت کا معاملہ کیا جائے۔ پہلی امتیں یا تو بالکل مومن مخلص تھیں یا بالکل کافر تھیں، اس بنا پر ان کو

رحمت سے کوئی سابقہ نہیں ہوگا، ان کے نیک اعمال انہیں جنت میں لے جائیں گے اور جو کافر ہیں ان کیلئے رحمت کا کوئی سوال ہی نہیں وہ سیدھے جہنم میں جائیں گے۔اس امت میں تین قسم کی جماعت ہے، ایک جماعت مؤمنین مخلصین کی ہے دوسری جماعت مؤمنین عاصین یعنی گنہگار مسلمانوں کی ہے اور تیسری جماعت کافرین معاندین کی، معاندین کافرین کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ رحمت کی جائے اب رہ گئی دو جماعتیں تو مومنین مخلصین کو انشاءاللہ ان کا اخلاص ان کو جنت میں لے جائے گا، اب رہے مجرم لوگ ان کو رحمت کی ضرورت ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''شفاعتی لاهل الكبائر من امتی'' [رواہ الترمذی، مشکوۃ:۴۵۴] میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کیلئے ہے۔

میرے دوستو! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں رحمٰن کی عبادت کرو خواہ نماز پڑھو یا ذکر وتلاوت کرو، روزہ رکھو وغیرہ۔ یہی عبادت کے اعمال ہیں ان کو اختیار کرو، اخلاق کی تصحیح، نفس کا تزکیہ یہ سب اعمال صالحہ میں داخل ہیں، یہ نہیں کہ صرف نماز پڑھنے لگے اور کسی کو جھڑک دیا کسی کو برا بھلا کہہ دیا اس پر بھی وعید ہے ''سباب المسلم فسوق وقتاله کفر'' [بخاری:۸۹۳/۲] مومن کو گالی دینا فسق ہے اور قتال کرنا کفر ہے۔آج مسلمان بکثرت ان چیزوں میں مبتلا ہیں۔قتل وقتال تک کرتے ہیں، دوسروں سے زیادہ اپنے اوپر ہماری گولیاں چلتی ہیں، عزت آبرو اپنوں سے بھی محفوظ نہیں ہے، آج حالات ایسے ہی ہیں، بد

اخلاقی جب اپنے اندر رہے گی تو دوسروں کے ساتھ ساتھ اپنوں کے ساتھ بھی رہے گی۔ اس بناپر عبادت کے ساتھ یہ بھی ہونا چاہئے کہ کسی کو ضرر اور نقصان نہ پہنچائے، معاملات کی صفائی ہو، ناجائز کسی کا مال نہ ہڑپ کرو، غبن نہ کرو، غصب نہ کرو، سود نہ لو، رشوت نہ لو، شراب نہ پیو، عیاشی نہ کرو، یہ تمام چیزیں اعمال کی تصحیح میں داخل ہیں۔

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بات یہ فرمائی "واطعموا الطعام" کھانا کھلانے کا اہتمام کرو، کھانا کھلاؤ گے تو لوگوں کا دل خوش ہوگا اور وہ تمہیں دعا دیں گے، تمہارے گناہ معاف ہوجائیں گے یہ کوئی معمولی دعا ہے "اللھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی" [مسلم:۲/۱۸۴] یہ دعا تم کو ملے گی، اے اللہ ان کو کھلاؤ جس نے ہم کو کھانا کھلایا اور ان کو پانی پلاؤ جس نے ہم کو پانی پلایا۔ یہ معمولی دعا ہے؟ دعا لینے کیلئے کھانا کھلاؤ، "افطر عندکم الصائمون اکل طعامکم الابرار وصلّت علیکم الملٓئکۃ" [ابوداؤد ۲/۵۳۸] یہ دعا کتنی اہم ہے۔ تمہارے یہاں روزہ دار لوگ افطار کریں تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں اور تم پر ملائکہ درود بھیجیں۔ پس اطعامِ طعام میں جو نفع ہے، جو اجر ہے وہ تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ کتنی بڑی دعا ملتی ہے۔

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بات یہ فرمائی "وافشوا السلام" سلام کا افشاء کرو، آج اس میں بھی بہت کمی ہے، خواص میں بھی کمی ہے، عوام تو شاید کر بھی دیتے ہیں خواص میں بہت کمی ہے، جسے میں

دیکھتا رہتا ہوں، اب کیا کہوں اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ میں تو اکثر مدرسوں میں جاتا رہتا ہوں، کہتا ہوں کہ علم کا اثر یہ نہ ہو کہ تمہاری بدخلقی بڑھ جائے، تم عجب میں مبتلا ہو جاؤ، نخوت میں مبتلا ہو جاؤ، یہاں تک کہ کسی کو سلام کرنا بھی چھوڑ دو کہ ہم ان کو کیوں سلام کریں؟ ہم ان سے کیوں ملیں؟ کیوں ان کی عیادت کریں؟ کیوں ان کی تعزیت کریں؟ کیوں ان کی زیارت کریں؟ یہی طغیان ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے "ان للعلم طغیانا کما للمال" [مجمع البحار ۳/۴۴۸] علم کیلئے بھی طغیان ہوتا ہے جیسے مال کیلئے ہوتا ہے۔ اسی طرح عبادت میں بھی طغیان آجاتا ہے، جب آدمی بہت عبادت کرنے لگتا ہے تو یوں سمجھ لیتا ہے کہ ہم سب کچھ ہیں اور جو چاہیں جس کو چاہیں کہہ دیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اور زیادہ تواضع آنا چاہئے، انکسار آنا چاہئے، علم جتنا بڑھے اتنا ہی تواضع کی صفت بھی بڑھنی چاہئے، جیسے پھلدار ٹہنی کے اندر جھکاؤ ہوتا ہے اسی طرح تمہارے اندر جھکاؤ ہونا چاہئے صرف گردن سے اور کندھوں سے نہیں بلکہ قلب میں جھکاؤ ہونا چاہئے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بڑی عمدہ بات لکھی ہے کہ وہ بہت چھوٹے قد کے تھے جھکے ہوئے تھے مگر جتنا وہ ظاہر میں جھکے ہوئے تھے اس سے کہیں زیادہ باطن میں جھکے ہوئے تھے۔ واقعی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بہت متواضع تھے۔ کسی نے کانگریس اور لیگ کے معاملہ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے متعلق کہا

کہ حضرت وہ شاگرد ہوکر آپ کی کیوں مخالفت کر رہے ہیں؟ لگانے والے تو لگاتے ہی رہتے ہیں، یہ تو ہر جگہ ہوتا ہے، حالانکہ یہ بہت برا ہے، اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" **لا یبلغنی احد من اصحابی شیئا فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر**" [ابوداؤد ۲/ ۲٦۷] کہ میرے صحابہ میں سے کوئی شخص مجھ سے کسی کی کوئی بات نہ پہنچائے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا دل تم سب کی طرف سے صاف ہو۔ میرے دوستو! ظاہر ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے بدظن ہوجاتے تو اس کا ٹھکانہ کہاں ہوتا، اسی طرح شیخ کو کسی سے بدظنی نہیں کرنی چاہئے۔ تو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ دیکھئے شاگرد ہوکر وہ آپ کی مخالفت کر رہے ہیں، فرمایا کہ بھائی! میرے اوپر وحی نہیں آتی ہے، ہوسکتا ہے کہ اشرف علی ہی کی رائے ٹھیک ہو، انکساراور تواضع کا یہ عالم تھا۔

دوستو بزرگو! ہمارے بزرگوں کا طرۂ امتیاز تواضع وانکسار تھا، بہت سے بزرگان دین ہمارے ایسے رہے ہیں کہ سلام میں سبقت اتنا کرتے تھے کہ دوسرے کو سلام کرنے کا موقع ہی نہیں دیتے تھے، اور یہاں ہمارا یہ حال ہے کہ ہم منتظر رہتے ہیں کہ ہمیں کوئی سلام کرے، کتنا فرق ہوگیا، پچاس سال کے اندر ہی اتنا فرق ہوگیا نہ ایک صدی گذری نہ دو صدی گذری، اپنے اکابر کی سیرت دیکھو اور پیش نظر رکھو۔

مجھ سے لندن میں ایک بہت بڑے عالم نے کہا کہ یقیناً ہم سمجھتے تھے کہ

ہمارے بزرگان دین بہت بڑے درجہ پر ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے تھے کہ کس بنا پر اس درجہ پر ہیں، آپ کی اس کتاب ''اقوال سلف'' سے سمجھ میں آیا کہ ہمارے بزرگوں کے اندر یہ خصوصیات تھیں، مولانا گنگوہیؒ کیا تھے، مولانا تھانویؒ کیا تھے، مولانا یعقوب صاحبؒ کیسے تھے، ان حضرات کے اخلاق کیا تھے، آپ ان کی سیرت کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ یہ حضرات سراپا تواضع، انکساراور عاجزی تھے۔ کہاں تک بیان کروں، میرے دوستو! ان اکابر کی سیرت کو دیکھو، اپنے متأخرینِ اکابر جو سو سال کے اندر گذرے ہیں ان میں کتنا تواضع تھا، کتنا انکسار تھا، چھوٹوں پر کتنی شفقت رکھتے تھے، چھوٹوں کے ساتھ کتنا رحم کا معاملہ کرتے تھے۔

اکابر کی سیرت

چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ لوگ حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کو شیخ الہند کہتے ہیں لیکن میں ان کو شیخ العالم کہتا ہوں۔ دیکھئے ادھر شاگرد کی طرف سے یہ عقیدت تھی۔ ادھر حضرت شیخ الہند کی طرف سے یہ عنایت کہ ہوسکتا ہے کہ اشرف علی کی بات صحیح ہو۔ سبحان اللہ! ہمارے اکابر کے اندر کس قدر انکساری تھی، جس کی بنا پر یہ حضرات بڑھے، پھلے پھولے اور اللہ کے یہاں ان کو مراتب عالیہ ملے۔ پس لازم ہے کہ ان بزرگوں کی سیرت کو ہم سامنے رکھیں تب سمجھ میں آئے گا کہ ہمیں کیسے کتاب اللہ پر عمل کرنا چاہئے اور سنتِ رسول اللہ پر عمل کرنا چاہئے۔ اکابر کی سیرت سے سمجھ میں آئے گا کہ تواضع کسے کہتے ہیں،

توکل کسے کہتے ہیں، میرے دوستو! توکل بڑی چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے توکل کا ایک مقام دیا ہے، تواضع کا ایک مقام دیا ہے، پھر کبھی بیان کیا جائے گا، وقت ہوگیا، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو اپنے اکابر کی سیرت کو پیشِ نظر رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

اللہ تعالیٰ اس رمضان شریف کی قدر کی توفیق مرحمت فرمائے، خاص طور سے یہ اخیر عشرہ کی آج تیئیسویں رات ہے، سب کے اندر عبادت وتلاوت کا ذوق پاتا ہوں، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں، اللہ کے فضل سے اتنی فضیلتیں اس وقت ہم لوگوں کو حاصل ہیں اللہ تعالیٰ اس کے قدر کی توفیق دے، میرے لئے بھی دعا کیجئے، اپنے لئے بھی دعا کیجئے۔

ایک بات عرض کرتا ہوں ابھی فون سے معلوم ہوا کہ اہلیہ کی طبیعت خراب ہے تو میں نے ان سے کہا کہ کہو تو میں آجاؤں، لیکن سچ کہتا ہوں بالکل ایک لمحہ کیلئے جانے کو جی نہیں چاہتا کیوں کہ یہ فضا کہاں ملے گی، آپ لوگ بھی پریشان ہوں گے، انتشار ہوگا۔ اس بنا پر دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ان کو صحت دے عافیت دے تاکہ میں مطمئن ہوکر قیام کرسکوں۔ اس وجہ سے اب دعا کی درخواست کرتا ہوں میری صحت کیلئے بھی ان کی صحت کیلئے بھی اور سب ہی کی صحت کیلئے دعا فرمائیں کہ ساری امتِ محمدیہ کو اللہ تعالیٰ عافیت عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے، ان کی عزت اور آبرو کو، جان ومال کو، ان کے اداروں کو، مساجد کو، مراکز کو اللہ محفوظ رکھے۔ آمین

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

دعا کیجئے اللہ تعالیٰ سے بعد حمد وصلوٰۃ کے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، وَالصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

اللهم الف بين قلوبنا و اصلح ذات بيننا ، واهدنا سبل السلام ونجنا من الظلمات الى النور و جنبنا الفواحش ماظهر منها و مابطن ، اللهم بارك لنا في اسماعنا و ابصارنا وقلوبنا و ازواجنا و ذرياتنا و تب علينا انك انت التواب الرحيم ۔

اللہ تعالیٰ ان کلمات کے طفیل میں ہماری تمام حاجات پوری فرما، یا اللہ! ہماری حفاظت فرما، یا اللہ! اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! ہم کو زیغ اور ضلال سے محفوظ فرما، یا اللہ! ہدایتِ کاملہ اور عافیتِ تامہ عطا فرما یا اللہ! ہمیں اور ہماری تمام اولاد کو اور جو لوگ حاضر ہیں ان سب کے متعلقین کو تدین عطا فرما، تقوی کی زندگی نصیب فرما، یا اللہ! جو مخالفین ہیں جو ہم کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں ان کی سازشوں سے ہماری حفاظت فرما، ان کی اسکیموں سے ہماری حفاظت فرما، اسلام پر ہم کو قائم ودائم فرما، یا اللہ! صحیح معنوں میں ہم کو خادم دین بنادیں، ہم کو داعی دین بنادیں، یا اللہ! ہم کو عالم دین بنادیں، یا اللہ! اپنا عارف بنادیں،

یا اللہ! اپنی محبت ہمارے قلوب میں عطافرما، اطاعت کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! جو پریشانیاں ہیں ان پریشانیوں کو دور فرما، جو مشکلات ہیں انہیں آسان فرما، یا اللہ! ہم لوگوں کے کاروبار میں خیر و برکت عطا فرما، جسموں میں دلوں میں جو بیماریاں ہیں اللہ ان سے شفاء کاملہ عطافرما، ہمارے بہت سے بھائی بہت پریشانی کا اظہار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو پریشانیوں سے نجاتِ کلی عطا فرما، یا اللہ! یہ رمضان شریف کے طفیل میں، قرآن پاک کے طفیل میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں تمام صالحین کے طفیل میں مصلحین کے طفیل میں یا اللہ! سب کی پریشانیاں دور فرما۔ یا اللہ ہم لوگ آپ کے ذکر کیلئے آئے ہیں آپ کو بلانے کیلئے، آپ سے مناجات کیلئے حاضر ہوئے ہیں ان میں بہت سے صادق و مخلص ہیں، میں سمجھتا ہوں بہت سے اللہ والے ہیں، بہت سے دیندار ہیں، میں اپنی نفی کے ساتھ کہتا ہوں کہ سب ہی لوگ الحمد للہ دیندار معلوم ہوتے ہیں اور مجھ سے سب ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کے طفیل میں میری بھی اصلاح فرمااور میرے بچوں کی بھی اصلاح فرما، ہم سب کو صحت وعافیت عطافرما، تمام امت محمدیہ کے ساتھ خیر کا معاملہ فرما، یا اللہ! فضل وکرم کا معاملہ فرما، بے شک امةٌ مذنبةٌ وربٌ غفورٌ ہم سب گنہگار ہیں یا اللہ! آپ رب ہیں غفور ہیں غفار ہیں اسلئے مغفرت کا معاملہ فرما، جہنم سے نجات کا معاملہ فرما، جنت میں دخول کا معاملہ فرما، یا اللہ! سارے ممالِک اسلامیہ میں دین کو قائم فرما، تمام سربراہانِ مملکت کو دیندار بنا متقی فرما، ان کو ہدایتِ کاملہ عطافرما، یا اللہ!

ان کے دلوں میں خوف پیدا فرما، یااللہ! لوگوں کے خوف کو ان کے دلوں سے نکال دے، دوسروں کے رعب کو ان کے دلوں سے نکال دے، یااللہ! ہم کو علمی وعملی، سیاسی ومالی، حربی وسلاحی ہر قسم کی قوت عطا فرما، یااللہ! ہر قسم کی خیر اور بھلائی عطا فرما، اپنے طاعات کی توفیق مرحمت فرما، یااللہ! اپنی محبت اور نسبت سے ہمارے قلوب کو سرشار فرما، یااللہ! ذکر وفکر سے ہمارے قلوب کو منور فرما معمور فرما، یااللہ! ہمارے قلب کو صحیح معنی میں قلب بنا، تیرے ذکر سے اس کو آشنا فرما، یااللہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں تمام صحابہ کرامؓ کے طفیل میں اولیائے عظام کے طفیل میں ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرما اور تمام دعاؤں کو قبول فرما، مقاصد حسنہ میں کامیابی عطا فرمایا، یااللہ! جو لوگ بھی بیمار ہیں ان کو شفائے کاملہ عطا فرما، ظاہری وباطنی جتنی بیماریاں ہیں ان سب سے ہم کو صحت کلی عطا فرمادیجئے، جو اپنی لڑکیوں کی طرف سے الجھنوں میں ہیں، رشتہ کے سلسلہ میں فکرمند ہیں اور اولاد نہ ہونے کے سلسلہ میں پریشان ہیں، یااللہ! سب کے مقاصد کو پورا فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ،بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِنَا النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ ۔

﴿ لَا يَسْتَوِیٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾

جنتی اور جہنمی

برابر نہیں ہو سکتے

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

۲۴ ؍ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء مسجد دار العلوم کنتھاریہ، بھروچ گجرات

فہرست مضامین

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادی له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ، ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى اله واصحابه وازواجه وذرياته وسلم تسلميا كثيرا كثيرا۔ اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم ، بسم الله الرحمن الرحيم ﴿لَايَسْتَوِیْ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ [سورۂ حشر ۲۰]صدق الله مولانا العظيم۔

دوستو بزرگو اور عزیزو! آج چونکہ اہل جنت اور اہل دوزخ کے متعلق آیت کو آپ نے اور ہم نے سنا تو خیال ہوا کہ اس کے متعلق بیان کیا جائے، اس سے پہلے بھی بیان ہو چکا ہے، الحمد للہ جنت و دوزخ کے متعلق بیان تو ہوتے ہی رہتے ہیں، اور ہونا ہی چاہئے، اس سے مسلمانوں کے اندر نیک عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور

معصیت سے بچنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کثرت سے جنت اور دوزخ کا ذکر فرمایا ہے، لہٰذا اگر اس کا بیان مکرر سہ کرر کروں تو کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ جنت اور دوزخ کے متعلق اتنی آیات ہیں، اتنی حدیثیں ہیں، کہ صرف ترجمہ بھی سنایا جائے تو گھنٹوں لگ جائیں گے، علماء نے مستقل اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، جنت کی اتنی نعمتیں ہیں کہ بڑی بڑی حدیثیں اس سلسلہ میں روایت کی گئی ہیں، حوض کوثر کے متعلق، وہاں کی سواریوں کے متعلق، وہاں کی نعمتوں کے متعلق، وہاں کی حوروں کے متعلق، وہاں کے باغات کے متعلق، وہاں کی نہروں کے متعلق بہت سی آیتیں نازل ہوئی ہیں، اور بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ " حفت الجنة بالمکارہ وحفت النار بالشھوات " [ترمذی شریف ۲ / ۸۳] بہت مشہور حدیث ہے، اللہ تعالیٰ نے جنت کو مکارہ سے گھیر دیا ہے یعنی تکلیف دہ اور ناپسندیدہ چیزوں سے گھیر دیا ہے، اور جہنم کو شہوات سے گھیر دیا ہے، اور یہ بھی آتا ہے حدیثوں میں کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا کہ جنت کو دیکھ کر آؤ، وہ دیکھ کر آئے، فرمایا کیسا پایا؟ تو جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ اس میں تو ہر شخص داخل ہونا چاہے گا، تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے مکارہ سے گھیرنے کا حکم صادر فرمایا پھر جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ دوبارہ دیکھ آؤ؟ جب جبرئیلؑ دوبارہ گئے تو جنت کو مکارہ سے گھیرا ہوا پایا آکر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ آپ کی عزت وجلال کی قسم مجھے خوف ہے کہ اس میں کوئی داخل نہیں ہو پائیگا، پھر کہا اچھا جہنم کو دیکھ آؤ؟ جہنم کو دیکھنے گئے، وہاں کی

بلاؤں، وہاں کی آفتوں اور وہاں کی مصیبتوں کو جب دیکھ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اس کو کیسا پایا تو کہا کہ آپ کی عزت کی قسم اس میں تو کوئی بھی جانا نہیں چاہیگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے شہوات سے جہنم کو گھیرنے کا حکم فرمایا، اور دوبارہ جہنم دیکھنے کا حکم دیا حضرت جبرئیلؑ نے دوبارہ آکر عرض کیا کہ آپ کی عزت کی قسم کوئی اس سے نجات نہ پائیگا۔

مکارہ سے کیا مراد ہے

مکارہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کو بندہ پسند نہیں کرتا وہ یہی اعمال شرعیہ ہیں اخلاق حسنہ ہیں ان پر عمل کرنا آسان نہیں ہے، مگر جب ان پر عمل کریں گے تو اس کی وجہ سے اللہ اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائیں گے، پس جو لوگ مخلص ہیں آج بھی وہ ان مکارہ کو برداشت کرتے ہیں، چنانچہ آپ کا اتنی دور سے آنا، وضو کرنا نماز پڑھنا، سجدے کرنا، رکوع کرنا، تراویح پڑھنا یہ سب مکارہ میں داخل ہیں، جن کو آپ برداشت کررہے ہیں، انہیں طاعات پر عمل کر کے شہوات کو چھوڑ کر آدمی جنت میں داخل ہوگا، جی چاہتا ہے کہ فلاں چیز کھائیں چاہے ناجائز ہی کیوں نہ ہو، جی چاہتا ہے کہ فلاں جگہ جائیں چاہے وہاں جانا ناجائز ہی کیوں نہ ہو لیکن صرف اس بنا پر آدمی رکتا ہے کہ یہ ناجائز ہے۔ یہ حرام ہے۔ اس بنا پر نہیں کھاتا کہ یہ سود کی رقم کا کھانا ہے، رشوت کی رقم کا کھانا ہے۔ بہت سے بزرگانِ دین مشتبہ کھانا بھی نہیں کھاتے تھے، اگر کھاتے تو فوراً ان کو قئے ہو جاتی تھی، پس اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ

نے ایسے کھانے سے منع فرمایا ہے اسلئے نہیں کھاتا تو یہ چیز اس کو جہنم سے بچائیگی۔

یہ تو ہوئی حرام چیزوں سے بچنے کی بات، اب حلال کھانے کے متعلق سنئے، رمضان کا مہینہ ہے اور افطار سے قبل کا وقت ہے، لذیذ کھانے سامنے رکھے ہوئے ہیں، پانی رکھا ہوا ہے، پھل رکھے ہوئے ہیں، سب لذیذ ہیں، جی چاہتا ہے کہ ان کو کھائیں، اب کونسی چیز روکتی ہے؟ وہی اللہ کا حکم، اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کا مظاہرہ بالکل افطار کے وقت ہوجاتا ہے، اپنا کھانا ہے، اپنا پانی ہے، کسی قسم کی اسمیں ملاوٹ نہیں پھر بھی کھاتا کیوں نہیں؟ وہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، جب تک کہ اذان نہ ہوجائے نہیں کھاتا، یہی شہوات سے رکنا ہے، شہوات کا مفہوم لوگ دوسری شہوت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ سب شہوات میں داخل ہے، کھانا رکھا ہے، جی چاہ رہا ہے کھانے کو تاہم آپ نہیں کھارہے ہیں تو آپ شہوات سے باز رہے، دیوار کو کھانے کی خواہش ہی نہیں، خواہ کتنا ہی اچھا کھانا آپ چن دیجئے اس کو خواہش ہی نہیں ہوگی، فرشتوں کو بھی خواہش نہیں ہوگی، کیونکہ ان کے اندر یہ مادہ ہی اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھا، ان میں اس کی خواہش ہی نہیں رکھی اس وجہ سے خواہش کو روکنے کا ان کو کیا اجر وثواب ملے گا، جب خواہش ہی نہیں تو خواہش سے کوئی مزاحمت نہیں، ہم کو تو خواہش کے سامنے مزاحمت کرنی ہے، جی چاہتا ہے کھانے کو، نہیں کھارہے ہیں، جی چاہتا ہے پانی پینے کو، نہیں پی رہے ہیں، یہی تقویٰ ہے۔

❁

دل کا تقویٰ

میرے دوستو! حرام کھانا خواہ لذیذ ہو لیکن معلوم ہو جائے کہ اس میں سور کی چربی پڑی ہوئی ہے، اس میں شراب کی بو آتی ہے یا اس میں کسی حرام وگندی چیز کی آمیزش ہے تو آدمی رک جاتا ہے کہ اس کا کھانا اللہ کے حکم ومرضی کے خلاف ہے چنانچہ آپ یورپ وغیرہ کے شہروں میں جائیے، وہاں عجیب عجیب بسکٹ اور کیک ملتے ہیں تو جو لوگ محتاط ہیں وہ فوراً دیکھتے ہیں کہ اس میں کسی حرام چیز کی آمیزش تو نہیں ہے؟ اگر ہے تو وہ چیز نہیں خریدتے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرمادیا ہے، اس لئے خواہش کے باوجود اس کو نہیں کھاتے۔

ایک بار ہم کسی ملک میں گئے تو ایک صاحب نے کہا کہ فلاں جگہ آئس کریم لذیذ ملتی ہے، اس لئے وہاں چل کر کھالیں تو ایک عالم نے وہاں جانے اور کھانے سے روک دیا اور کہا کہ وہاں آئیس کریم میں فلاں چیز پڑتی ہے، اس لئے ہم لوگ وہاں نہیں گئے، یہ سب کچھ شہوات میں داخل ہے، جہنم ان سب شہوات سے گھری ہوتی ہے اب اگر آدمی اس سے رکتا ہے تو یہ بہت بڑے تقویٰ کی بات ہے اسی کو تقویٰ کہتے ہیں، تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ کسی غیر مشروع چیز کی طرف خواہش اور چاہت ہو اس سے رک جانا ور اپنے کو بچانا، اور یہ دل کا تقویٰ ہے، دل میں یہ داعیہ اور جذبہ ہونا چاہئے کہ اللہ کی اطاعت ہم کریں گے، اللہ کی نافرمانی نہیں کریں گے، کھانے پینے میں، کپڑا پہننے میں ہم اللہ کی نافرمانی نہیں کریں گے، تو

انہیں شہوات سے اللہ تعالیٰ نے جہنم کو گھیرا ہے مگر آج انہیں شہوات کی وجہ سے جہنم میں گر پڑ رہے ہیں، حرام چیزوں کو کھا رہے ہیں، حرام چیزوں کو استعمال کر رہے ہیں، کل کو یہی شہوات جہنم کے راستہ پر لے چلیں گی اور داخل کر دیں گی۔ تو میرے دوستو ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم وضو نہ کریں، جی چاہتا ہے کہ ہم نماز نہ پڑھیں یہ ایک شہوت ہے اب خواہش پر عمل نہ کرنا بہت بڑے کمال کی بات ہے اللہ تعالیٰ کو یہ چیز پسند ہے، اللہ تعالیٰ کہتے ہیں دیکھو میری وجہ سے یہ میرا بندہ اپنی ایک محبوب چیز سے رک گیا۔

حضرت مصلح الامتؒ کا خوف آخرت

یہ خود میرے سامنے کی بات ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے سامنے آئیس کریم پیش کی گئی، اس وقت صرف میں حاضر تھا، حضرت تھے اور حضرت کا ایک نواسہ تھا ظاہر ہے کہ آئیس کریم کس کو اچھی نہیں لگتی، مگر حضرتؒ نے ایک چمچہ کھا کر اپنے نواسہ کو دے دیا، اور فرمایا کہ تم کھا لو اسلئے کہ ہم کھائیں گے تو گناہ ہی کریں گے، غور فرمائیں کہ مصلح الامتؒ کی یہ بات کس قدر تواضع اور خوف آخرت کی بات ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ حال نصیب فرمائے۔

ایک مرتبہ مرشدی حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ حسن منزل الہ آباد کی مسجد سے نکل رہے تھے، چھوٹی مسجد تھی، چپل جوتے سب زینہ پر رکھے ہوئے تھے سبھی نمازی مسجد سے باہر نکل رہے تھے، تو حضرتؒ کے پیر سے ایک جوتا نیچے

لڑھک کر چلا گیا یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی تمام مریدین ہی تھے وہ اٹھا دیتے لیکن خود اٹھا کر اس کو اپنی جگہ پر رکھا ہماری پھوپھی جو متصل مکان کی کھڑکی سے دیکھ رہی تھیں جب میں مکان پر گیا تو انہوں نے کہا کہ آج میں نے مولانا کا عجیب واقعہ دیکھا، کسی کا جوتا گر گیا تھا تو اس کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر رکھا، میں نے کہا اور کیا یہی تو باتیں ہیں بزرگی اور ولایت کی۔

دوستو بزرگو! یہ چیزیں ایسی ہیں جو اللہ کو بہت پسند ہیں، اللہ کو یہ تواضع انکساری، مخلوق کی دلداری، مخلوق کی ہمدردی، مخلوق کی رعایت بہت پسند ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے بازار میں دلداری اور ہمدردی سے بڑھ کر کسی چیز کی قیمت نہیں، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے اس ملفوظ کو اپنی کتاب میں لکھا ہے، غور فرمایئے کہ کوئی اپنے کو نظامی لکھتا ہے تو کوئی صابری لکھتا ہے لیکن ان کی تعلیمات کیا تھیں اس کا پتہ نہیں، اور صرف ان حضرات کی تعلیم نہ تھی بلکہ اس پر آپ کا عمل بھی تھا۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا دسترخوان

چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ آپ کے یہاں دسترخوان بہت عمدہ کھانوں کا لگتا تھا، لیکن حضرت کھاتے نہیں تھے دسترخوان پر بیٹھتے نہیں تھے، کسی نے یہ بدگمانی کی کہ علیحدہ سے بعد میں اس سے بھی اچھا اچھا کھانا کھاتے ہوں گے، چنانچہ وہ کھڑکی سے حضرت کے کھانے کے وقت دیکھ رہا تھا کہ دیکھیں

کیا کھاتے ہیں؟ دیکھا کہ دستر خوان پر جو ٹکڑے بچے ہوئے تھے اس کو حضرت کھا رہے تھے، ظاہر ہے کہ اس سے اس شخص کی بدگمانی دور ہوئی ہوگی یہ حضرت نظام الدینؒ ایسے بزرگ ہیں، جو اولیاء کہلاتے ہیں، یوں ہی تھوڑے اتنے بڑے مرتبہ پر پہنچ گئے تھے

ے
خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو
یہ غذا ملتی ہے جاناں تیرے دیوانے کو

طریق کا خلاصہ

کچھ ریاضت ومجاہدہ کرنا ہوتا ہے، تب یہ دولت ملتی ہے، عاجزی اختیار کرنا پڑتا ہے، مخلوق کے ساتھ دلداری اور غمخواری کرنا پڑتا ہے، پورے طریق کا خلاصہ یہ ہے "النسبة مع الحق والشفقة على الخلق" یعنی طریق کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نسبت پیدا کرنا اور مخلوق پر شفقت کرنا۔ مخلوق میں کفار بھی ہیں، جانور وحیوانات بھی، بلکہ شجر وحجر بھی ہیں، ان کے ساتھ بھی شفقت کا معاملہ کرنا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اتقوا الملاعن الثلاثة البراز في الموارد وقارعة الطريق والظل "[رواہ ابوداؤد، مشکوۃ ۴۳] یعنی فرمایا: تین کاموں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں، لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ، راستے میں اور سایہ میں بول وبراز کرنے سے۔ اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جگہوں اور

راستہ اور درخت کے حقوق بیان فرمائے ہیں کہ بلاوجہ ان جگہوں کو ملوث نہ کرو، چونکہ ان جگہوں سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں تو ان چیزوں کی رعایت ہونی چاہئے، جب انسان ان کی رعایت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ چیز بہت پسند آتی ہے۔

مخلوق کے حقوق کی رعایت

ہم نے تو حضرت مصلح الامتؒ کو پان کھاتے کبھی دیکھا ہی نہیں، ایک پرانے خادم تھے انہوں نے بتلایا کہ حضرت پہلے پان کھاتے تھے، لیکن ایک دفع پان کھا کر تھوکا تو ایک موچی پر اس کی چھینٹ پڑ گئی تو فوراً اس سے معافی مانگی اس کے بعد سے پان کھانا ہی چھوڑ دیا، غور فرمائیں کہ ایک موچی سے معافی مانگی کس قدر حق العباد کی ادائیگی کا خیال تھا۔

میرے بزرگو! حقوق اللہ جیسے ہیں اسی طرح حقوق العباد بھی ہیں تقویٰ اللہ میں تو حقوق اللہ کی رعایت ہوتی ہی ہے، مگر جب دل میں اللہ کا خوف ہوگا تو مخلوق خدا کے حقوق کی بھی رعایت لازمی ہوگی۔

ایک بزرگ کے یہاں بہت سے پاگل رہتے تھے، ان کے کھلانے پلانے کا انتظام کرتے تھے، کسی نے کہا کہ حضرت! یہ کیا آپ نے پاگلوں کو جمع کر رکھا ہے، انکو تو پتہ بھی نہیں ہے کہ آپ ان کو کھلا پلا رہے ہیں، کہا: ان کو پتہ نہیں لیکن ان کے خالق کو تو پتہ ہے، اللہ کو معلوم ہے کہ میری مخلوق کے ساتھ یہ معاملہ کر رہا ہے، تو امید ہے کہ اللہ میرے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کریگا۔

مدرسہ میں بدخلقی، بدعنوانی دیکھ کر بعض دفع خیال آتا ہے کہ مدرسہ کو بند کردیں اس لئے کہ اس کی وجہ سے بڑی بدنامی ہے اور بڑی بے عزتی ہے اس کے باوجود آدمی مدرسہ کا کام کرتا رہتا ہے، اس لئے کہ مولویوں ہی کو کرنا ہے، اور جھیلنا ہے، مصیبتیں آئیں تو اس کو بھی برداشت کرنا ہے، بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو آدمی گوارہ نہیں کرتا، لیکن اللہ کے حکم کی وجہ سے اس کو گوارہ کرتا ہے، اللہ ہی نے یہ فرمایا ہے کہ کتاب وسنت کی تعلیم کو عام کرو، اسلئے ہم یہ کام کر رہے ہیں۔

سلام کی اہمیت

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " **لایحل للرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلث لیال یلتقیان فیعرض ھذا ویعرض ھذا وخیرھما الذی یبدأ بالسلام** " [متفق علیہ مشکوۃ ۴۲۷] یعنی کسی کیلئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بات چیت چھوڑ دے کہ جب ملاقات ہو تو ایک دوسرے سے اعراض کریں اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو ابتدا بالسلام کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تین دن کے اندر مصالحت کر لینی چاہئے، ایسا نہ کرنے پر وعید سنائی ہے، اب کس کا جی چاہے گا لڑائی جھگڑا ہونے پر اپنے فریق سے بولنے کو۔ لیکن اس بنا پر کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع تعلق سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے اپنا تعلق اس سے درست کرو۔ ایسی حالت میں اگر کوئی ابتداء بالسلام کرتا ہے تو اس کے لئے بہت بڑی بشارت ہے کیونکہ یہ اللہ کا

حکم ہے کہ تم اپنے فریق سے سلام کا تعلق منقطع نہ کرو۔ اس لئے کہ اگر بے تعلقی پر تین دن گذر جائیں گے تو پھر تین سال بھی گذر سکتے ہیں بلکہ زندگی بھی گذر سکتی ہے، جیسا کہ ہوتا رہتا ہے اس بنا پر ان چیزوں کی رعایت کرنی ہوگی۔ تاکہ باہم تعلقات درست رہیں، یہ دینی مقصد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت ہے۔

کسی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مصر کے جامع ازہر کے دو عالم میں باہم اختلاف ہوگیا۔ ایک تیسرے بڑے عالم کو جب یہ معلوم ہوا تو رات ہی میں ان لوگوں کے پاس گئے اور کہا کہ آپ لوگ باہم صلح کر لیجئے، آپس میں میل ملاپ کر لیجئے، میں اس لئے آیا ہوں کہ اگر اس حالت پر رات گذر جائیگی تو یہ اختلاف دل میں جم جائیگا، پھر نکالنا مشکل ہو جائیگا۔

میرے دوستو! یہ اخلاقیات ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "البادی بالسلام بریٔ من الکبر" [رواہ البیہقی، مشکوٰۃ ۴۰۰] جو ابتداء بالسلام کرتا ہے تو وہ اپنے سے تکبر کی نفی کرتا ہے، نیز لکھا ہوا ہے کہ ابتداء بالسلام اگرچہ سنت ہے اور اس کا جواب واجب ہے مگر ابتداء بالسلام میں اس واجب سے زیادہ ثواب ہے اس لئے تم جب علم دین پڑھ رہے ہو پڑھا رہے ہو، سن رہے ہو سنا رہے ہو تو ابتداء بالسلام کرنے میں کونسی تمہاری توہین ہو جاتی ہے۔ دیکھئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو چھوٹے بچوں کو بھی سلام کرتے تھے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ "عن انس قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی غلمان فسلم علیھم" [متفق علیہ۔ مشکوٰۃ ۳۹۷] حضرت انسؓ بیان کرتے

ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے پاس سے گذرے اور ان کو سلام کیا۔ کتنی تواضع تھی اور کتنا انکسار تھا، میرے دوستو! نبی کی یہی شان ہوتی ہے، بادشاہ ایسا نہیں کرتا، وہ تو اپنے تکبر میں رہتا ہے۔ شان وشوکت میں رہتا ہے اپنے لشکر کے ہٹو بچو میں رہتا ہے، لیکن نبی کی شان یہ ہے کہ جتنا بڑا اللہ اس کو مرتبہ دیتا ہے اس میں جھکاؤ پیدا ہوتا ہے اور یہی علمائے ربانیین کی شان ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا تواضع تھے عین اس وقت جب کہ مکہ والوں سے بدلہ لینے پر پوری طرح قادر ہو چکے تھے اس وقت آپ کے تواضع کا عالم اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے ”عن انسؓ قال دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة يوم الفتح وذقنه على راحلته متخشعا“ [البدایہ والنھایہ ۴/۲۲۰] حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں ایسے تواضع کے ساتھ داخل ہوئے کہ آپ کی ٹھوڑی جانور سے ٹکرا رہی تھی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ نے نکالا تھا۔ ہجرت پر مجبور کیا تھا ایسے موقع پر آدمی اور زیادہ اکڑ کر چلتا ہے کہ دیکھو آج ہم کس طرح آرہے ہیں، کس طرح ہم فتح یاب ہو گئے ہیں، کس طرح ہم نے تم کو زیر کر دیا ہے۔ لیکن جھک کر کعبہ، بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے، یہ سنت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ آدمی خواہ بڑے سے بڑے منصب پر فائز ہو تو اس کے اندر اتنا ہی انکسار، عاجزی آنی چاہئے

حدیث پاک میں ہے " من تواضع لله رفعه الله "[رواہ البیہقی، مشکوٰۃ:۴۳۴] جو اللہ کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو رفعت دیتا ہے، لوگوں کے قلوب میں اس کی عزت دیتا ہے آپ دیکھئے متکبر آدمی کی وقعت دلوں میں نہیں رہتی، اس سے خوف رہتا ہے، ڈر رہتا ہے، ڈر کی وجہ سے آدمی اس سے دبا رہتا ہے، جیسے سانپ اور بچھو سے ڈرتا ہے تو کیا اس کی محبت کی بنا پر ڈرتا ہے، اس کی عظمت کی بنا پر ڈرتا ہے؟ ادھر آدمیوں میں بھی بہت سے سانپ اور بچھو ہیں، جن کے ضرر سے آدمی ڈرتا ہے اور خوف سے اس کے سامنے جھکاؤ اختیار کرتا ہے تو وہ متکبر شخص سمجھتا ہے کہ ہم کو یہ آدمی بہت مانتا ہے اور ہم کو بڑا سمجھتا ہے مگر اس کا دلی حال یہ ہے کہ اگر موقع مل جائے تو اس کو ہلاک کر دے۔

گلستاں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک کوتوال تھا، اس نے پتھر سے ایک بوڑھے کو مارا تھا اس وقت وہ اپنی ڈیوٹی پر تھا، منصب پر تھا لیکن اس کے بعد پھر وہ بادشاہ کے عتاب میں آ گیا اور بادشاہ نے اس کو کنویں میں لٹکا دیا اور کہا سب لوگ اس کو پتھر سے مار کر ختم کر دو تو وہ بوڑھا بھی پتھر لے کر گیا اور اس کوتوال کو مارا تو اس کوکوتوال نے کہا کہ آخر تم نے مجھے کیوں مارا؟ تو کہا کہ فلاں موقع پر تم نے اسی پتھر سے مارا تھا اس کو رکھ چھوڑا تھا۔ آج اس سے میں نے بدلہ لے لیا۔

میرے دوستو بزرگو! ان متکبروں کی دلوں میں قدر و منزلت نہیں ہوتی بلکہ ان کے ظلم و ستم کی وجہ سے لوگ دبتے ہیں، گاؤں میں بھی بعض لوگ پردھان اور چودھری ہو جاتے ہیں تو لوگ اس سے ڈرتے ہیں کہ بھائی چپ چاپ رہو یہ بڑا

ظالم ہے۔ ابھی ہمارا نقصان کردیگا، ابھی ہم کو اذیت پہنچائیگا۔ ان دنیاداروں کا احترام صرف بناوٹی ہوتا ہے۔ یہ عزت بناوٹی ہوتی ہے، دل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بخلاف انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین کے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ان پر نثار ہوجاتے ہیں، اپنی زندگیوں کو اور اپنی تمام چیزوں کو ان پر قربان کردیتے ہیں۔

صحابی کا عبرتناک واقعہ

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار پکڑ کر مارنے لگے اور کہہ رہے تھے کہ اے زید کیا تم یہ پسند کروگے کہ تم اس وقت گھر میں ہوتے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری جگہ ہوتے حضرت زیدؓ نے فرمایا: " واللہ ما احب ان محمدا یشاك فی مکانه شوکة تؤذیه وانا جالس فی اهلی" [صفوۃ الصفوۃ: ۱/۶۴۹] یعنی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے یہ گوارہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ہیں وہاں ان کو ایک کانٹا بھی چبھے اور ہم اپنے گھر آرام سے رہیں، آج ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے معمولی اذیت کو بھی گوارہ نہیں کرسکتے، یہ صحابۂ کرامؓ کا حال تھا، یہ عزت تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے قلوب میں، نبی علیہ السلام چونکہ سب کی رعایت کرتے ہیں اسلئے سب لوگ ان کی رعایت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈالتے ہیں، اور یہ محبت عرش سے آتی ہے، لوگوں کے قلوب میں حسن ظن، لوگوں کے قلوب میں محبت، لوگوں کے قلوب میں تعلق یہ سب اللہ تعالیٰ ڈالتے ہیں، یہ اللہ کی شان ہے۔

تو میں کہہ رہا تھا کہ ہمارے بزرگانِ دین مخلوق پر شفقت، تواضع، انکساری پیش کرتے ہیں کہ کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، کسی کو کوئی اذیت نہ پہنچے اس کا اہتمام کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو بڑھاتے ہیں، ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو ان کے پسینہ کی جگہ پر خون بہانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، ایک پیسہ کے بجائے سو روپیہ خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، جب اس نے رعایت کی تو آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ تو ملے گا ہی دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ بہت کچھ عنایت فرماتے ہیں لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت اور سارے عالم میں شہرت سے نوازتے ہیں۔

میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا ملفوظ بیان کر رہا تھا کہ دلداری اور ہمدردی سے بڑھ کر قیامت کے بازار میں کسی چیز کی قیمت نہیں، کھانے کے بارے میں دیکھ لیجئے کہ کتنی سادگی تھی، کتنی بے نفسی تھی، مگر افسوس کہ بعض ایسے لوگ بھی تھے جو یہ سمجھے کہ اکیلے کھاتے ہیں تو خوب اچھا کھاتے ہونگے مگر بعد میں جب دیکھا تو معلوم ہوا کہ جو دستر خوان پر گر گیا تھا، پلیٹ میں جو چھوٹ گیا تھا اس کو وہ کھا رہے تھے، بتلائیے یہ کس قدر کمال کی بات ہے کہ اپنے مریدین کا جھوٹا کھانا تناول فرماتے تھے، عام طور سے مشہور یہ ہے کہ آپ کا دستر خوان نہایت شاہی ہوتا تھا یہ بات صحیح ہے مگر دوسروں کے لئے سب کچھ تھا اپنے لئے کچھ نہ تھا۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ کے یہاں ایک آدمی گئے تو وہاں دیکھا کہ خوب عمدہ کھانا پینا ہے

عمدہ فرش بھی بچھا ہوا ہے تو انہوں نے کہا کہ

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

وہ بزرگ ہو ہی نہیں سکتا جو دنیا کو محبوب رکھتا ہو۔

یہ مصرع پڑھ دیا اور ان سے بغیر ملے ہی چلے گئے، مسجد میں جا کر سو گئے اب خواب دیکھا کہ قیامت برپا ہے، ان کو ایک آدمی نے پکڑا اور کہتا ہے کہ ہمارا تم پر اتنا حق ہے تم دے دو، انہوں نے کہا میں یہاں کہاں سے دوں میں تو یہاں بالکل مجبور ہوں، میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ خواب ہی میں وہ بزرگ آئے اور انہوں نے کہا ارے ارے ان کو چھوڑ دو یہ میرے خاص آدمی ہیں، ان پر کتنا باقی ہے، تو بتلایا کہ اتنا باقی ہے، ان بزرگ نے فوراً اتنی رقم دے دیا، اب اس کے بعد ان کو تنبیہ ہوئی اس لئے بیدار ہوتے ہی فوراً شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا حضرت معاف کر دیجئے، کہا کوئی بات نہیں، خواب وخیال کو چھوڑو، کہا حضرت معاف فرما دیجئے، بہرحال ان بزرگ نے کہا کہ معاف کروں گا، لیکن پہلے وہ مصرع پڑھو جو تم نے پڑھا تھا اب شرم کے مارے پڑھا نہیں جاتا، بہت کہنے کے بعد انہوں نے پڑھا

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

کہا اتنا اور ملا لو........

اگر دارد برائے دوست دارد

اگر دنیا رکھتا ہے تو دوستوں کے لئے رکھتا ہے اپنے لئے نہیں رکھتا۔

میرے دوستو بزرگو! یہ اہل اللہ کا معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق صحیح ہوتا ہے، اس لئے ان کی مخلوق پر شفقت لازماً ہوتی ہے۔

دنیا کی حقیقت

کسی کا جی ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ ہم کسی کے سامنے جھکیں، لیکن صرف اس بنا پر جھکتا ہے کہ یہ جھکنا اللہ کو پسند ہے، آدمی بڑائی کو چاہتا ہے، برتری کو چاہتا ہے لیکن اس بنا پر کہ بڑائی وغرور اللہ کو پسند نہیں، لہٰذا کبر وغرور کو نیست ونابود کر دیتا ہے، اگر علم کسی کو ملا ہے کیا بڑائی ہے اللہ کا عطیہ ہے جب چاہے اللہ سلب کر لے، اللہ نے مال دیا اس سے بھلا کیا بڑائی ہے جب چاہے لے لے، صحت دیا ہے کیا بڑائی ہے، جب چاہے اس کو سلب کر لے، آئے دن آپ فنا وزوال کے واقعات دیکھ رہے ہیں، بہت سے لوگوں کو میں نے دیکھا مکان کھڑے ہو کر بنایا، رہنے بھی نہیں پائے کہ مر گئے۔ یہ ہے دنیا کی حیثیت اور حقیقت، دنیا کی یہی حیثیت ہے کہ اس کے اندر کوئی قرار نہیں ہے۔ قرار تو بس دار القرار کو ہے۔ دار القرار تو جنت ہی ہے۔ یہ دار الفنا ہے، وہاں دار القرار ہے، وہاں ہر چیز میں بقاء ہے ہر چیز میں قرار ہے، ہر چیز میں ثبات ہے، اسی لئے یہاں جو اللہ کے لئے محبت ہے اس محبت میں قرار ہے، اس محبت میں ثبات ہے، یہی محبت ایسی ہے جو کارگر ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا داروں کی محبت دن رات ٹوٹتی رہتی ہے۔ لیکن اہل اللہ کی جو باہمی محبت ہے وہ نہیں ٹوٹتی۔

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی
ولے بنائے محبت کہ خالی از خلل است

ہر بنا خلل پذیر ہے، خلل آتا ہے، ہر کوئی عمارت مضبوط سے مضبوط بناؤ خلل آجاتا ہے، تاج محل کے اندر بھی خلل آرہا ہے، تمام ہندوستان میں چرچا ہے تاج محل کتنی مضبوط اور کتنی خوبصورت عمارت ہے، لیکن خلل آرہا ہے، اس کے رنگ میں تغیر آرہا ہے، مگر اللہ کی محبت اور اس واسطہ سے جو محبت ہے وہ تغیر اور خلل سے خالی ہے، اسی بنا پر حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ ہم لوگوں کی محبت کا معاملہ زیادہ تھا بہ نسبت عقیدت کے، اور جن لوگوں نے بنیاد عقیدت پر رکھی وہ کتنے ایسے نکلے کہ ان کی خلافت تک سلب ہوگئی۔

طریقت کی بنیاد محبت پر ہے

محبت کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے اس میں خلل نہیں ہوتا، عقیدت والی بنیاد کیا ہے؟ تھوڑی سی کوئی بات خلاف طبیعت ہوتی ہے تو عقیدت ختم ہو جاتی ہے اس بنا پر محبت بہت بڑی چیز ہے۔

نظر کردیم در خرمن کائنات
یک دانۂ محبت است باقی ہمہ کار

یعنی ہم نے دنیا کے کھلیان میں نظر کیا تو دیکھا کہ محبت کا صرف ایک دانہ ہی

کارآمد ہے اور بقیہ سب گھاس پھونس ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں، محبت ہی کو اللہ نے بنیاد بنایا، سارے عالم کی بنیاد اسی محبت پر ہے، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے صالحین بندوں کے متعلق فرمایا: کہ وہ لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں ان سے محبت کرتا ہوں، محبت کا بڑا مقام ہے۔

اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا: " الحب أساسي " (الشفاء) حب میری بنیاد ہے، طریق کی بنیاد کیا ہے؟ محبت ہے، پہلے سال موضع ٹنکاریہ میں فریق مخالف کی طرف سے خلفشار ہو گیا تھا۔ میں نے کہا تمہارے نبی کہہ رہے ہیں " الحب أساسي " محبت میری بنیاد ہے۔ میں آیا ہوں یو پی سے، اتنی بھی محبت نہیں کہ مجھے تقریر کرنے دو خود اپنے نبی علیہ السلام کے متعلق اللہ فرما رہے ہیں "انك لعلى خلق عظيم " آپ خلق عظیم پر ہیں، اور ہم بدخلق عظیم پر ہو جائیں کتنی بری بات ہے کہ نبی اور امتی میں جوڑ نہ ہو، جو اخلاق نبی کے ہیں اس کا پرتو اس کی امت میں ہونا چاہئے، جو اخلاق شیخ کے ہیں اس کا پرتو اس کے مریدین پر بھی ہونا چاہئے، جو اخلاق استاذ کے ہیں اس کا پرتو شاگردوں پر بھی ہونا چاہئے۔ باپ کا اثر اس کے لڑکوں پر ہونا چاہئے۔

ارادت کا مطلب

مگر میرے دوستو! اب یہ حال ہے کہ شیخ تو بہت نرم ہے اور مرید بہت سخت، شمشیر برہنہ، بلکہ خود مرید اعتراضاً کہتا ہے کہ ہمارے شیخ بہت نرم ہیں۔ پس جب

تم نے اعتراض کر دیا تو کچھ نہیں پاؤ گے، جو خلق تمہارے اندر نہیں ہے اور شیخ کے اندر ہے تو اس خلق کو پیدا کرو، یہ ہے کمال، اگر تمہارے اندر کوئی اچھا خلق ہے تو وہ اس کو اپنی جگہ رکھو لیکن شیخ کے اندر اگر کوئی خلق ہے تو تم نے اصلاحی تعلق پیدا کیا ہے تو اسی خلق کو پیدا کرنے کیلئے کیا ہے، نہ کہ اس کی اصلاح کرنے کیلئے آج بہت زیادہ محرومی اسی بنا پر ہے کہ اپنے شیخ پر اعتراضات اور طرح طرح کے وساوس اور رخیالات کو اپنے دلوں میں جگہ دیتے ہیں، تو بتایئے کیسے اصلاح ہو گی؟

آپ کا خیال یہ ہے کہ یہاں سختی ہونی چاہئے، شیخ چاہتا ہے کہ یہاں نرمی ہو، کس کی بات مانی جائیگی، شیخ کی بات مانی جائیگی اسلئے کہ اگر آپ کے کہنے کے مطابق شیخ چلے تو پھر آپ ہی شیخ بن جایئے، اور اس کو مرید کر لیجئے۔ ارادت کا مطلب ہی یہی ہے کہ سلب ارادہ ''ارادۃ'' باب افعال سے ہے، اس میں جو ہمزہ ہے وہ سلب کیلئے ہے جو مولانا لوگ ہیں وہ جانتے ہیں کہ باب افعال کی ایک خاصیت سلب ماخذ کی بھی ہے، تو ارادت کے معنی سلب ارادہ کے ہیں، یعنی اپنے ارادہ کو شیخ کے مقابلہ میں ختم کرو، تب کامیاب ہوں گے۔

حضرت لقمان حکیم کا واقعہ

حضرت لقمان حکیم کا واقعہ ہے یا کسی اور کا کہ ایک شخص ان کو خرید کر گھر لے گیا، ان کا جسم بالکل کالا تھا، کوئی خریدتا نہیں تھا، مالک نے اس سے پوچھا کیا کھاؤ گے، کہا جو آپ کھلا دیں، مالک کے سامنے ہماری کیا رائے؟ کیا پہنو گے کہا کہ جو

آپ پہنا دیں، مالک کے سامنے ہماری کیا رائے ؟ کہاں سوؤ گے ، کہا جہاں سلا دیں ، کہا ارے تم عجیب غلام ہو، کہ سب کچھ ہماری رائے پر چھوڑ تے ہو، کیا تمہاری کوئی رائے نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ غلام ہونے کے بعد اس کا بالکل اختیار نہیں رہتا، اسی کی رائے رائے ہے، غلام کی بھی بھلا کوئی رائے ہوتی ہے، پس مالک کی چیخ نکل گئی کہ اس غلام کا ایک مجازی مالک کے ساتھ یہ معاملہ ہے اور ہمارا حقیقی مالک کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے کہ جو اللہ چاہے وہی ہو جو اللہ کی مشیت ہو اس پر ہم راضی ہوں، اس سے اچھا تو ہمارا یہ غلام ہے جو مالک مجازی کے ساتھ یہ معاملہ کر رہا ہے، ہم تو اللہ کے عبد ہیں، اللہ کے مملوک ہیں پھر بھی اس کے ساتھ ہمارا یہ معاملہ نہیں، کہا کہ بھائی دیکھو اب تم ہمارے غلام نہیں ہو، تم آزاد ہو ہمارے مخدوم ہو، تم رہو ہم تمہاری خدمت کریں گے، اس کے بعد اس نے مالک سے کہا کہ حضرت! آپ نے تو ہم کو آزاد کر دیا اس لئے مہربانی کر کے ذرا ہم کو قرآن پڑھ کر سنا دیجیے ، چنانچہ مالک نے چند آیات پڑھی تھیں کہ چیخ ماری اور اللہ کے یہاں پہنچ گیا۔

میرے دوستو بزرگو! اللہ کے کیسے کیسے بندے ہوتے ہیں ۔ جب آدمی اپنی مشیت کو اللہ کی مشیت میں فنا کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کو دولتوں سے نوازتا ہے۔

نیم جان بستاند و صد جان بدہد

آدھی جان لیتا ہے اور سینکڑوں جان دیتا ہے۔

تھوڑی دیر کی مشقت پر کتنا اجروثواب دیگا، کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کا اجر اتنا ہے کہ دنیا میں سما ہی نہیں سکتا۔

بنیادی عقائد

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کہنے کو دنیا و مافیھا سے بہتر سمجھو، اللہ کا نام ایسا ہے کہ اس کے سامنے کوئی چیز ٹک نہیں سکتی، اللہ کا نام ترازو کے جس پلڑے پر آجائیگا، سارے عالم سے اس کا وزن بھاری ہو جائیگا، ایک پرچہ رکھا جائیگا، جس میں اللہ کا نام ہوگا، اور وہ پلڑا بھاری ہو جائیگا، اس بنا پر تھوڑا عمل، چھوٹا عمل اگر آپ کریں گے، اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کریں گے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کریں گے، تو اتنا ثواب ہے کہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا، یہ دنیا کیا ہے دارالابتلاء ہے دارالشہوات ہے، دارالمصائب ہے ایسی صورت میں کوئی شخص اپنا تعلق اللہ سے درست رکھتا ہے اور ہر طرف سے اپنی نگاہ منقطع کر کے اللہ کی طرف کرتا ہے تو اللہ کو بھی اس سے محبت ہو جاتی ہے، پس اے دوستو! اپنا تو یہ حال ہونا چاہئے۔

دل آرائے کہ داری دل درو بند
دیگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

جو محبوب رکھتے ہو اس کی طرف توجہ کرو اسی سے دل لگاؤ اس کے علاوہ جتنے محبوبان مجازی ہیں ان سے آنکھیں بند کرلو تب کچھ ملے گا، لا الہ الا اللہ میں اسی کی

تعلیم ہے ۔لامحبوب الا اللہ ۔ پس سوائے اللہ کے کوئی محبوب نہیں رہنا چاہئے ، لامقصود الا اللہ سوائے اللہ کے کوئی مقصود نہیں رہنا چاہئے ، معمولی بات نہیں ہے ، اس کا اہتمام ، اس کا التزام ہر آدمی کر سکتا ہے ، یہ نہیں کہ صرف خانقاہ میں جو پڑے ہیں وہی اس کا اہتمام کریں بلکہ ہر آدمی کی ذمہ داری یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت کو اپنے قلب میں جمائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو اپنے قلب میں جمائے ، قیامت کے اعتقاد کو جمائے ، ہر شخص کیلئے ضروری ہے ، یہ نہیں ہے کہ صرف خواص کیلئے ہے عوام کے لئے نہیں ؟ یہ بنیادی عقائد ہیں جو ہر مسلمان کے لئے لازم ہے ، اس کے بغیر ایمان ہی نہیں رہے گا ، اس بنا پر ان چیزوں کا استحضار بہت ضروری ہے ، اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے ۔ آمین ۔

خلیل اللہ ہونے کے اعمال

حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے ، یعنی آپ اللہ کے گہرے دوست تھے ، اس لئے کہ خلت کہتے ہیں گہری دوستی کو ، ایک ہے دوستی ، ایک ہے گہری دوستی ، یہ خلت کا درجہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو ملا ، آپ جانتے ہیں یہ کیونکر ملا ؟ اعمال فطرت پر انہوں نے عمل کیا تو اللہ نے خلت کا درجہ دیا ، ناخن کا تراشنا ، موئے زیر بغل اور موئے زیر ناف کا لینا ، مونچھوں کا تراشنا وغیرہ ، اسی پر خلت کا درجہ ملا ، معمولی ہی تو عمل ہے ، فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ ناخن بڑھے ہوئے ہونا نہیں چاہئے ، مگر اب لوگ اتنے بدفطرت ہو گئے ہیں کہ ناخنوں کو بڑے بڑے رکھتے ہیں ، اور عورتیں

بھی رکھتی ہیں، معلوم نہیں کیوں ایسا کرتی ہیں، یہ بھی فیشن ہو گیا ہے، اس لئے کہ انگریزوں نے ایسا کر دیا تو فطرت ہی کو بدل دیا، بس اب عورتیں بھی خوش ہیں، مرد بھی خوش ہیں، اکبر مرحوم نے بہت عمدہ کہا ہے ؎

بے پردہ جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمین میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جوان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

یعنی کسی نے کہا حضرت پردہ ختم ہو گیا کہا ہاں مردوں کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے۔ اور عورتوں میں پردہ ختم ہو گیا۔ مرد بھی اس سے خوش ہیں ان کو بھی یوں ناخن بڑھا ہوا اچھا لگتا ہے، یہ فطرت کے خلاف چیزیں ہیں، جب آدمی بددینی اختیار کرے گا تو جو فطرت کی چیزیں ہیں، جو عام بری چیزیں ہیں جو جانور بھی پسند نہیں کرتے وہ پسند کرنے لگے گا، اور شروع میں جو آیت جو میں نے پڑھی ہے اس سے پہلے والی آیت میں یہی ہے کہ چونکہ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی ان کے نفسوں کو بھلا دیا۔

جہاں چاہے جاؤ، چاہے گمراہ ہو جاؤ، چاہے دوزخ میں جاؤ، جہاں بھی جاؤ چونکہ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی ان کے نفسوں کو بھلا دیا، یہ نہیں کہا کہ مجھ کو بھلا دیا، خود ان کے نفسوں ہی میں غلطاں اور پیچاں کر دیا۔

میرے دوستو بزرگو! احکام فطرت، اعمال فطرت کے کرنے ہی سے اللہ کے

بندے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہو گئے، تو یہ چیزیں کیا ہمارے لئے مفید نہیں ہوں گی؟ ابراہیم علیہ السلام کے دین کو فطرت سے تعبیر کیا ہے، اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ﴿ وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ﴾ [النحل / ۱۲۳] ملت ابراہیمی کی آپ اتباع کیجئے، یہی تو سب چھوٹی چھوٹی چیزیں تھیں، کونسی مشکل ہے ناخن کٹوالینا، مونچھ کتروانا، یہ کوئی مشکل چیز ہے؟ لیکن چونکہ احکام فطرت ہے، اعمال فطرت ہیں اس بنا پر اللہ تعالیٰ کو اتنے پسند ہیں کہ ان کو کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ان کو خلیل اللہ بنا دیا، کتابوں میں دیکھ لیجئے اور بھی کچھ اقوال ہوں گے، یہ بھی ایک قول ہے جسے میں نے حضرت مصلح الامتؒ سے سنا ہے۔

کتے کو پانی پلانا مغفرت کا سبب

میرے دوستو بزرگو! یہ چھوٹے چھوٹے اعمال جن کو آپ ہم زیادہ نہیں سمجھتے، اسی پر اللہ تعالیٰ کے یہاں قرب مرتب ہوتا ہے، معمولی چیز آپ نے کسی کو دے دیا، کسی کو کوئی اچھی بات کہہ دیا وہی اللہ کو پسند آ گئی، کسی کو پانی پلا دیا پسند آ گیا تو بیڑا پار ہے، کنویں سے پانی نکال کر ایک فاحشہ عورت نے کتے کو پانی پلا دیا تھا، کتا مر رہا تھا، ہانپ رہا تھا اس کو فاحشہ عورت نے پانی پلا دیا، اس زمانہ کے نبی پر وحی آئی کہ اسے کہہ دو کہ ہم نے تمہاری مغفرت کر دی۔ تو صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا" یارسول اللہ وان لنا فی البهائم اجرا فقال فی کل ذات کبد رطبة

اجو"[بخاری ۸۸۹/۲] کہ یارسول اللہ کیا کتے کو پانی پلانے سے بھی مغفرت ہو سکتی ہے؟ یہ بھی موجب اجر وثواب ہے؟ فرمایا ہر ذی کبد یعنی ہر جگر والے کے ساتھ جب اچھا معاملہ کیا جائیگا تو اللہ کو یہ ادا پسند ہوگی۔ کتا پیاسا تھا اس کی پیاس کے بجھانے پر اس کو اتنی بڑی مغفرت کی نعمت اور دولت مل گئی تھی۔

علم کی فضیلت

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ جو مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے بانی ہیں اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ جن کو آپ جانتے ہی ہیں، اتنے بڑے ہمارے مشائخ میں سے ہیں بلکہ شیخ المشائخ، علمائے دیو بند کے شیخ وہی ہیں، مولانا رحمت اللہ صاحبؒ بھی بہت بڑے عالم ہیں جنہوں نے ''اظہار الحق'' نامی کتاب لکھی ہے۔ عیسائیت کے رد پر اس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ہے، پادری سے مناظرہ کیا تو وہ بھاگ گیا۔ بہر حال قصہ بہت طویل ہے، حضرت حاجی صاحبؒ اور ان میں تھوڑا سا اختلاف ہو گیا، مولانا رحمت اللہ صاحبؒ برابر مدرسہ کا ذکر کیا کرتے تھے اور حضرت حاجی صاحبؒ کا مزاج خانقاہی تھا تو حضرت حاجی صاحبؒ نے کہا مولانا رحمت اللہ! تمہاری باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسجدوں کو تو ڑوا کر مدرسہ بنوادو گے اور آپس میں بول چال بند ہو گئی۔ کتنی بڑی بات ہوئی، مولانا رحمت اللہ صاحبؒ تین دن کے اندر حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں آئے اور کہا حاجی صاحب معاف کر دیجئے، حاجی صاحب نے کہا بھائی آپ تو جیت گئے

اس لئے کہ میں چونکہ جاہل ہوں اس لئے مجھ کو توفیق نہیں ہوئی آپ سے معافی مانگنے کی اور آپ چونکہ عالم ہیں اس لئے آپ جانتے تھے کہ اس کی کیا فضیلت ہے ،اس لئے تو تین دن کے اندر آپ نے آکر معافی مانگ لی، پس میں ہار گیا تم جیت گئے ، ہمارے بزرگوں کے ایسے جھگڑے ہوا کرتے تھے، کتنی بڑی بات ہے۔ کیا مولانا رحمت اللہ صاحب چھوٹے ہو گئے ؟ بلکہ حضرت حاجی صاحبؒ کے نزدیک بھی بڑے ہو گئے ، بادشاہوں کے نزدیک ان کی قدر تھی ، بلائے جاتے تھے ۔ اسلامی معاشرہ یہی ہے، یہ نہیں کہ تھوڑی بات ہوئی اور آپ نے منہ پھیر لیا۔ پھر کبھی بولنے چالنے کے روادار نہیں، اس سے دشمنی پر آمادہ ہو گئے۔ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو اسلام کے تقاضے کے بالکل خلاف ہیں۔

معاف کرنے کی ترغیب

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ شہوات سے جہنم گھیری ہوئی ہے، شہوات پر جب آدمی عمل کریگا تو جہنم میں جائیگا، شہوت یہ ہے جی چاہتا ہے کہ اس کو سخت جواب دو، اینٹ کا جواب پتھر سے دو لیکن خاموش ہو گئے کہ اس بے چارے کو ہم مار کر کیا کریں گے معاف کر دو، اللہ کو یہ چیزیں بہت پسند ہیں ۔ ایک آدمی نے حرم شریف میں مجھ سے ایک حدیث کے متعلق پوچھا میں نے کہا مشکوٰۃ شریف میں ہے وہ یہ ہے " ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من انظر معسرا او وضع عنه اظل اللہ فی ظله" [رواہ مسلم مشکوٰۃ ۱۵۱/۲] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے یا اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سائے والے حصہ میں جگہ دیں گے۔ تھوڑا سا حق، یہ بھی نہیں کہ لاکھ دو لاکھ کا حق تھا، اللہ تعالیٰ کیلئے اس دو سو کا حق معاف کر دو، دس بیس کا معاف کر دو، بہت زیادہ اس کا اجر و ثواب ہے، قرض خواہ کوئی ہو قرض خواہ نے کچھ قرض معاف کر دیا، یا سہولت دے دیا اس کا بھی بہت بڑا مرتبہ ہے۔ میرے دوستو! لیکن آج حال یہ ہے کہ دسیوں ہزار ضائع کرتا ہے لیکن اپنے بھائی پر جو دس روپیہ ہے اس کو معاف نہیں کرتا، مشاہدات سامنے ہیں، کچہری تک مقدمہ لے جاتا ہے، شادیوں میں فضول خرچ کرتا ہے لیکن اپنے بھائی کو دس روپیہ دیکر مدد نہیں کرتا، کیونکہ شادی میں خرچ کرنے میں نام و شہرت سمجھتا ہے، اور نام وام کچھ نہیں ہوتا سوائے تذلیل و تحقیر کے کچھ حاصل نہیں کرتا، ایسی دعوتوں سے سب گالی دیتے ہوئے آتے ہیں لیکن اس کے ذہن میں ہوتا ہے کہ ہم پچاس لاکھ خرچ کریں گے تو بڑے کہلائیں گے، کچھ نہیں سب لوگ کہیں گے نہایت نامعقول آدمی ہے، اتنا سب خرچ کیا مگر انتظام صحیح نہیں تھا، کھانے کو بھی نہیں ملا۔

ایک حاجی آدمی ہے نام نہیں لوں گا وہ بمبئی میں رہتا ہے اس نے سات لاکھ روپیہ شامیانہ بنانے میں خرچ کیا۔ اور پتہ نہیں شادی میں کتنا خرچ کیا ہوگا، کسی نے کہا میاں تم حاجی ہو اور یہ سب باجے اور ناچ گانے میں اپنا مال ضائع کر رہے ہو جو بالکل حرام ہے اور آپ کیلئے تو بالکل ہی نامناسب ہے کہا کہ میرے نام کے آگے سے حاجی کا لفظ ہی نکال دو، ہم کو کیا ضرورت حاجی کہلانے کی۔ اب بتلایئے

حاجی ہونے کی بھی قدر نہیں ، ناچ گانے کی خواہش ہے اور یہ خواہش ہے کہ ہمارے لڑکے کی شادی ایسی ہو کہ دنیا دیکھے لیکن آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے لوگوں کو بہو بھی خراب ہی ملتی ہے ، عموماً ایسا ہی ہوتا ہے ، بعض مرتبہ جلدی جدائی بھی ہو جاتی ہے ، شادی ہونے میں دیر نہیں لگتی کہ طلاق کی نوبت آجاتی ہے۔

زبان کی حفاظت

بہرحال میرے دوستو! شہوات سے گھرنے کا مطلب یہی ہے کہ اس پر اگر عمل کریگا تو جہنم میں گرے گا ، حدیث میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان العبد لیتکلم بالکلمة من رضوان الله لایلقی لها بالاً یرفع الله بها درجات وان العبد لیتکلم بالکلمة من سخط الله لایلقی بها بالاً یهوی بها فی جهنم" [رواہ البخاری، مشکوۃ: ۴۱۱] یعنی جب بندہ اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نکالتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے تو اگر چہ وہ بندہ اس بات کی اہمیت کو نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے درجات بلند کر دیتا ہے ، اسی طرح جب بندہ زبان سے کوئی ایسی بات نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کا سبب بن جاتی ہے تو اگر چہ وہ بندہ اس کی اہمیت کو نہیں جانتا لیکن وہ اس کی وجہ سے جہنم میں گر پڑتا ہے ، یعنی انسان بغیر کسی اہمیت کے زبان سے کلمہ کفر نکالے گا تو جہنم میں چلا جائیگا ، اور اگر ایک کلمہ ایمان کا کہہ دیگا تو جنت میں چلا جائیگا چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ما من عبد قال لا اله الله ثم مات علي ذالك دخل الجنة“

[متفق علیہ مشکوٰۃ ۱۴؍]

یعنی جو شخص لا الہ الا اللہ پڑھے اور اسی پر اس کا خاتمہ ہو جائے تو وہ جنت میں جائیگا۔ اور اگر اسی کا انکار کردے تو جہنم میں جائیگا، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ زبان کی حفاظت کرو اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کو کم نہیں سمجھنا چاہئے اور نہ کسی نیکی کو کم سمجھنا چاہئے غرض جس میں اللہ کی مرضی ہو اس کو بجالانا چاہئے، اپنی طبیعت کے تقاضے پر عمل نہ کرنا چاہئے، چنانچہ حضرت سیدنا رفاعیؒ نے اسلام کی کیا ہی خوب تعریف فرمائی ہے کہ اسلام نام ہے تقاضۂ طبیعت کے خلاف کرنے کا۔ ان کے علاوہ کسی نے بھی یہ تعریف نہیں کی ہے۔ حضرت سیدنا رفاعیؒ جو بہت بڑے عالم اور کامل ولی ہیں چنانچہ لوگوں کا خیال ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے ان کا رتبہ کم نہیں ہے۔ دونون ہمعصر ہیں، اسلئے ان کے مریدین میں ایک دوسرے کی بڑائی و بزرگی میں انتشار ہو گیا۔ ہر ایک کے مریدین اپنے شیخ کی تفضیل و ترجیح کو ثابت کرنے لگے، یہ بات دونوں نے دیکھی تو غم ہوا، دونوں حضرات یعنی حضرت سیدنا رفاعیؒ اور سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ اکٹھے ہوئے اور باہم فیصلہ کیا کہ اب سے جو شخص کسی سے مرید ہوگا تو وہ دوسرے کا بھی نام لے گا، مثلاً اگر سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے کوئی بیعت ہوتا ہے تو سیدنا رفاعیؒ کا نام لے اور رفاعیؒ سے بیعت ہو تو عبدالقادرؒ کا نام لے تا کہ دونوں سے بیعت ہو جائے، اس طرح اتفاق و اتحاد ہو گیا۔

ایمان کی تعریف

تو سیدنا رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ اسلام نام ہے تقاضۂ طبیعت کے خلاف کرنے کا ، یہ تعریف نہ میزان میں ملے گی نہ مشکوٰۃ میں، لیکن ان بزرگانِ دین پر کچھ اس قسم کے الفاظ کا الہام ہوتا ہے۔ مثلاً تقاضۂ طبیعت یہ ہے کہ ہم فلاں شخص سے نہ بولیں اور نہ سلام کریں لیکن شریعت کا تقاضا ہے کہ سلام وکلام جاری رکھو، تو طبعی تقاضہ کے خلاف کرو، یہ ہے اسلام۔ اور اگر آپ سلام نہیں کررہے ہیں تو اسلام کے خلاف کررہے ہیں۔

چنانچہ علامہ شعرانیؒ بہت بڑے عالم وبزرگ ہیں، کہتے ہیں کہ بعض مشائخ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا مزاج نہیں ہے کہ ہم کسی کی عیادت کریں کسی کی تعزیت کریں، ہمارا مذاق نہیں ہے کہ کسی سے ملیں، فرمایا: کہ شیخ سے کہا جائیگا کہ تمہاری طبیعت سنت کے خلاف ہے، اس بناپر اس کی اصلاح کرو۔

یوں تو لوگ معمولی چیز کیلئے ہر جگہ آئیں گے جائیں گے، لیکن کبھی دین کی باتوں کو سننے کیلئے سالہاسال گذر جائے نہیں جائیں گے، کبھی کبر مانع ہوتا ہے کبھی بیماری مانع ہوتی ہے، کبھی روپیہ پیسہ مانع ہوتا ہے، اصل بات ہے کہ دین کی وقعت نہیں، دس روپیہ کی وقعت ہے، دس روپیہ کے لئے دوڑ دوڑ کر لوگ آتے جاتے ہیں لیکن دینی مجلس میں شرکت کے لئے موقع نہیں ہے، اگر دین سے ہمیں تعلق وشغف ہوتا تو کبھی بھی یہ بات نہ ہوتی، یہ سب بے طلبی اور دین کی بے وقعتی کی

بات ہے، العیاذ باللہ تعالیٰ۔

بہر حال میرے دوستو بزرگو! علامہ شعرانیؒ نے کہا ہے کہ بہت سے مشائخ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم تعزیت کے لئے، کسی کی زیارت کے لئے کسی کی عیادت کے لئے نہیں جاتے، ارے سوچو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جاتے تھے۔ تم کیسے شیخ ہو بغیر اتباع سنت کے تم شیخ بن ہی نہیں سکتے، تم کو کچھ نہیں ملے گا، ولی نبی کا پرتو ہوتا ہے، ولایت نبوت کی شاخ ہے، اگر ولایت نبوت کے خلاف ہے تو وہ ولایت ہے ہی نہیں، استدراجیت ہے، اس کا کچھ درجہ ہے ہی نہیں۔

یہ اعمال سنت والے ہیں، اس کے اندر بہت نورانیت ہے، بہت جلاء ہے، اس میں قرب کی بہت زیادہ قوت ہے، آپ آئے مسجد کے اندر اعتکاف کی نیت کرلی، درود شریف پڑھ لیا۔ اللهم صل علی محمد ۔ دعاء پڑھ لی " اللهم افتح لی ابواب رحمتك" اتنا ہی پڑھنے سے کتنا ثواب مل گیا کوئی تصور نہیں کرسکتا، جاتے وقت سنت کے مطابق آپ نکلیں، بہت بڑا ثواب ہے، میرے دوستو! جنت کوئی معمولی چیز نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اس میں داخلہ کے لئے بہانا ڈھونڈھتے ہیں۔

رحمت حق بہانا می جوید　　　　رحمت حق بہا نمی جوید

سنت کی اتباع اصل ہے

ایک اللہ والے کا انتقال ہو گیا، کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ بھائی

آپ کا کیا معاملہ ہوا؟ کہا دو پیسے میں مجھ کو اللہ نے جنت دے دی، کہا وہ کیسے؟ کہنے لگے کہ ایک دریا کے کنارے پر میں کھڑا تھا ادھر دوسرے کنارے پر کسی کو چھینک آئی اس نے کہا ''الحمد لله'' میں نے سن لیا تو بس میں نے دو پیسوں میں کشتی کیا اور دوسرے کنارے گیا اور اس کو جواب میں کہا ''یرحمك الله '' اللہ کو یہ ادا اتنی پسند آئی کہ مجھ کو جنت میں داخل کر دیا۔

طبیعت کے خلاف کرنا یہ جنت کے داخلہ کے اسباب میں سے ہے، شہوات پر عمل نہ کرنا یہ دوزخ سے بچنے کا راستہ ہے، شہوات پر عمل کرو گے تو دوزخ کا راستہ کھلے گا، مکارہ سے اگر بچو گے تو جنت کا راستہ کھلے گا، مطلب یہ کہ نماز پڑھنے کو تلاوت کرنے کو، ذکر کرنے کو، سلام کرنے کو جی نہیں چاہتا، لیکن اگر تم یہ سب کرو گے تو ضرور کچھ مشقت ہوگی، تھوڑا سا دل و دماغ پر بار پڑیگا، لیکن اللہ کے نزدیک اس کا بہت بڑا درجہ ہے، یہی سلوک ہے، یہی تصوف ہے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا اور حضرت مولانا اشرف تھانویؒ کا سلوک یہی تھا، اسی کی ان حضرات نے تجدید کی۔ وظائف اصل نہیں ہیں، بلکہ سنت کی اتباع اصل ہے، اس کے ضمن میں یہ وظائف ہیں۔

میرے دوستو! ایک بہت بڑے شیخ زادے تھے، حضرت مصلح الامت سے بیعت تھے اور پہلے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے بھی بیعت تھے، مجھ سے حضرتؒ نے فرمایا کہ ان سے جا کر کہو کہ آج جو شیخ زادے محروم ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے مشائخ کے وظائف کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وظائف پر

ترجیح دیتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بتلائیں ہیں، اور جو دعائیں بتلائی ہیں ان کا بھی ایک درجہ ہے بلکہ سب سے بڑا درجہ ہے، ان کو لیتے ہوئے مشائخ کے وظائف کو پڑھو، ان کو ترک نہیں کر سکتے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منجملہ وظائف کے ایک دوسرے کو سلام کرنا ہے باہم مصافحہ کرنا ہے، ہر وقت کی سنتیں ہیں ان سب چیزوں کو لے کر چلو تو اللہ تک بآسانی پہنچ جاؤ گے، یعنی اللہ کا قرب نصیب ہوگا، قبولیت سے مالا مال ہوں گے۔

ہمارے بزرگوں کا طریق سنت کی اتباع ہے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾ اللہ تم کو محبوب رکھے گا جب کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو گے، اس اتباع رسول ہی میں ساری سعادت ہے۔ اسی میں ولایت ہے، اسی میں اللہ کی رضا و خوشنودی ہے، اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطاع و متبوع بنا کر بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﴾ [انفال/۴۶] اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، جس سے تم کو کامیابی ملے گی۔ ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا، بڑی کامیابی اس کو حاصل ہوگی۔

میرے دوستو! یہ نمبر لے جانے کا وقت ہے۔ حضرت مصلح الامت فرماتے تھے جتنا اتباع کرو گے اتنے ہی کامیاب ہوں گے۔ "من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مائة شهيد" [رواہ البیہقی، مشکوۃ/۳۰] جو فساد امت کے وقت تمسک بالسنّت کریگا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ آج وہی زمانہ ہے اگر ہم

دین پر عمل پیرا ہیں تو دنیا میں بھی انشاء اللہ العزیز ہماری حفاظت ہوگی، ہمارے اموال کی حفاظت ہوگی، ہماری جانوں کی، ہماری عزت کی، ہمارے اداروں کی حفاظت ہوگی اور آخرت میں سرخ روئی نصیب ہوگی، اور جب اللہ ہی سے معاملہ گڑبڑ کیا تو کون حفاظت کرنے والا ہے، جب اللہ حفاظت نہیں کرے تو دوسرا کوئی کیسے حفاظت کرسکتا ہے؟ شیطان تمہارے پیچھے ہے تمہارا دشمن ہے وہ ہرگز تمہاری حفاظت نہیں کریگا، نفس جو بظاہر تمہارا دوست ہے مگر وہ بھی درحقیقت تمہارا سب سے بڑا دشمن ہے " اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك" [رواہ البیہقی، فی کتاب الزھد] سب سے بڑا دشمن تو تمہارے پہلو میں ہے یعنی نفس، بھلا وہ تمہارا کب دوست ہوسکتا ہے؟ اس لئے تم کو تو خود اپنی اصلاح کی فکر کرنی ہے اور نفس وشیطان سے پرحذر رہنا ہے۔ لہٰذا اپنا فریضہ ان کے باطل پروگراموں کو نیست ونابود کرنا ہے ان کے غلط پروگراموں کو توڑنا ہے تاکہ دینی پروگرام تمہارے گھروں میں آئے، تمہارے مدرسوں میں، تمہارے معاشرہ میں آئے، اور جب یہ صالح اسلامی معاشرہ قائم ہوگا تو اللہ کی رحمت نازل ہوگی ﴿ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ ﴾ تم مدد کروگے اللہ کے دین کی تو اللہ تمہاری مدد کریگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین معمولی دین نہیں ہے، ایسا دین ہے کہ اب اس کے بعد دوسرے دین کی ضرورت نہیں ہے، آپ کی کتاب ایسی کتاب ہے کہ اب کسی کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ تمام کتاب آپ پڑھئے اور غور سے سنئے کیسے کیسے مضامین مذکور ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ لَا يَسْتَوِىٓ اَصْحٰبُ

النَّارِ وَاَصۡحٰبُ الۡجَنۃِ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ھُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ﴾ یعنی وہ جنت والے کامیاب لوگ ہیں۔ اہل دوزخ کامیاب نہیں ہیں، اسلئے جنت میں داخلہ کیلئے دعا بھی کرنی چاہئے، التجاء بھی کرنی چاہئے، دوزخ سے اور دوزخ والے اعمال سے پناہ مانگنا چاہئے، جنت اور جنت والے اعمال اختیار کرنا چاہئے، یہ ہے طریق، یہ ہے سلوک، یہ ہے خانقاہ، یہ ہے مدرسہ، یہ ہے اسلام اور یہ ہے دین۔

منہیات سے بچو جو اللہ کو ناپسند ہے چاہے چھوٹے سے چھوٹا گناہ ہو، حدیث پاک میں ہے **"ایاکم ومحقرات الذنوب"** [رواہ البیہقی، مشکوٰۃ ر ۴۵۸] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں سے تم اپنے کو بچاؤ۔ یہ سب حدیثیں موجود ہیں، محقرات الذنوب کونسی چیزیں ہیں، علماء سے پوچھ لیں، حاصل یہ ہے کہ جو چھوٹے گناہ ہیں ان سے بھی بچو اور جو چھوٹی نیکیاں ہیں ان سے بھی گریز نہ ہو بلکہ ان کو بھی اختیار کرو، ازروئے فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم **"یا ابا ذرؓ اذا طبخت مرقا فاکثر ماء ھا وتعاھد جیرانک"** [مسلم کتاب البر] اے ابوذرؓ! جب تم کھانا پکاؤ تو شوربے میں پانی بڑھا کر پڑوسیوں کو دے کر ان کی دیکھ بھال کرو یہ بھی تم کو بخشوانے والی چیز ہے۔

اللہ کا شکر ہے اتنی کثیر تعداد میں مرد وزن بیان سننے کے لئے آئے دل سے دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے، سب کو اللہ ان اعمال کی توفیق دے، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

دعا کیجئے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، وَالصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

اللهم الف بين قلوبنا واصلح ذات بيننا واهدنا سبل السلام ونجنا من الظلمت الى النور وجنبنا الفواحش ماظهر منها ومابطن۔ اللهم بارك لنا فى اسماعنا وابصارنا وقلوبنا وازواجنا وذرياتنا وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

یا اللہ! ہم سب لوگوں کی اصلاح فرما اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما۔ یا اللہ! سنت والی زندگی ہم کو عطا فرما۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور کامل اطاعت کی توفیق مرحمت فرما۔ ہمارے بزرگوں کا جو طریق ہے اسوہ ہے اس کو اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔ یا اللہ! کتاب وسنت کو پیشوا اور پیش رو بنانے کی توفیق مرحمت فرما۔ یا اللہ! انبیائے کرامؑ کا جو طریقہ تواضع انکساری اور عاجزی کا رہا ہے اس کو اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔ یا اللہ! ہماری لغزشوں کو معاف فرما۔ رمضان شریف کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کوتاہیاں ہو رہی ہیں، تلاوت میں کوتاہی، روزہ میں کوتاہی، تراویح میں کوتاہی، تمام اعمال میں کوتاہی ہو رہی ہے،

ہمیں اس کا اعتراف ہے یا اللہ ان کوتاہیوں کو اپنے فضل وکرم سے معاف فرما۔ ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔ تمام مسلمانوں کو ہدایت عطا فرما۔ تمام مسلمانوں کو دین حق پر قائم و دائم فرما۔ یا اللہ! ہمارے ہی گناہوں کی بدولت یہ بلائیں، مصیبتیں آرہی ہیں، اس لئے یا اللہ! ہمارے ان قصوروں وخطاؤں کو معاف فرما۔ بیشک ہم لوگ واقعی جرم میں مبتلا ہیں۔ قصور میں مبتلا ہیں، یا اللہ! ان قصوروں اور خطاؤں سے نکلنے کی توفیق مرحمت فرما۔ آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾

قرآن کریم کی اثر انگیزی

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء مسجد دار العلوم کنتھاریہ، بھروچ گجرات

فہرست مضامین

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِيْكَ لَهٗ ، وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَ عَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ، أَمَّابَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ [سورۂ بقرہ/۱۸۵]
صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلاَنَا الْعَظِيْمُ ۔

دوستو بزرگو اور عزیزو! ماشاء اللہ مختلف قسم کے مضامین بیان ہوتے رہے، اب تو اس مہینہ کے اخیر ایام ہیں، اخیر راتیں ہیں، پہلے تو یہی دعا کرنی چاہئے کہ جو مضامین بیان ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کو شرف قبولیت بخشیں اور ہم لوگوں کو ان پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں اس وقت ذہن

میں آیا کہ خاص طور سے قرآن پاک کے متعلق کچھ بیان کیا جائے کیونکہ قرآن پاک کا نزول اسی مہینہ میں ہوا ہے اور اکثر ضمناً اس کا بیان ہوتا ہی رہا ہے لیکن خاص طور سے اس آیت کی جو میں نے ابھی تلاوت کی ہے، اس پر بیان نہیں ہوا تھا، تو درمیانِ تراویح ہی میں خیال ہوا کہ آج اسی آیت کے متعلق کچھ اجمالی طور سے بیان کیا جائے، اللہ تعالیٰ مجھے توفیق مرحمت فرمائے کہ قرآن پاک کے بیان کا کچھ حق ادا ہو سکے، قرآن پاک کا کیا کوئی حق ادا کر سکتا ہے مگر کوشش اور سعی کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک کے بیان کا حق، اس کے سمجھنے کا حق، اس پر عمل کرنے کا حق مرحمت فرمائے، ہمارے تمام بزرگانِ دین نے اس کی طرف توجہ فرمائی اور کیوں نہ فرماتے یہ تو ہماری بنیادی کتاب ہے، اس کی تلاوت، اس کے معنی و مطلب کا سمجھنا اس کو سینے سے لگانا، اس کو چومنا یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو قرآن پاک سے تعلق پر بین دلیل ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے کہ قرآن پاک کا حق ہم سے ادا ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے آپ پر قرآن نازل ہوا، یہی دونوں اصل ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور قرآن پاک کی آیات اس دین متین کے اصول اربعہ میں سے دو اصل ہیں۔ اصول اربعہ یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، قیاس اور اجماع۔ مگر قیاس اور اجماع وہی معتبر ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے موافق ہو، تو اصل بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جتنا بھی اس کا حق ادا کیا جائے، جتنا بھی اس کی طرف

اعتناء کیا جائے، جتنی بھی اس کی طرف توجہ کی جائے وہ سب کم ہی ہے، ہمارے بزرگوں نے اس کی طرف کس طرح اعتناء کیا ہے، تلاوت کیا ہے، اس کی تفسیر بیان کیا ہے، تفسیریں لکھی ہیں جو تفسیر میں سنا رہا ہوں خود غور کیجئے کہ کتنی محنت سے لکھی ہے، کہاں کہاں سے مضامین کو جمع کیا ہے، یہ معمولی محنت کا کام نہیں ہے۔

پھونک پھونک کر ''قلم'' اٹھانا چاہئے

اب لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ لکھنا پڑھنا بہت آسان حالانکہ ایک حدیث کے تلاش کرنے میں پوری رات گذر جاتی ہے صرف ایک حدیث کی تلاش و جستجو میں علماء کئی کئی رات لگا دیتے ہیں تب جا کر کوئی حدیث ملتی ہے۔ میں خود کہتا ہوں جو دعاء افطار سے قبل پڑھی جاتی ہے، یعنی'' یاواسع الفضل اغفر لی'' [مرقاۃ المفاتیح ۴/۲۵۸] اس کا حوالہ جب میں ڈھونڈھنے لگا تو بہت مشکل سے اس کا حوالہ ملا، اسی طرح یہ درود شریف ''اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی آلہ وسلم تسلیما'' [القول البدیع/۱۸۸] کی فضیلت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اسی (۸۰) مرتبہ اس درود کو پڑھے گا تو اس کے اسی (۸۰) سال کے گناہ معاف ہوں گے اور اسی (۸۰) سال کی عبادت کا ثواب لکھا جائیگا۔ یہاں گجرات میں ہر جگہ آویزاں ہے اور لوگوں کو یاد بھی ہے اور مسجدوں میں پڑھنے کا معمول بھی ہے لیکن حوالہ تلاش کرنے کا موقع آیا تو بہت مشکل سے اس درود شریف کا حوالہ ملا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے بھی فضائل اعمال میں ان دونوں کو نقل فرمایا ہے۔

دیکھئے! یہ دونوں حدیثیں بہت مشہور ہیں لیکن اس کا حوالہ ڈھونڈھنے میں پسینہ آ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بہت بڑا کام ہے، کتابوں کو لکھنا، مضامین کو جمع کرنا اور خاص طور سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مضامین لکھنا بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے، سمجھ بوجھ کر پھونک پھونک کر قدم نہیں بلکہ پھونک پھونک کر قلم اٹھانا چاہئے، قدم کے بجائے میں نے قلم کہہ دیا، محاورہ تو قدم ہے لیکن میں نے قلم کہہ دیا ہے۔

اور اس زمانہ میں تو اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ اب تحقیق کا زمانہ ہے خوب تحقیقات ہو رہی ہیں، آپ کوئی حدیث بیان کریں ضعیف ہو، موضوع ہو تو فوراً دس آدمی کھڑے ہو جائیں گے، کہیں گے کہ آپ نے کہاں سے حدیث بیان کیا، میرے دوستو بزرگو! بہت ذمہ داری کا یہ کام ہے، کتابوں کا لکھنا اور خاص طور سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر لکھنا بڑی ذمہ داری کی بات ہے، اللہ سے دعا کر کے لکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس ذمہ داری میں کامیابی عطا فرمائے، کیونکہ کلام اللہ کے متعلق لکھنا گویا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی ترجمانی کرنا ہے، غیب کی ترجمانی کرنا ہے، کتنی اس کے اندر دشواریاں ہیں، خود سوچیں۔

❁

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی احتیاط

حضرت شہیدؒ سے کسی نے کہا کہ حضرت رامپور کے علماء آپ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں، تو کہا کہ ٹھیک ہے مناظرہ کریں گے، لیکن معقولات میں مناظرہ کریں گے، تو کسی شخص نے کہا کہ حضرت وہ لوگ تو معقولات میں کمال رکھتے ہیں اور بہت قابل ہیں، آپ معقولات ہی میں ان سے مناظرہ کرنے کو فرمارہے ہیں، تو پھر یہ کیسے ہوگا؟ منقولات میں اگر مناظرہ فرماتے تو کوئی بات بھی ہے۔ کہا بھائی دیکھو، معقولات میں اگر عقل سے وہ کچھ کہیں گے تو میں بھی عقل سے کچھ کہہ دوں گا، لیکن کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں تو یہ بات نہیں چلے گی، منقولات کا دائرہ محدود ہے اور معقولات کا دائرہ بہت وسیع ہے، اللہ نے مجھے بھی عقل دیا ہے، وہ جو عقل سے کہیں گے تو اس کے مقابلے میں عقل سے میں بھی کہوں گا۔

دین اسلام کے کمال کی بات

علماء نے کتاب اللہ کی بڑی خدمات کی ہیں، اتنی تفسیریں لکھی ہیں کہ بعض دفعہ اس کی فہرست دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں تفسیریں ہیں عربی میں بھی اردو میں بھی اور دوسری زبانوں میں بھی۔ علماء کرام نے اللہ کی اس کتاب کی جتنی خدمت کی ہے کسی کتاب کی نہیں کی۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

احادیث کا مسئلہ ہے کہ ایک بخاری شریف کی شرح فتح الباری تیرہ جلدوں میں ہے، اسی طرح علامہ عینی کی عمدۃ القاری سولہ جلدوں میں ہے اور قسطلانی دس جلدوں میں ہے، یہ سب بخاری شریف کی شروحات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی کلام کی نہیں بلکہ اپنے رسولؐ کے کلام کی اتنی قدر دانی لوگوں کے ذہنوں میں ڈالدی کہ ان کا اسی پر جینا اور اسی پر مرنا تھا۔ اب بھی بخاری شریف کی شرح علماء لکھتے ہی جا رہے ہیں۔

میرے دوستو آپ خود بتلایئے کہ اُس زمانہ میں فتح الباری جو تیرہ جلدوں میں ہے اس کا لکھنا کوئی آسان کام تھا؟ کوئی ایران میں ہے کوئی کوفہ میں ہے کوئی بغداد میں ہے، اب ان سب سے علوم کو جمع کر کے ایک کتاب لکھنا معمولی بات نہیں ہے۔ اب تو لکھنا آسان ہو گیا ہے تیرہ کے بجائے آپ تیئیس جلدیں لکھ دیجئے لیکن اُس زمانہ میں مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان علوم کو ان حضرات نے مدون کر دیا اگر ہم ان کو پڑھ ہی لیں یہی بڑی بات ہے، چار سو سال، پانچ سو سال آٹھ سو سال پہلے کی کتابیں ہیں اور ان کو بالکل محقق طریقہ سے لکھا ہے، جو انتہائی کمال اور رسوخ علم کی علامت ہے۔

بہر حال اللہ کے کلام کی بہت سی تفسیریں ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی بھی کتنی شرحیں ہیں۔ علماء نے اس کی لغوی تحقیق، اس کے معانی کی تحقیق فرمائی ہیں حدیث کی سند میں جو لوگ آئے ہیں ان کی تحقیق کی ہے، میں یہ اسلئے کہہ رہا ہوں تا کہ ان مدرسوں کی اور قرآن وحدیث کی خدمت میں جو

لوگ دن رات لگے ہوئے ہیں ان کی اہمیت معلوم ہو، اسماء رجال یعنی سندوں میں جن لوگوں کے نام آئے ہیں مستقل ان پر تصانیف ہیں۔ ان کے کیا کیا نام ہیں اور کس درجہ کے ہیں، ہر آدمی کے متعلق یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے، ہر آدمی کے متعلق یہ معلوم کرنا کہ یہ کس درجہ کا ہے اس کا حافظہ کیسا ہے اس کی عدالت کیسی ہے یہ محتاط ہیں یا نہیں، اخیر عمر میں سوء حفظ کا تو شکار نہیں ہو گیا تھا۔ اگر کوئی روایت اس نے بڑھاپے میں کیا ہے اور معلوم ہوا کہ اس کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا تو اس حدیث کا کیا حکم ہوگا، کیا یہ معمولی بات ہے؟ پورے اصول لکھے ہوئے ہیں۔ یہ کمال کی بات ہے۔

علمائے کرام کی قدر دانی کی ضرورت ہے

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ کلام اللہ کی تفسیر علماء نے کی ہے اس کی طرف اعتناء کیا ہے، اس کی طرف توجہ کیا ہے، یہ نہیں کہ اس کو چھوڑ دیا ہو، بلکہ انہوں نے علوم قرآن کے متعلق بیان کئے اور لکھے جو مدوّن ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے پڑھنے کی اور اس کی قدر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، بار بار اس کو پڑھنے کی ضرورت ہے، بار بار اس کو مستحضر کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں کیا فرمایا اس کا کیا مطالبہ ہے، کس چیز کا تقاضہ ہے، ہم کو معلوم کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ کو یوں ہی نازل نہیں فرمایا ہے بلکہ اس سے عبرت حاصل کرنے کیلئے، اپنے اخلاق کو درست کرنے کیلئے، اپنے معاملات کو

درست کرنے کیلئے ، دل کو سنوارنے کیلئے ، دل کو سجانے کیلئے ، نفوس کے تزکیہ کیلئے اس کتابِ الٰہی کا نزول ہوا ہے۔ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں ہے، اس کے ایک ایک لفظ میں مستقل تعلیم ہے، مستقل تاثیر ہے، دیکھئے الفاظ کی کتنی رعایت ہے، مثلاً قران کریم میں فلاں جگہ لفظ نور کا استعمال نہیں ہوا یا نور کے بجائے ضیاء کا لفظ استعمال نہیں کیا ، نار نہیں لے آئے ، یہ سب تحقیقات علماء ہی تو کر رہے ہیں، کتنی کاوش کرتے ہیں یہ حضرات، اب ان کی تعلیمات کو ان کی مشقتوں کو اور محنتوں کو ہم نظر انداز کر دیں تو ہمارے لئے خیر کی بات نہیں ہوگی ، اپنے اکابر کے کارناموں کو اجاگر کرو، اپنے اکابر کے کارناموں کو منصہ شہود پر لاؤ، لوگوں کے سامنے لے آؤ کہ ہمارے اکابر ایسے ہیں ؎

اولئك ابائی فجئنی بمثلهم

اذا جمعتنا يا جرير المجامع

یہ ہمارے آباء واجداد ہیں اے جریر، تمہارے آباء واجداد ایسے ہوں تو لے آؤ۔

صاحب شرف ہونے کا نسخہ

اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے، اس مہینہ کے شرف و فضل کیلئے یہی کافی ہے کہ اس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ میرے دوستو رمضان

میں قرآن نازل ہوا تو رمضان شرف والا ہو گیا تو پس اگر قرآن کسی کے دل میں آجائے تو وہ دل صاحبِ شرف نہیں ہو جائے گا؟ جس مہینہ میں نازل ہوا اُس مہینہ کو اللہ نے اتنا شرف دے دیا تو جس کے قلب میں قرآن ہو کیا اس کو شرف نہیں حاصل ہوگا؟ اس کو فضل نہیں حاصل ہوگا؟ اگر کسی آدمی کے سینہ میں قرآن آگیا تو یہ معمولی نعمت و دولت نہیں ہے، بہت بڑی اور عظیم الشان دولت ہے۔

حافظ قرآن کا ادب

ہمارے حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ عموماً تو نیچے ہی بیٹھتے تھے لیکن کبھی اگر چار پائی پر بیٹھتے اور اس درمیان جب ہمارے امام صاحب حافظ صوفی عبدالمجیب صاحب پہنچتے تو فوراً ان کو چار پائی پر بیٹھنے کو فرماتے اور کہتے کہ حافظ جی! آپ اس پر بیٹھئے کیونکہ آپ کے سینہ میں قرآن ہے۔ جب صاحبِ قرآن، حاملِ قرآن، حافظِ قرآن، قاریٔ قرآن کا اتنا ادب فرماتے تھے تو قرآن کریم کا کتنا ادب کرتے رہے ہوں گے۔

کلام اللہ میں مزہ نہیں آتا تو ایمان کی خبر لو!

قرآن شریف کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونا ہی اس کے شرف کیلئے کافی تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اس کے منافع بھی بیان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ بیان فرماتے ہیں ﴿ هُدًى لِّلنَّاسِ ﴾ یہ قرآن کریم لوگوں کیلئے ہدایت

ہے، قرآن ہدایت بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ لوگ ہدایت یاب ہوجائیں، جو لوگ گمراہ ہیں راستہ چھوڑے ہوئے ہیں وہ لوگ ہدایت پر آجائیں۔ عرب کے لوگ بالکل ضلالت میں تھے، جاہلیت میں تھے گمراہی میں تھے لیکن جب کلام اللہ کو پایا ہے تو سب ہدایت پر آگئے الا ماشاء اللہ، فی البدیہہ سینکڑوں اشعار کہتے تھے ایک مجلس میں معلوم نہیں کتنے اشعار وہ لوگ کہتے تھے، اتنے قادر الکلام تھے، مگر جب قرآن آیا ہے تو کہا اب ہم کو اشعار کی ضرورت نہیں قرآن ہمارے لئے کافی ہے، کلام اللہ کو جب عرب سنتے تھے تو جھوم جاتے تھے اور کہتے تھے " ما ھذا کلام البشر " یہ بشر کا کلام ہو ہی نہیں سکتا، یہ اللہ ہی کا کلام ہے۔ اس کے اندر خوبی بھی ہے، اثر بھی ہے رونق بھی ہے، ایسی عجیب عجیب چیزیں ہیں کہ ہم تصور بھی نہیں کرسکتے کہ کلام اللہ میں کیا کیا ہے، حضرت حاجی صاحب اسی بنا پر فرماتے ہیں ؎

نغمۂ سرمدی سنا کے ہمیں مست و بے خود بنادیا کس نے

چنانچہ علامہ ابن قیم نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ تم کو اشعار میں مزہ ملتا ہے اور کلام اللہ میں مزہ نہیں ملتا۔ کافی ضخیم کتاب ہے، اس میں لکھا ہے کہ اگر تم کو اشعار میں مزہ ملتا ہے اور کلام اللہ میں مزہ نہیں آتا تو اپنے ایمان کی خبر لو، دین کی خبر لو۔

فرمایا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہ اگر قلوب زنگ آلود نہ ہوتے تو قرآن کے پڑھنے سے سیری نہ ہوتی۔

میرے دوستو! اپنے دل کی ہمیں خبر لینی چاہئے۔ قرآن کریم سے ہمیں دلچسپی نہیں ہے، قرآن سے وحشت ہوتی ہے تو غور کرو اپنے قلب کے بارے میں کہ زنگ آلود تو نہیں ہوگیا۔ عجیب بات ہے کہ قلب کے زنگ کو دور کرنے کیلئے قرآن ہی کو بتایا گیا ہے کہ اس کے نہ پڑھنے سے قلب زنگ آلود ہوتا ہے، اور پڑھنے سے زنگ دور ہوجاتا ہے۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان هذه القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد اذا اصابه الماء قيل يارسول الله وما جلاء ها قال كثرة ذكر الموت وتلاوة القراٰن [رواہ البیہقی مشکوٰۃ ۱۸۹] نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک یہ قلوب زنگ آلود ہوجاتے ہیں جیسا کہ لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے جب اس کو پانی لگ جاتا ہے پوچھا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کی صفائی کیسے ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا موت کو کثرتِ کے ساتھ یاد کرنے اور تلاوت قرآن سے۔ یعنی موت کے ذکر سے قلوب میں جلاء پیدا ہوتا ہے، موت کے ذکر سے قلوب میں روشنی پیدا ہوتی ہے مگر افسوس کہ اب موت کے ذکر کو منحوس سمجھا جاتا ہے کہ اس مجلس میں موت کا ذکر کیوں کر دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے موت کو حیات پر مقدم کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے ﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔

غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کو پیدا کیا جو عدمی چیز ہے اللہ تعالیٰ کو

اختیار ہے کہ عدمی چیز کو پیدا کردے اس کو وجود بخش دے، ہم لوگ عدم کو وجود نہیں بخش سکتے ہم کو بھی اللہ تعالیٰ نے عدم سے وجود بخشا اور جب چاہیں گے ہمیں معدوم کردیں گے۔

موت کے ذکر سے قلوب میں جلاء پیدا ہوتا ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل کردیئے جائیں گے تو وجئی بالموت یو م القیامۃ کانہ کبش املح فیذبح ثم یقال یااھل الجنۃ خلود لاموت ویااھل النار خلود لاموت [مسلم ۲/ ۳۸۲] یعنی قیامت کے دن موت کو چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اسے ذبح کردیا جائے گا اور کہا جائے گا اے جنت والو! اب موت نہیں ہے ہمیشہ یہاں رہنا ہے اور اے جہنم والو! اب موت نہیں ہے ہمیشہ یہاں رہنا ہے۔

موت کے ذکر سے بھی قلوب میں جلاء پیدا ہوتا ہے جب آدمی موت کو کثرت سے یاد کرے گا تو اسی درجہ میں اس کو دنیا سے بے رغبتی ہوگی اور آخرت کی طلب اور رغبت میں ترقی ہوگی۔

ایک بادشاہ کے یہاں ایک بزرگ گئے تو اس نے کہا کہ حضرت کوئی نصیحت کیجئے، کہا یہ سامنے جو قبرستان ہے اس میں کس کس کی قبریں ہیں، کہا کہ ہماری ماں باپ دادا دادی کی اور رشتہ داروں کی ہیں، تو فرمایا اتنی قبریں تمہارے سامنے

ہیں تو کیا یہ نصیحت کیلئے کافی نہیں؟

اسی بنا پر ہمارے صوفیاء یہ کہتے ہیں، حدیثوں میں بھی ہے کہ کبھی کبھی قبرستان کی زیارت کیا کرو، تاکہ تذکر پیدا ہو، عبرت پیدا ہو، جیسا کہ روایت میں ہے ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزروها فانها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة [ابن ماجہ ۱۱۲] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو زیارت قبور سے روک دیا تھا لہٰذا اب قبروں کی زیارت کیا کرو اس لئے کہ یہ دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہیں اور آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔ نصیحت کیلئے قبرستان میں چلے جایا کرو تاکہ عبرت ہو کہ ہمارا بھی ٹھکانہ یہی ہے آج نہیں کل ہم کو بھی یہیں آنا ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہم کو نہیں آنا ہے، ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ [سورہ نحل: ۹۹] اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک کہ یقین یعنی موت آجائے یقین کا ترجمہ موت سے کیا گیا ہے کیونکہ موت یقینی چیز ہے اس بنا پر یقین سے اللہ نے تعبیر فرمایا ہے، یہ نہیں کہا واعبد ربك حتى يأتيك الموت، یعنی اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک کہ موت آجائے، بلکہ یہ فرمایا حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔

میرے دوستو! امام غزالیؒ نے باقاعدہ منہاج العابدین میں لکھا ہے کہ موت کو اس طرح یاد کرو کہ یہ سمجھو کہ تم کو موت آرہی ہے، لوگ سورۂ یٰسٓ کی تلاوت کر رہے ہیں، اس کے بعد خیال کرو کہ تم مر گئے اور نہلانے کیلئے تختہ پر لٹائے گئے اور لوگ غسل دے رہے ہیں، جدھر چاہتے ہیں ادھر تم کو الٹ رہے ہیں اور تم

کچھ نہیں کر سکتے۔ دیکھئے اپنے وقت کے مجدد یہ بات لکھ رہے ہیں جو حجۃ الاسلام سے مشہور ہیں۔

آخرت سے اہل دنیا کے غفلت کی مثال

اسی طرح امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں دنیا کی مثال دے کر سمجھایا ہے کہ آخرت سے اہل دنیا کے غفلت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قوم کشتی پر سفر کرتی ہوئی کسی جزیرہ میں پہنچے اور ملاح ان لوگوں سے کہے اترو اور اپنی ضروریات سے فارغ ہولو اور ساتھ ہی انھیں یہ بھی بتلا دے کہ دیر تک ٹھہرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے بہت ہی خطرناک جگہ ہے اگر تم نے عجلت نہ کی تو کشتی روانہ ہو جائیگی۔ لوگ کشتی سے اترتے ہیں اور اپنی ضروریات کیلئے اِدھر اُدھر منتشر ہو جاتے ہیں ان میں سے کچھ اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر واپس آجاتے ہیں اور انھیں منشا کے مطابق مناسب جگہ مل جاتی ہے اور بعض لوگ جزیرے میں ٹھہر جاتے ہیں۔ جزیرے کے دلکش مناظر اور خوبصورت پھل و پھول، پرندوں کے نغمے وغیرہ وغیرہ اچھے تو لگتے ہیں لیکن کشتی کے روانہ ہونے کا خوف انھیں دیر تک ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتا مجبوراً وہ واپس چلے آتے ہیں مگر کشتی میں کشادگی کے بجائے تنگ جگہ ملتی ہے اسی پر بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے علاوہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو ان خوبصورت باغات سے کچھ اچھی چیزیں اپنے ساتھ لیتے آئے، کشتی میں جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے سامان سر پر رکھ کر کشتی میں سوار ہو گئے۔ کچھ لوگ تو ایسے

مسحور ہوئے کہ ان باغات میں دور تک چلے گئے کہ ان تک ملاح کی آواز نہ پہنچ سکی اور اگر پہنچ بھی جاتی تو سن نہ پاتے اور اگر سن بھی لیتے تو توجہ نہ دے پاتے۔ اگرچہ ان کے دلوں میں پر خطر جزیرہ کا خوف ہے کہ اگر دیر ہوئی تو ہم جانہ سکیں گے اسی سوچ میں تھے کہ ملاح کی آواز آئی جلدی سے سامان لے کر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کشتی روانہ ہو چکی ہے یہ لوگ وہیں موت کے آغوش میں چلے گئے۔ اب رہے کشتی والے تو جو لوگ سامان لے کر کشتی پر چڑھے تھے وہ لوگ اپنے سامان کی وجہ سے پریشان ہو گئے اور گھر پہنچ کر بیمار ہو گئے اور وہ لوگ جو کشتی میں تنگ جگہ پائے تھے وہ لوگ سفر میں کچھ پریشان تھے لیکن گھر سکون سے پہنچ گئے اور سب سے پہلے آنے والے کشتی میں بھی سکون سے تھے اور گھر بھی سکون کے ساتھ پہنچ گئے۔ اس مثال سے دوستو! ہم لوگوں کو سبق لینا چاہئے تاکہ ہم لوگ دنیا کے رنگ میں پھنس کر تباہ نہ ہو جائیں اور منزل مقصود سے دور نہ رہ جائیں اور مقصد زندگی بھول نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

ایک بہت بڑے آدمی تھے جو ہماری مسجد میں مقیم تھے لیکن ہم لوگ سمجھتے تھے کہ کوئی ایسے ہی ہیں مگر وہ بیچارے مصیبت زدہ تھے کرایہ کیلئے پیسہ مانگ رہے تھے مگر ہم لوگوں نے کچھ بھی نہیں دیا۔ بہر حال وہ دو تین دن رہے اس کے بعد ان کے گھر کے لوگ آئے تو معلوم ہوا کہ اسٹیشن پر کسی کام کیلئے اترے تھے اتنے میں گاڑی چھوٹ گئی، روپیہ وغیرہ نہیں تھا تب بیچارے سوال کرنے پر مجبور ہو گئے۔

عبرت کیلئے ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں تا کہ مسافر چوکنا رہے ہوشیار رہے غفلت نہ کرے ورنہ نقصان اٹھالیگا۔ اس سے بڑھ کر اخروی سفر ہے کہ اگر غفلت برتو گے تو نقصان اٹھاؤ گے جس کی وجہ سے کوئی تلافی نہیں ہوسکتی تمہاری اولاد بھی کچھ کام نہ آئیگی۔

غفلت سے دنیوی واخروی دونوں نقصان ہوتا ہے

میرے دوستو! ایک صاحب تھے وہ گھوڑا خرید کر لے آئے، بہت عمدہ گھوڑا تھا، گھوڑا لئے آرہے تھے تو راستہ میں ایک ٹھگ مل گیا وہ ٹھگ ان کے پیچھے لگ گیا کہا گھوڑا کتنے میں لیا ہے، کہا اتنے میں لیا ہے کہا بہت اچھا معلوم ہوتا ہے ذرا میں سواری کر کے دیکھ لوں، کہا ہاں دیکھ لیجئے، ٹھگ نے کہا اچھا بھائی یہ جوتی ہم چھوڑ دیتے ہیں تا کہ تم کو اطمینان رہے، جوتیاں چھوڑ دیا گھوڑے کو لیا اور روانہ ہوگیا، وہ آدمی دیکھتے ہی رہ گیا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے مثال دیا ہے کہ دنیا میں ایسے بہت سے ٹھگ ہیں، تمہارا اصل سرمایہ لے لیں گے اور جوتیاں تم کو چھوڑ جائیں گے وہ کس کام کی۔ اسلئے اصل سرمایہ کی حفاظت کرو، اپنے دین وایمان کی حفاظت کرو، جب غفلت برتو گے تو دنیوی و اخروی دونوں نقصان بھگتنا پڑیگا، غفلت کی بنا پر کتنے نقصانات ہوتے رہتے ہیں، اس بنا پر بہت احتیاط کی ضرورت ہے، ورنہ نقصان ہی نقصان ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے کہا کہ حضرت اب طالب علم

بھی چوری کرنے لگے ہیں، کہا نہیں، طالب علم چوری نہیں کرتے، چور طالب بن گئے ہیں۔

ہمارے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے یہاں فتح پور تال نرجا مئو خانقاہ میں چوری ہوئی، اب جس کی چوری ہوتی تھی اس کو حضرت کہتے تھے تم خانقاہ سے نکل جاؤ۔ اسلئے کہ جب تم اپنی دنیا کی حفاظت نہیں کر سکتے تو دین کی کیسے حفاظت کروگے۔ پھر اس کے بعد چور کی تلاش شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ خانقاہ میں جو لوگ مقیم ہیں انھیں میں کوئی چوری کر رہا ہے، پہلے وہ اپنی بستی میں چوری کرنے کا عادی تھا اسلئے یہاں جب وہ آیا تو اپنی اس بری عادت کی بنا پر خانقاہ میں چوری کرنے لگا اور چوری کرنے کیلئے خانقاہی بن گیا کہ یہاں چوری کرنے کا خوب موقع ملے گا۔ میرے دوستو بزرگو! ہماری جگہیں اسی طرح فاسد و برباد ہو جاتی ہیں، جب غلط قسم کے لوگ آئیں گے تو جگہیں بھی بدنام ہوں گی اور کام بھی تباہ ہو جائیگا۔

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ ذکرِ موت بہت ضروری ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت سے جیسے دلوں کا زنگ دور ہوتا ہے اسی طرح موت کے ذکر سے بھی زنگ دور ہوتا ہے۔ اس وجہ سے تلاوت کے اہتمام کی ضرورت ہے، ویسے ہی موت کو یاد کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

پس جب کلام اللہ ہمارے درمیان ہے گویا بہت ہی باوقعت مہمان ہمارے درمیان ہے، باوقعت نعمت ہے، زبردست دولت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ روحانی اور زندہ معجزہ ہے، اب ہم کو جتنی استعداد ہوگی ہم اس سے فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ قرآن کریم ہمارے طاقوں پر رکھا ہوا ہے، زینت بنا ہوا ہے، جہیزوں میں دے دیا جاتا ہے، بس یہی قرآن کریم کا درجہ رہ گیا ہے۔ میرے دوستو! قرآن کو صرف گلے سے نہ لگاؤ بلکہ دل میں اس کو جگہ دو، اس کی تلاوت کرو، اس کے معنی و مطلب کو بھی سمجھو، کچھ وقت نکالو کہ اللہ نے قرآن کریم میں ہم سے کیا مطالبہ کیا ہے، مگر اس کی طرف سے بہت ہی بے اعتنائی ہے۔

قرآنِ پاک کو اللہ تعالیٰ نے سب کیلئے بھیجا ہے، دیکھئے! قران کریم میں ﴿هُدیً لِّلنَّاسِ﴾ آیا ہے" هدیً للعلماء "نہیں۔قرآن تمام لوگوں کیلئے ہدایت ہے، کتاب اللہ سے ہر آدمی فیض حاصل کر سکتا ہے، جاہل بھی، عامی بھی اور عالم بھی۔ نہ عالم یہ کہہ سکتا ہے سب کچھ ہم نے سمجھ لیا ہے اور نہ عامی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم کچھ نہیں سمجھ سکتے کسی نہ کسی درجہ میں سب سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں اسلئے حسب استعداد سمجھنے کے سب مکلّف ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے اپنی کتاب غالباً تفہیمات الٰہیہ میں لکھا ہے کہ امت ہمیشہ محتاج رہے گی کہ اپنے قول وفعل کو کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ پر پیش کرے اگر موافق ہو تو لے ورنہ رد کر دے۔ میرے دوستو! یہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ جو ہمارے اکابر میں سے ہیں کہہ رہے ہیں مگر افسوس کہ ہم لوگ ان کتابوں کو دیکھتے بھی نہیں، پڑھتے بھی نہیں۔

جس طریقہ سے مقصد کی صحت ضروری ہے اسی طرح طریق کی صحت بھی ضروری ہے۔ سنو! جس طرح آپ کسی کے مکان کی سیڑھی پر چڑھ جائیں، دریافت کیا جائے کہ کہاں جارہے ہیں؟ آپ جواب دیں کہ مسجد جارہا ہوں پھر کہا جائے کہ اس سیڑھی سے مسجد کے بجائے فلاں کے گھر پہنچ جاؤ گے جہاں جوتیاں کھانی پڑے گی۔

جس قدر اختلاف دنیا میں ہورہا ہے وہ سب طریق کے اختلاف کی بناپر ہورہا ہے، مقصد میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، مقصد یہودیوں کا بھی وہی ہے جو نصرانیوں کا ہے یعنی تدین وتقویٰ اور اللہ کی رضا، مگر یہ دوسری بات ہے کہ الحاد آجائے لیکن مقصد ان کا بھی اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی ہے، بلکہ مشرکین بھی بتوں کو اصل نہیں مانتے۔ بتوں کے متعلق یہ سمجھتے ہیں ﴿لِيُقَرِّبُوْنَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ تاکہ ہم کو یہ اللہ کے قریب کردیں۔ چونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بت ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں، وہ بتوں کو اصل معبود نہیں سمجھتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف باب الضحک میں حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے بعد صحابہ کرامؓ کے درمیان بیٹھتے تھے، صحابہ زمانۂ جاہلیت کی بات بیان کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر مسکرادیتے تھے۔ اسی حدیث کے ضمن میں ملا علی قاریؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ " **ومن جملته انه قال واحد ما نفع احدا صنمه مثل ما نفعنی قالوا کیف هذا قال صنعته من الحلیس فجاء القحط فکنت آکله یوما فیوما** "[مرقاۃ المفاتیح] یعنی ایک

صحابی نے عرض کیا کہ مجھ کو بتوں نے جتنا نفع پہنچایا اتنا کسی کو نفع نہیں پہنچایا۔ صحابہ نے پوچھا یہ کیسے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ستو وغیرہ سے بت بنایا پھر قحط پڑا تو میں تھوڑا تھوڑا روزانہ اسی میں سے کھاتا تھا۔ اس پر سب کو ہنسی آ گئی یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکرا دیئے۔ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رونے کے ساتھ ساتھ ہنستے بھی تھے یہ زندہ دلی اور اعتدال کی بات ہے۔

رونے والا بھی ایک واقعہ سن لیجئے۔ ایک صحابی تشریف لائے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں بتوں کو پوجا کرتے تھے، اپنی لڑکیوں کو قتل کرتے تھے۔ میری ایک خوبصورت لڑکی تھی جب وہ بات چیت کرنے لگی تو ایک دن میں نے اس کو بلایا وہ میرے بلانے سے بہت خوش ہوتی تھی، میرے پاس آئی اور میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ میں ایک کنویں کے پاس گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کنویں میں ڈال دیا وہ ابا ابا کہتی رہ گئی۔ " **فبکی رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی وکف دمع عینیه** " [دارمی ۱/۱۴]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زاروقطار رونے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

کتنی قساوت قلبی کی بات ہے، بیٹی پیدا ہوئی، بیٹی نے تمہارا کیا نقصان کیا تھا، تمہارے ہی نطفہ سے وہ پیدا ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ایسی درندگی اور وحشت......توبہ توبہ۔

میرے دوستو! سنو اور غور سے سنو۔ یہ قرآن لوگوں کیلئے ہدایت ہے۔ آگے ارشاد ہے ﴿ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى ﴾ اور ہدایت کیلئے روشن دلیلیں ہیں روشن نشانیاں ہیں ﴿ وَالْفُرْقَانِ ﴾ فیصلہ کرنے والی کتاب صادق ہے۔ قرآن سے جو فیصلہ ہوگا تو وہ فیصلہ بھی حق ہوگا، صحیح ہوگا، قرآن وحدیث سے ہٹو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

بہرحال یہ قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی معجزہ اور علمی معجزہ ہے جو لوگ قرآن پڑھتے ہیں وہ محفوظ ہوتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں وہ لوگ محفوظ رہیں گے انشاء اللہ العزیز۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بہترین حال وہ ہے جو قرآن سے پیدا ہوتا ہے، ذکر سے بھی حال پیدا ہوتا ہے کیفیت پیدا ہوتی ہے، مگر اس کیفیت میں زوال ہوتا ہے فنا ہوتی ہے اور قرآن سے جو حال پیدا ہوتا ہے اس کے اندر پائیداری ہوتی ہے، وہ جلدی جاتا بھی نہیں، قرآن سے حال پیدا ہوتا ہے دیر میں، لیکن جاتا بھی دیر میں بلکہ نہیں جاتا ہے، اور ذکر اللہ سے قلب زیادہ جلدی متاثر ہو جاتا ہے لیکن اگر ذرا بھی غفلت برتی تو چلا بھی جاتا ہے۔ اسی بنا پر مبتدئین کو ذکر بتلایا جاتا ہے تاکہ ذکر سے وہ جلد متاثر ہوں پھر قرأت قرآن سے اس تاثر کو آگے بڑھاتے چلے جائیں۔

حضرت مصلح الامتؒ کی چیخ نکل جاتی تھی

میرے دوستو! قرآن کے اندر اثر ہے، اس کے اندر تاثیر ہے اس کے اندر

موعظت ہے اس کے اندر بصیرت ہے، اس کے اندر ولایت ہے، سب کچھ اس قرآن میں ہے، اللہ والے قرآن کو پڑھتے ہیں تو محظوظ ہوتے ہیں، فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ حظ سب سے زیادہ کیف قرآن میں آتا ہے اور نماز میں تو اور زیادہ کیف کی نوعیت بڑھ جاتی ہے، چنانچہ ہمارے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کو کوئی لکھتا تھا کہ حضرت! نماز میں جو قرأت کرتا ہوں تو حال طاری ہوتا ہے تو جواب تحریر فرماتے کہ نماز میں حال کا پیدا ہونا یہ مبارک حال ہے، اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ ہم نے خود حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ پر یہ حال دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴾ اور ﴿اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَاداً لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰباً ﴾ جیسی آیتوں پر چیخ نکل جاتی تھی۔

بہت سے قاری لوگ "مرصادا" پر وقف کر دیتے ہیں اور "طاغین" کو بعد میں پڑھتے ہیں۔ کیا لطف رہ گیا! پڑھنے کا بھی ڈھنگ نہیں، جہاں چاہتے ہیں وقف کر دیتے ہیں۔ جہاں سے چاہتے ہیں ابتدا کر دیتے ہیں۔ جب یہ لوگ معنی مطلب نہیں جانتے تو جہاں چاہیں رک جائیں اور جہاں سے چاہیں پڑھ لیں ان کو اختیار ہے۔ میرے دوستو بزرگو! وقف کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ اسی طرح ابتداء واعادہ کی رعایت بھی بہت ضروری ہے۔ اب ہم اردو بولیں اور ادھر ادھر کر دیں تو آپ کو برا معلوم ہوتا ہے کہ نہیں، اسی طرح عربی میں بھی وقف کے اصول ہیں۔ اسکے اصول کے مطابق پڑھنا چاہئے۔

دوستو! سب سے زیادہ نصیحت اور سب سے زیادہ موعظت قرآن میں ہے ،قرآن سب سے بڑا واعظ ہے، اس سے بڑھ کر کوئی واعظ نہیں ہے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے مجمع الکمالات اور مجمع الصفات بنایا ہے، یہ اللہ کی صفت ہے، اسی لئے جی چاہتا ہے کہ ''مواعظ القرآن'' کے نام سے پورے قرآن پاک یا بعض آیتوں کی تفسیر لکھوں۔ اللہ اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

قرآن کریم ایک زندۂ جاوید روحانی معجزہ ہے

بہرحال میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے یہ کلام اللہ ہم کو دیا، اور یہ یقیناً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزۂ روحانی ہے۔ اور یہ معجزہ ایسا ہے جو قیامت تک زندہ رہے گا۔ مولانا رومؒ نے اسکی بڑی عمدہ مثال دیکر سمجھایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک جادوگر کا انتقال ہوا، جو موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرتا تھا، اس کے لڑکے اس کی قبر پر گئے، کہا کہ ابا بتلایئے اب تو آپ قبر میں پہنچ گئے اب موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بتلایئے کہ یہ نبی ہیں کہ نہیں؟ انہوں نے کہا کہ دیکھو میں اس کے متعلق نہیں بتلاسکتا مگر یہ تم کو بتلاسکتا ہوں کہ ان کے عصا کو تم چُرالو عصا کو اگر تم چوری کرلو تو سمجھ لو کہ وہ نبی نہیں ہیں، اگر نہیں کرسکے تو سمجھ لو کہ نبی ہیں۔ یہ علامت بتلائی، چنانچہ وہ لوگ آئے، موسیٰ علیہ السلام جنگل میں سورہے تھے، اپنے عصا کو گاڑ دیا تھا، جب وہ قریب گئے تو اژدھا بن کر اس نے دوڑایا، تو ان لوگوں نے توبہ کیا۔ مولانا رومؒ نے فرمایا کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام

سو رہے تھے مگران کا معجزہ جو عصا کی صورت میں تھا وہ جاگ رہا تھا، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گنبد خضراء میں استراحت فرما رہے ہیں لیکن آپ کا معجزۂ روحانی قرآنِ کریم زندہ ہے۔ سبحان اللہ! کیا خوب مثال دی جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

میرے دوستو! ملتزم کے اندر اب بھی فیض ہے، حجرِ اسود کے اندر بھی ویسے ہی فیض ہے، قرآن کے اندر ویسے ہی فیض ہے اس میں کمی نہیں ہوتی، بس لینے والے کی صلاحیت کی ضرورت ہے، مگر آج ہم نے اپنی فطرت کو فاسد کر دیا ہے، صلاحیت کو ختم کر دیا ہے تو پھر کسی چیز سے نفع نہیں ہوگا۔ منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ یعنی منافقین کے دلوں میں مرض ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ اور کفار کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [سورۂ بقرہ:۷] یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کیلئے بڑا دردناک عذاب ہے۔ یہ کفار کی صفات ہیں۔ ان آیات کو سن کر مؤمن ڈرتا ہے، کافر نہیں ڈرتا، خوب گھوم رہا ہے خوب مزے سے کھا پی رہا ہے، لیکن مومن ان آیات کو پڑھ کر ڈرتا ہے کہ کہیں یہ وبال ہمارے اوپر نہ آ جائے۔

پس جب قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے تو ہماری آپ کی سعادت اسی میں ہے کہ ہم اس معجزہ سے لگے لپٹے رہیں، اس لئے کہ اس معجزہ

سے جو لوگ لگے لپٹے رہیں گے انشاء اللہ ان کی حفاظت ہوگی۔ اسلئے کہ جب قرآن کریم کی حفاظت اللہ کے ذمہ ہے تو اگر کوئی شخص قرآن سے لگا لپٹا رہے گا تو کیا اسکی حفاظت نہیں ہوگی؟ اس کی حفاظت بھی ضرور ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴾ یعنی بلاشبہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

آج ہماری حفاظت میں کمی ہو رہی ہے تو اسلئے کہ ہم بہت سی کوتاہیوں میں مبتلا ہیں، اسلئے اپنے احوال میں بھی غور کرنا چاہئے کہ ہمارے جو عقائد ہونے چاہئیں وہ ہیں کہ نہیں، ہمارے اعمال جو ہونے چاہئیں وہ ہیں یا نہیں، اخلاق و معاملات درست ہیں یا نہیں، معاشرت اسلامی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو اصل چیز جب نہیں ہے تو پھر اس کے منافع بھی کیسے حاصل ہوں گے؟" اذا فات الشرط فات المشروط " جب شرط ختم ہوگئی تو مشروط بھی ختم ہوجائے گا۔ ﴿ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴾ [آل عمران: ۱۳۹] تم ہی بلند و برتر ہو مگر جب کہ تم مومن ہو۔ ایمانی صفات ہونی چاہئے تاکہ ہم کو علو و برتری حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دولت سے نوازے۔

قرآن کریم کے علوم واسرار کے حصول کا طریقہ

قرآن میں بڑے علوم و معارف اور اسرار ہیں، جو شخص طہارت باطنی اختیار کرتا ہے اور قلب کی صفائی سے پڑھتا ہے تو اس پر علوم و اسرار منکشف ہوتے

ہیں۔جس طرح ظاہری طہارت کے بغیر تم قرآن کو چھو نہیں سکتے اسی طرح باطنی طہارت کے بغیر اس کے معانی کو چھو نہیں سکتے، اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ لَایَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ قرآن کریم کو مطہر لوگ ہی چھوئیں گے۔جس طرح اس کے الفاظ کو چھونے کیلئے وضو اور غسل کی ضرورت ہے اسی طرح اس کے معانی کو چھونے کیلئے طہارت قلبی کی ضرورت ہے، اسی طہارتِ قلبی کیلئے ہم سب یہاں جمع ہیں تا کہ قلبی طہارت ہم کو حاصل ہو جائے۔

طہارت قلبی کے حصول کا طریقہ

دوستو! وضو کا پانی تو آپ کے گھر میں بھی موجود ہے، غسل کا پانی بھی موجود ہے جس سے طہارت جسمانی حاصل ہو جائیگی لیکن یہاں جو آئے ہیں اس طہارت قلبی کیلئے آئے ہیں، یہ بہت بڑی نعمت اور دولت ہے، یہ کب ملے گی؟ اس کا طریق یہ ہے کہ کسی قدر اللہ کے ذکر و شغل کا معمول ہو، اللہ سے دعا ہو، اللہ سے مناجات ہو اور اپنے اخلاق کو درست کرنے کی سعی ہو، کوئی چیز نفس کے خلاف ہو تو اس کو ضبط کرو، برداشت کرو۔ ﴿ فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی﴾ [سورۂ نازعات:۳۶۔۳۹] سو جو شخص حد سے بڑھا ہوگا اور اس نے دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہی ہوگا۔اور جو شخص اپنے رب کے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرا ہوگا اور

اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا ہوگا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہی ہوگا۔

منصف کیلئے ایک قانون الٰہی

اللہ کی اتباع کیلئے ضروری ہے کہ ہویٰ کی اتباع کو چھوڑو ﴿لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى﴾ حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم ہو رہا ہے ہویٰ کی اتباع نہ کیجئے۔ آپ کو ملک دیا جا رہا ہے، آپ کو نبوت دی جا رہی ہے اسلئے اللہ کی اطاعت کریں ھویٰ کی نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے ایک لغزش پر مواخذہ ہو گیا، وہ یہ کہ ایک آدمی ان کے عبادت خانہ میں داخل ہو گیا، کہا کیسے آنا ہوا کہا کہ ہمارے پاس ایک دُنبی ہے اور ہمارے فریق کے پاس ننانوے ہیں وہ میری اس ایک کو بھی لینا چاہتا ہے۔ تو انہوں نے کہا بھائی بہت ظالم ہے اس قسم کی بات وہ کہہ گئے بعد میں پھر مواخذہ ہوا کہ آپ حاکم اور جج بن کر بیٹھے ہیں، جج کی کرسی پر جب آپ بیٹھے ہیں اس صورت میں دونوں فریق کی طرف ایک نگاہ سے آپ کو دیکھنا چاہئے، وہ ظالم ہو چاہے مظلوم آپ نے چونکہ مظلوم کی طرف ترحم کی نگاہ سے دیکھا بس اللہ کی طرف سے گرفت ہو گئی۔ ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [سورۂ ص:٢٦] یعنی اے داؤد! ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے تو لوگوں کے درمیان انصاف کیساتھ فیصلے کیا کرو اور اپنے جی کی خواہش پر نہ چلو کہ وہ خواہش تجھے اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی۔ آپ شریعت کے پابند ہیں، حکمِ الٰہی یہ

ہے کہ جج کیلئے جائز نہیں کہ کسی کی طرف ترحم کی نگاہ سے دیکھے چونکہ انہوں نے دیکھا اس بنا پر یہ مواخذہ ہوا۔

بہر حال ہم سب لوگوں کو اتباع ہویٰ چھوڑنا ہے، ایک بزرگ نے فرمایا یااللہ! میں کیسے آپ تک پہنچوں فرمایا "دع النفس وتعال" نفس کو چھوڑ و اور آجاؤ، اتباع ہویٰ کو چھوڑ و، اتباع نفس کو چھوڑ و اور آجاؤ، ہمارے اور تمہارے درمیان میں اتباع ہویٰ حائل ہے، جو ہم تک پہنچنے نہیں دیتی ہے، اس بنا پر اس کی ضرورت ہے کہ ہم نفس کی اتباع چھوڑ دیں۔

قرآن کریم کی اثر انگیزی

میرے دوستو! یہ قرآن نازل ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی نعمت، بہت بڑی دولت دی ہے، اس سے ہم کو فیض حاصل کرنا چاہئے، اس سے اللہ کی رحمت کو اپنی طرف مبذول کرنا چاہئے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص جہاد میں جاتا ہے اور قرآن کو اس لئے لے جاتا ہے تاکہ اس کے واسطہ سے دعا کرے تو جائز ہے لے جاسکتا ہے۔ میرے دوستو! قرآن پاک سے تبرک بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، اس سے برکت بھی حاصل کی جاسکتی ہے، اس سے فتح بھی حاصل کی جاسکتی ہے، اس سے اثر اور وجد اور کیف بھی حاصل کیا جاسکتا ہے اور اللہ کا راستہ اسی سے مل سکتا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کو "حبل اللہ" فرمایا ہے نیز ﴿ هُدىً لِلنَّاسِ ﴾ فرمایا ہے قرآن لوگوں کیلئے ہدایت ہے، اتنے فیض

وبرکات ہیں کہ کسی قدر علماء کرام ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں ؂

در سخن مخفی منم ، چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

یعنی میں اپنے سخن میں اس طرح مخفی ہوں جیسے پھول کی خوشبو اس کی پنکھڑی میں، جو شخص مجھ کو دیکھنا چاہے تو میرے کلام کو دیکھے۔

اورنگ زیبؒ کی صاحبزادی

اس کا واقعہ تو آپ لوگوں کو معلوم ہی ہوگا کہ ایران کے بادشاہ کی طرف سے ایک شعر کا پہلا مصرعہ آیا تھا کہ دوسرا مصرع لگائیں۔ سب لوگ عاجز ہو گئے تھے وہ مصرع یہ تھا...... ع

دُرِّ اَبلق کسے کم دیدہ موجود

دُرّ ابلق یعنی چتکبرہ موتی کسی نے نہیں دیکھا ہوگا۔

اس وقت تمام شاعر عاجز ہو گئے، اس کا دوسرا مصرع نہیں کہہ سکے اورنگ زیبؒ کی صاحبزادی زیب النساء جو بڑی شاعرہ تھیں وہ سرمہ لگا رہی تھیں اس وقت ان کی آنکھ سے آنسو گرا تو وہ سرمہ آلود تھا۔ اس پر انہوں نے دوسرا مصرع کہا پھر مکمل شعر شاہ ایران کے پاس بھیج دیا گیا۔ وہ یہ ہے ؂

دُرّ ابلق کسے کم دیدہ موجود   و لے اشک بتانِ سرمہ آلود

یعنی چتکبرہ موتی کسی نے نہیں دیکھا ہوگا مگر معشوقوں کے آنسو میں جو سرمہ

لگا ہوتا ہے۔ تو وہ چتکبرہ موتی ہی ہو جاتا ہے۔

جب یہ دوسرا مصرع شاہ ایران کے پاس پہنچا تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے کہا کہ یہ تو بہت بڑا شاعر معلوم ہوتا ہے اس کو اپنے دربار میں بلانا چاہئے چنانچہ اس نے شاعر کو اپنے دربار میں بھیجنے کو کہا۔ اورنگ زیبؒ کو جب اس کا علم ہوا تو اپنی بیٹی پر خفا ہوئے کہ دیکھو! اب میں تم کو کیسے بھیجوں؟ کہا آپ گھبرایئے نہیں میں ایک شعر کہہ دیتی ہوں اس کو بھیج دیجئے، وہ شعر یہ ہے

در سخن مخفی منم، چوں بوئے گل در برگ گل

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

یعنی میں اپنے سخن میں اس طرح مخفی ہوں جیسے پھول کی خوشبو اس کی پنکھڑی میں، جو شخص مجھ کو دیکھنا چاہے تو میرے کلام کو دیکھے۔ تو شاہ ایران سمجھ گیا کہ یہ کہنے والی کوئی عورت ہے۔

تو اس شعر کو علماء کرام قرآن کریم پر چسپاں کرتے ہیں، حالانکہ یہ شعر اورنگ زیبؒ کی صاحبزادی کا ہے لیکن علماء نے اس کو قرآن پاک کیلئے کہا ہے، اور ہمارے حضرت بھی بہت پڑھتے تھے۔

یعنی گویا اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جو مجھ کو دیکھنا چاہے میرے کلام میں مجھے دیکھے، کتنا اس کے اندر جلال ہے، کتنا اس کے اندر جمال ہے، کتنا اس کے اندر کیف ہے، اللہ غنی! قصص کو بھی دیکھئے، احکام کو بھی دیکھئے، محکمات کو بھی دیکھئے، متشابہات کو بھی دیکھئے، سب کے اندر ایک عجیب حسن ہے، عجیب کیف ہے،

عجیب رنگ ہے، اللہ ہم سب کو اس کے سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق مرحمت فرمائے اس سے متاثر ہونے اور دوسروں کو متاثر کرنے کی ہم سب لوگوں کو توفیق مرحمت فرمائے۔ پس اپنی اپنی استعداد کے مطابق قرآن سے تعلق رکھنا چاہئے، حدیثوں سے تعلق رکھنا چاہئے جب قرآن وحدیث سے تعلق ہوگا تو علماء سے بھی تعلق ہوگا، بالکل مربوط رہوگے، اسی میں ہماری خیر خواہی ہے، باہم مربوط رہنے کی ضرورت ہے، اسلئے کہ ہم لوگ اقلیت میں ہیں، مگر ہر آدمی ایک جماعت ہے، ذرا اتحاد واتفاق نہیں، اسلئے ہم ذلیل ہورہے ہیں ہماری کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ﴾ [سورۂ مائدہ:۲] بر اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اب بھی پورے ملک کی آبادی کے اعتبار سے ہم اقلیت میں ہیں، بلکہ اپنوں کے اعتبار سے بھی ہم لوگ اقلیت میں ہیں، اس بناپر اگر اس کے اندر بھی مختلف جماعتیں پیدا ہوجائیں اور آپس میں اختلاف رکھیں تو کیا نتیجہ ہوگا؟ بر اور تقویٰ جہاں ہو اس کی تائید کرو، اس کی اعانت کرو، ہر ایک کے کام کو تسلیم کرو، ہر شعبہ میں کام کی ضرورت ہے، اس بناپر ان چیزوں کو مستحضر رکھنے کی ضرورت ہے، یہی ہماری ترقی کی راہ ہے ،یہی ہماری ترقی کا زینہ ہے، اگر نہیں سمجھیں گے تو گرتے ہی چلے جائیں گے اور اقلیت در اقلیت ہوکر ختم بھی ہوسکتے ہیں، اس بناپر میرے دوستو بزرگو! قرآن سے تعلق اور نسبت بہت ضروری ہے، اس کی تلاوت کا معمول ہم رکھیں، جو لوگ نہیں پڑھنا جانتے ان کو بڑی عمر ہونے کے باوجود سیکھنا چاہئے، علماء کی خدمت

میں آمد ورفت رکھیں، حفاظ اور قراء کی خدمت میں جائیں، ان کی خدمت میں رہ کر قرآن پڑھنے کا ڈھنگ سیکھیں، اگر توفیق ہو اس کے معنی مطلب سمجھنے کی کوشش کریں، لیکن قرآن کریم سے ہر شخص کو مربوط ہونا چاہئے، لگے لپٹے رہیں گے تو انشاء اللہ جیسے قرآن کی حفاظت ہوگی ویسے ہی ہماری بھی حفاظت ہوگی۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

دعا کیجئے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، وَالصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَعَلٰى اٰلِـهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

اللهم الف بين قلوبنا واصلح ذات بيننا ، واهدنا سبل السلام ونجنا من الظلمات الى النور و جنبنا الفواحش ماظهر منها و مابطن ، اللهم بارك لنا في اسماعنا و ابصارنا وقلوبنا و ازواجنا و ذرياتنا و تب علينا انك انت التواب الرحيم ۔

اے اللہ! قرآنِ پاک کو ہمارے قلوب کی بہار بنا دیجئے، ہمارے حزن اور غم کے دور کرنے کا اس کو ذریعہ بنائیے، یا اللہ! قرآن پاک سے مناسبت پیدا فرمائیے، اس کے علوم ومعارف سے مناسبت پیدا فرمائیے، ہمارے قلوب کو اس

کے علوم ومعارف سے سرشار فرمایئے، یا اللہ! اس قرآن پاک کے طفیل ہماری جان ومال کی عزت اور آبرو کی حفاظت فرمایئے، ہمارے اداروں کی حفاظت فرمایئے، مدارس کی حفاظت فرمایئے، یا اللہ اس کی برکت سے ہر جگہ امن وامان عطا فرمایئے، سارے عالم میں عافیت کی ہوا چلا دیجئے فضا کو ہموار خوشگوار بنا دیجئے، ہمارے اس ملک میں اور دوسرے ملکوں میں بھی ہر جگہ امن وامان قائم فرمایئے، یا اللہ! عافیت عطا فرمایئے، ہر قسم کی خیر اور بھلائی ہم سب لوگوں کو عطا فرمایئے، یا اللہ! آفات اور بلیات سے ہماری حفاظت فرمایئے، یا اللہ! اپنی ناراضگی سے سماوی اور ارضی تمام بلاؤں سے ہماری حفاظت فرمایئے، یا اللہ! ہر قسم کی خیر اور بھلائی سے مالا مال فرمایئے، قرآن کے فیوض وبرکات سے، رمضان کے فیوض وبرکات سے ہم سب لوگوں کو مالا مال فرمایئے، یا اللہ! جو یہ رمضان مبارک رخصت ہو رہا ہے، اس کے ان آخری ایام کے فیوض وبرکات سے ہم کو محروم نہ فرمایئے، یا اللہ! لیلۃ القدر کی قدر کرنے کی توفیق مرحمت فرمایئے، یا اللہ! اس کے فیوض وبرکات سے ہم کو مالا مال فرمایئے، یا اللہ! لیلۃ القدر میں ہم کو عبادت کرنے کی توفیق مرحمت فرمایئے، تلاوت کرنے کی، ذکر کرنے کی، مناجات کرنے کی توفیق مرحمت فرمایئے، یا اللہ! ہمارے اندر بیداری پیدا فرمایئے، ظاہری اور باطنی ہر قسم کی بیداری، دماغی اور قلبی ہر قسم کی بیداری عطا فرمایئے، یا اللہ! علمی، عملی، سیاسی، اقتصادی ہر قسم کی قوت عطا فرمایئے، یا اللہ! دوسروں کی سازشوں اور اسکیموں سے ہماری حفاظت فرمایئے، یا اللہ مکر اور فریب

سے ہماری حفاظت فرمایئے ، یااللہ اپنے فضل وکرم سے ان دعاؤں کو قبول فرمایئے، قرآن پاک کے طفیل میں، رمضان کے طفیل میں ان دعاؤں کو قبول فرمایئے اور ہمارے حق میں قرآن کریم شفیع بنایئے، رمضان کو شفیع بنایئے، یااللہ! ہمارے صغائر، کبائر اور تمام غلطیوں کو معاف فرمایئے، طاعات کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمایئے۔ آمین یارب العالمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

﴿ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ﴾ [مزمل]

"اِقْرَؤُوا الْقُرْآنَ فَاِنَّهٗ یَأْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شَفِیْعًا لِّاَصْحَابِهٖ"

[مسلم ۱؍۲۷۰]

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

قرآن کریم کے فیوض و برکات

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم

۲۶؍رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء مسجد دار العلوم کنتھاریہ، بھروچ گجرات

فہرست مضامین

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لهٗ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِيْكَ لَهٗ ، وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ، أَمَّابَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰباً﴾ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلاَنَا الْعَظِيْمُ۔

دوستو بزرگواور عزیزو! کل میں نے خاص طور سے قرآن پاک کی اہمیت اور عظمت پر بیان کیا تھا، آج ذہن میں آیا کہ چند آیات کا ترجمہ اور اس کی تفسیر اور اس کی مختصر سی تشریح کردی جائے، تاکہ قرآن پاک کے مضامین کا کچھ اندازہ ہوجائے، ظاہر بات ہے کہ قرآن پاک میں بہت سے مضامین بیان ہوئے ہیں، خاص طور سے چار مضامین کا تو بہت زیادہ تذکرہ ہے، اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے احکام بھی بیان فرمائے، قصے بھی بیان فرمائے، مکالمے اور مناظرے بھی بیان

فرمائے، متشابہات اور محکمات کا بھی تذکرہ ہے، ان سے متعلق کسی نہ کسی درجہ میں ہر مسلمان کو کچھ معلوم ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قلب میں قرآن پاک سے تعلق پیدا فرمایا ہے، جس کی بنا پر قرآن پاک کو ذوق وشوق سے سنتے ہیں اور عمل میں جدوجہد کرتے ہیں، اس طرح اللہ کے کلام کا کسی نہ کسی درجہ میں حق ادا ہورہا ہے، یوں تو کوئی اس کا پورا حق بھلا کیا ادا کرسکتا ہے، تاہم کوشش یہ ضرور ہونی چاہئے کہ قرآن پاک سے زیادہ سے زیادہ ربط وتعلق پیدا ہوجائے، یہ مسلمانوں کیلئے بڑی سعادت کی بات ہے۔ واللہ الموفق

قرآن کریم اور رمضان کی شفاعت

حدیث شریف میں آیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اِقْرَؤُوا الْقُرْآنَ فَاِنَّهٗ يَأتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِّاَصْحَابِهٖ "[مسلم ۲۷۰/۱] یعنی قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو چونکہ قرآن اپنے پڑھنے والوں کیلئے قیامتؔ کے دن سفارش کریگا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی شفاعت کیسی کچھ ہوگی اس کا آپ اور ہم تصور بھی نہیں کرسکتے۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قرآن بھی شفاعت کریگا اور روزہ بھی شفاعت کرے گا۔ قرآن کریم شفاعت کرتے ہوئے کہے گا کہ یارب العالمین! یہ ہمارے پڑھنے میں محنت برداشت کرتا تھا، راتوں کو جاگتا تھا، اسلئے ہماری شفاعت کو اس کے حق میں قبول فرمالیجئے، اور روزہ یہ کہے گا کہ اے اللہ! یہ

ہماری وجہ سے بھوکا پیاسا رہتا تھا، مشقت ومحنت برداشت کرتا تھا، ہماری شفاعت کو اس کے حق میں قبول فرمائیے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے " الصیام والقرآن لیشفعان للعبد یقول الصیام ای رب انی منعته الطعام والشهوات بالنهار فشفعنی فیه ویقول القرآن منعته النوم باللیل فشفعنی فیه فیشفعان" [رواہ البیہقی، مشکوۃ ۱۷۳/۱] ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روزہ اور قرآن دونوں بندہ کیلئے شفاعت کریں گے چنانچہ روزہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! میں نے اس کو کھانے اور دوسری خواہشات سے دن میں روکے رکھا لہٰذا میری طرف سے اس کے حق میں شفاعت قبول فرما، قرآن کہے گا کہ میں نے اسے رات میں سونے سے روکے رکھا لہٰذا میری طرف سے بھی اس کے حق میں شفاعت قبول فرما، چنانچہ ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائیگی۔

رمضان اور قرآن میں ربط

کل بھی بیان کیا تھا کہ ان دونوں میں بہت زیادہ ربط ہے، علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کریم اور رمضان میں بہت زیادہ ربط ہے، ایک تو یہی ہے کہ قرآن پاک کا نزول رمضان میں ہوا ہے، لیکن برکات و فیوض کے اعتبار سے بھی بہت زیادہ مربوط ہے، قرآن کا فیض جیسے عام ہے اسی طرح رمضان کا فیض بھی عام ہے، قرآن کریم کی ہر آیت کا ایک الگ فیض ہے، اسی طرح رمضان کی ہر گھڑی کا ایک الگ فیض ہے، رات کا فیض الگ ہے، دن کا فیض الگ ہے، لکھا ہے کہ دن کا فیض

رات کے فیض سے مختلف ہے۔

وجہ تاخیر سحور و تعجیل افطار

اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ افطار میں جلدی کرو تا کہ دن والا فیض تم کو حاصل ہو جائے اور سحری کے متعلق کہا گیا ہے کہ ذرا تاخیر سے کرو تا کہ رات کا فیض زیادہ مل جائے، دونوں کا فیض الگ الگ ہے اور دونوں کے فیوض کو اللہ تعالیٰ نے دینا چاہا ہے۔ افطار میں جلدی کرا کے اور سحری میں دیر کرا کے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا تزال امتي بخير ما عجلوا الإفطار و أخروا السحر" [مسند احمد ۵/۱۴۷] جب تک افطار میں جلدی کرو گے اور سحور میں تاخیر کرو گے تب تک میری امت خیر پر رہے گی۔ اسکی وجہ (واللہ اعلم بالصواب) یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدیت و بندگی کی تعلیم دی ہے تا کہ افطار میں تاخیر کر کے اور سحری بہت پہلے کر کے عجب میں مبتلا ہو کر اپنے تقویٰ کا مدعی نہ بن جائے۔ اسلئے اپنی ناتوانی اور کمزوری کا استحضار کر کے افطار میں جلدی کرنا چاہئے اور سحری میں دیر کرنی چاہئے تا کہ روزے کا وقت کم سے کم ہو جائے، اسلئے کہ روزے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ دشواری و سختی نہیں ڈالنا چاہتے بلکہ یسر و سہولت کا ارادہ فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۰۵) یعنی اللہ پاک تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں نہ کہ تنگی کا۔

فجر کی سنت میں تقدیم اور عشاء کی سنت میں تاخیر کیوں؟

دوستو! ان احکام میں بڑی حکمتیں اور رعایتیں ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ فجر سے پہلے دو رکعت سنت پڑھنے کا حکم ہے کیونکہ آدمی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو نیند کے کچھ اثرات رہتے ہیں، لہٰذا سنت پہلے پڑھنے سے نیند کا خمار سنتوں میں ختم ہو جائیگا اور فرض اطمینان سے پڑھ سکے گا اور عشاء کی نماز میں کہا گیا کہ فرض نماز پہلے پڑھی جائے اس کے بعد سنت مؤکدہ پڑھی جائے تاکہ فرض نماز باطمینان ادا ہو جائے، اسکے بعد سنت کی ادائیگی میں اگر کسی قدر اثر آ جائے تو حرج نہیں چونکہ فرض نماز ادا ہو چکی ہے۔ سبحان اللہ کیا خوب نکتے ہیں۔

دوستو! یہ احکام کے عِلل اور حِکَم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں حکمتیں رکھی ہیں ان چیزوں میں کتنی حکمتیں ہیں کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ بہر حال رمضان شریف کے فیوض و برکات ہر آن الگ الگ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے مستفیض فرمائے۔ آمین

قرآن کریم کی تلاوت سے نسبت کی تکمیل ہوتی ہے

قرآن کے فیوض عام ہیں، سننے میں بھی فیض اور پڑھنے میں بھی فیض، دیکھنے میں بھی فیض، قرآن پاک کے دیکھنے سے بھی فیض ملتا ہے جیسے بیت اللہ شریف کا دیکھنا عبادت ہے اور جس سے اجر و ثواب ملتا ہے، اس سے قلب میں نورانیت آتی ہے، اس سے نسبت مع اللہ میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بزرگوں نے یہ فرمایا ہے کہ بیت اللہ شریف دیکھنے سے اللہ کی نسبت و تعلق میں قوت پیدا ہوتی ہے، جس کی نسبت میں ضعف ہو وہ بیت اللہ شریف کو دیکھے تو نسبت قوی اور مضبوط ہو جاوے گی۔ پھر فرمایا کہ بیت اللہ شریف کو جانا، اور اس کو دیکھنا سب کے بس میں نہیں ہے، اگر کوئی شخص نہ جا سکے تو آخر اس کی نسبت میں قوت پیدا کرنے کا کیا ذریعہ ہے؟ فرمایا کہ دیکھو! جس طریقہ سے بیت کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور اس کے دیکھنے سے نسبت میں قوت پیدا ہوتی ہے اسی طرح کلام کی نسبت بھی اللہ کی طرف ہے، اس کو دیکھنے سے بھی نسبت میں قوت پیدا ہوتی ہے، پس نسبت کی تقویت اور تکمیل کیلئے جس طرح بیت اللہ کی رؤیت و زیارت معین ہے اسی طرح اس کی تقویت و تکمیل کیلئے کلام اللہ کی رؤیت اور اس کی تلاوت بھی معین و مددگار ثابت ہوتی ہے۔

سالکین کے مقامات کا تلاوت کلام اللہ پر مدار ہیں

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوب لکھا ہے کہ ''مقامات السالکین منوط بتلاوۃ کلام اللہ'' تمام سالکین کے مقامات تلاوت کلام اللہ پر منحصر ہیں، جیسی تلاوت ہوگی ویسا ہی اس کا درجہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی کامل در کامل تلاوت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، اللہ کے کلام کی تلاوت ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ان کی بہت بڑی مہربانی اور عنایت ہے کہ انہوں نے اپنے کلام

کی تلاوت کی ہمیں اجازت عطا فرمائی۔

میرے بزرگو دوستو! جیسے امام اللہ کے کلام کو پڑھتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ پڑھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ''انا'' کا لفظ استعمال کیا تو امام بھی ''انا'' کا لفظ استعمال کرتا ہے، بندے کی کیا مجال کہ وہ ''انا'' کا لفظ استعمال کر سکے لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت اور کرم ہے کہ کلام اللہ کی تلاوت کرا کے گویا وہ اپنا کلام خود سنا رہے ہیں، اسی بنا پر لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ تلاوت کلام اللہ میں یکسوئی پیدا ہو تو وہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تم ہمارے کلام کی تلاوت کرو ہم سنیں گے، بس سننے کا بھی ایک درجہ ہے اور پڑھنے کا بھی ایک درجہ ہے، دونوں ہی سے فیض و برکت کا حصول ہوتا ہے۔

سننے کا بھی اثر ہوتا ہے

اسی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ کلام اللہ کی تلاوت کرو، انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ پر تو کلام اللہ نازل ہوا ہے ہم کیا تلاوت کریں! کہا نہیں، تم تلاوت کرو، چنانچہ وہ تلاوت کرنے لگے، جب تلاوت کرتے ہوئے اس آیت ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْداً ﴾ [سورۂ نساء، ۴۱] [بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے احوال بتانے والے کو بلائیں گے اور تم کو ان لوگوں کا گواہ طلب کریں گے۔] پر پہنچے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم زار و قطار رونے لگے، آنسو

جاری ہو گئے۔[متفق علیہ، مشکوۃ ۱۹۰]

میرے دوستو! سننے کا بھی اثر ہوتا ہے، سمع کا بھی اثر ہوتا ہے، جیسے نطق کا اثر ہوتا ہے ویسے ہی سمع کا بھی اثر ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک بات جسے میں کہہ رہا ہوں مجھ پر اس کا اثر نہ ہو اور آپ پر اسکا اثر ہو جائے اور ایسا بہت ہوتا بھی ہے، چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ مقرر تو اپنے بیان میں لگا ہوا ہوتا ہے لیکن سننے والا یکسوئی سے سن رہا ہے، ﴿اَلْقَی السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ﴾ [ق :۳۷] کان لگائے ہوئے وہ حاضر ہے، اب جو بیان کر رہا ہے وہ تو ہر چیز کو دیکھ رہا ہے، اپنی طبیعت کو، اپنے گلے کو، سب پر اس کی نظر رہتی ہے کہ ہماری آواز صحیح نکلے، لوگ ہماری باتوں کو سمجھ سکیں، اِدھر اُدھر تمام طرف اس کا ذہن جاتا ہے، اور جو بیٹھا ہوا سن رہا ہے اس کو کیا دقت ہے۔

جیسے ایک ڈرائیور ہے وہ گاڑی چلا رہا ہے اس کو دقت ہوتی ہے، دائیں بھی دیکھے، بائیں بھی دیکھے، آگے بھی دیکھے، پیچھے بھی دیکھے، ہارن بھی سنے، بریک بھی مارے، کتنی پریشانیاں ہیں، لیکن بیٹھنے والے کو کیا پریشانی، اسی طرح بیان کرنے والے کو زیادہ دشواری ہوتی ہے، سننے والے کو کیا کلفت؟ اسے تو صرف توجہ سے سننا ہے۔

ریا کار کون؟

لیکن میرے دوستو! اب بیان ہی کو بہت سے لوگ مقصود سمجھتے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ جس کو سمع سے زیادہ نطق محبوب ہو وہ ریا کار ہے۔ اب تو یہ حال ہو گیا ہے کہ سننا ہی نہیں چاہتے، ایک عالم صاحب ظہر بعد یہاں آئے تھے، اور وہی

وقت بیان کی مجلس کا تھا، اب چونکہ بیٹھ کر سننے والی بات تھی تو وہ کہنے لگے کہ مجھے جلدی ہے اس لئے کہ یہ کام ہے وہ کام ہے لہٰذا میں جا رہا ہوں، میں نے کہا کہ کچھ بیان کر دیجئے تو فوراً بیٹھ گئے اور دیر تک بیان کیا لیکن دوسرے کا بیان سننا گوارا نہیں ہوا، چونکہ عموماً نطق محبوب ہوتا ہے، اور یہ بیماری بڑوں میں بھی ہوتی ہے، یہی چیزیں تو ہیں جنہیں فوراً نکالنا ہے، مگر عرصۂ دراز تک آدمی محنت کرتا ہے تب کہیں جا کر یہ چیز نکلتی ہے۔

جاہ کا مرض صدیقین کے قلوب سے اخیر میں نکلتا ہے

میرے دوستو! یہ جاہ ہے، جاہ کا مرض بہت دیر سے نکلتا ہے، ہمارے یہاں تالاب وغیرہ میں جاہ ہوتا ہے، جو اس میں پھنستا ہے تو اسی میں رہ جاتا ہے، غالباً ابن ماجہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ صدیقین کے قلوب سے سب سے اخیر میں جاہ کا مرض نکلتا ہے۔ اس سے نکلنا بہت مشکل ہے، یہ بہت بڑا مہلکہ ہے۔ جاہ کی تعریف میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھی ہے ''طلب الجاہ بواسطۃ العبادات'' یعنی عبادات کے واسطہ سے جاہ چاہنا معلوم ہوا کہ عبادات کے راستے سے بھی انسان جاہ چاہتا ہے، مرتبہ چاہتا ہے، ایسا شخص خدا پرست نہیں ہے بلکہ عبادت پرست اور نفس پرست ہے۔

سننا بھی ایک عمل ہے

میرے دوستو! سمع بھی عمل ہے، خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿اِسْمَعُوْا﴾

یعنی سنو، پس سننا بھی خود ایک عمل ہے اور اس سے اثر لینا بھی ایک عمل ہے، سننا تو عمل جوارح میں سے ہے اور اثر لینا عمل قلب ہے، آپ بیک وقت دو عمل کرر ہے ہیں، یعنی ایک تو سننے کی طاعت کرر ہے ہیں اور دوسری قلب والی طاعت ہے یعنی اثر لینا۔

چنانچہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی سے فرمایا کہ قرآن کریم سناؤ تو سننا بھی سنت ہوا، اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف بولتے ہی رہتے تو سننے کی سنت کہاں سے ثابت ہوتی، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت ہے اور کمال یہ ہے کہ ہر چیز کو کر کے دکھایا، نطق یعنی کلام بھی کیا اور سمع یعنی سن کر بھی بتلایا کہ جیسے نطق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے ایسے ہی سمع بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت اور کمال

میرے دوستو بزرگو! یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے کہ ایسی چیزیں معرض وجود میں آئیں جو امت کیلئے قیامت تک کام آتی رہیں گی، گھروں کے اندر ایسی باتیں ہوئیں جو امت کیلئے قیامت تک کام آنے والی ہیں، یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت ہے اور آپ کا یہ کمال ہے کہ کوئی شان ایسی نہیں ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت موجود نہ ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کی تحقیق

میرے دوستو! کتنی ایسی حدیثیں ہیں جن میں ہمیں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے

ان میں باہم تطبیق دینے کیلئے گھنٹوں علماء تقریر کرتے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہر حدیث اپنی جگہ پر صحیح، مناسب اور موزون ہے، ہم اپنی قلت عقل کی بنا پر اس کو سمجھ نہیں پاتے، جس کی بنا پر بہت دشواری کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر قول کسی نہ کسی امام نے لے لیا، اور ہر حدیث پر آج دنیا میں عمل ہو رہا ہے۔

بہر حال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت اور کمال کی بات ہے کہ آپ سے ایسے اعمال واقوال وجود میں آئے جوامت کیلئے اسوہ بنے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [سورۂ احزاب:۲۱] [تم لوگوں کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واقوال اسوۂ حسنہ اسی وقت ہوں گے جب کہ تمام حالات میں آپ کا عملی نمونہ موجود ہو، چنانچہ زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کا عملی نمونہ یا قولی ہدایت موجود ہے، عبادات کے اعتبار سے بھی، اخلاق کے اعتبار سے بھی، معاملات کے اعتبار سے بھی، صبر وتحمل کے اعتبار سے بھی، غرض کہ ہر اعتبار سے اسوہ حسنہ موجود ہے اور کتابوں میں مسطور ہے۔

قرض لینا اور ادا کرنا دونوں سنت ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے قرض لیا تھا "عن جابرؓ کان لی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم دین فقضا لی" [رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ ر ۲۵۳] معلوم ہوا کہ قرض لینا بھی ایک سنت ہے، لیکن صرف قرض لینا

ہی نہیں بلکہ قرض کا ادا کرنا بھی سنت ہے۔ یہ نہیں کہ قرض تو لے لیا اور پھر بھول گئے۔ الہ آباد میں جب حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو لوگوں نے حضرت کے خواص کی شکایت کی کہ حضرت! یہ لوگ جو آپ کے آگے پیچھے رہتے ہیں قرض تو لے لیتے ہیں لیکن واپس نہیں کرتے، حضرت نے ''ادائے حقوق'' کے نام سے ایک رسالہ لکھ کر ثابت کر دیا کہ جیسے بضرورت قرض لینا سنت ہے ویسے ہی قرض کا ادا کرنا بھی سنت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے قرض لیا تھا، (اس سے معلوم ہوا کہ کافر سے قرض لیا جا سکتا ہے) جو وقت ادائیگی کا مقرر تھا یہودی اس سے پہلے پہنچ گیا اور کہا کہ قرض ادا کیجئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ابھی وقت نہیں ہوا ہے جب مقرر وقت آئیگا تب ادا کریں گے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر و تحمل دیکھئے، یہ نہیں فرمایا کہ ابھی دو دن باقی ہیں، غور فرمائیے کہ یہ سیرت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی، یہودی نے کہا کہ آپ کو ادا کرنا ہوگا ہم آپ کو یہاں سے جانے نہیں دیں گے، چنانچہ آپ کو روک لیا اور کہنے لگا کہ آپ ہمیشہ کے ناہند ہیں اور آپ کے باپ دادا بھی ایسے ہی تھے۔ ظاہر کہ یہ بات بھی کتنی سخت کہی، ایسی صورت میں آدمی کو غصہ اور جوش آ ہی جاتا ہے، اپنے لئے تو سن لیتا ہے اور برداشت کر لیتا ہے لیکن باپ دادا کی بابت سخت بات نہیں سننا چاہتا۔ اس نے یہ بات اس لئے کہی تھی تاکہ آپ کو جوش آ جائے، حضرت عمرؓ وہاں موجود تھے فرمایا کہ حضور! اگر آپ حکم دیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں، آپؐ نے فرمایا نہیں اے عمر! ہم اور یہ ایک چیز

کے زیادہ محتاج ہیں وہ یہ کہ مجھ سے تو یہ کہو کہ قرض لیا ہے تو اس کو ادا کر دیجئے اور اس سے یہ کہو کہ قرض دیا ہے تو نرمی کرو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض ادا فرمایا بلکہ زیادتی کے ساتھ ادا فرمایا اور اچھا مال ادا فرمایا، اس کے بعد وہ یہودی مسلمان ہو گیا، کہا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں اس لئے کہ میں نے توریت میں پڑھا تھا کہ اخیر میں جو نبی آنے والے ہیں وہ نبی بہت زیادہ بردبار اور حلیم ہوں گے، اسی امتحان کی غرض سے میں نے یہ سب کچھ کیا ہے، چنانچہ وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔

[مجمع الزوائد]

قرض محبت کی قینچی ہے

میرے دوستو! یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، حلم کی یہ سیرت تھی، بردباری کی یہ سیرت تھی، آج ہم کو بھی اس سیرت پاک کو اختیار کرنا چاہئے، آج ہمارا یہ حال ہے کہ قرض لیتے ہیں مگر جب کوئی مطالبہ کرتا ہے تو ٹال مٹول کرتے ہیں بلکہ ناراض ہوتے ہیں، قرض لے کر واپس نہ کرنے سے آپسی تعلقات اور محبتیں ختم ہو جاتی ہیں، چنانچہ مشہور مثل ہے کہ ''القرض مقراض المحبۃِ'' قرض محبت کی قینچی ہے، یعنی قرض لینے والے اور دینے والے کی محبت کو کاٹ دیتا ہے، قرض دینے والے کا تو اور زیادہ احسان ماننا چاہئے کہ وقت پر اس نے ہم کو قرض دیا اور ہمارا کام چل گیا، لیکن آج یہ حالت ہے کہ جس سے قرض لیتے ہیں چونکہ ادائیگی کا ارادہ ہی نہیں ہوتا، دھوکہ سے لینا چاہتے ہیں اس لئے وہ

ادا ہو بھی نہیں پاتا، نیت میں ہی کھوٹ ہو تو کیونکر ادا ہو سکتا ہے؟ اگر شروع ہی سے ادائیگی کی نیت ہوگی تو اللہ تعالیٰ ادائیگی آسان فرماتے ہیں۔ بہرحال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض لیا بھی اور ادا کر کے بھی دکھلا دیا، قرض کے سلسلہ میں جو مشقتیں آتی ہیں ان کو اپنے حلم و بردباری کے ذریعہ سہہ کر بھی دکھلا دیا۔

حلم کی تلوار، لوہے کی تلوار سے زیادہ تیز ہے

ہمارے جو اکابر گذرے ہیں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور آپؐ کے اسوہ کو پیش نظر رکھا، جس کی وجہ سے وہ اعلیٰ مراتب تک پہنچے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بہت مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے جہاد میں ایک یہودی کو پچھاڑ دیا اور اس کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گئے، اس یہودی نے آپ پر تھوک دیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فوراً اس کے سینہ پر سے اتر گئے، اب دیکھئے اللہ تعالیٰ خلوص کی برکت کیسے ظاہر فرماتا ہے، اب اس دشمن کو یہ چاہئے تھا کہ فوراً اٹھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر حملہ کر دیتا اور ان کو ختم کر دیتا، لیکن حضرت علیؓ کا ہٹنا بھی دیکھئے اور اس کا تلوار سے وار نہ کرنا بھی دیکھئے، یہ اخلاص کی برکت ہے، اسکے بعد اس نے پوچھا کہ علی! یہ کیا بات ہوئی، ہم نے تو تمہارے چہرہ پر تھوکا تھا اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ مجھے قتل کرنے میں مزید جلدی کرتے، تم کیوں ہٹ گئے؟ کہا دیکھو! بات یہ ہے کہ جب پہلے میں تمہارے سینہ پر چڑھا تھا تو میرا وہ غصہ اللہ کیلئے تھا، جب تم نے تھوک دیا تو میرے نفس میں داعیہ اور جذبہ پیدا ہوا کہ جلدی سے

میں تم کو ذبح کر دوں، پھر میں نے سوچا کہ اللہ کے شیشہ کو اللہ ہی کے ہتھوڑے سے توڑنا چاہئے، تم اللہ کی مخلوق ہو، اللہ کی مخلوق کو اللہ ہی کے حکم سے شکست دینا چاہئے، چنانچہ جب میرے نفس میں جنبش آ گئی تو میں نے نہیں چاہا کہ اللہ کے کام میں نفس کی آمیزش ہو، اس نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے، میں تو اب تک یہ سمجھ رہا تھا کہ تم لوگ ظلم کے بیج بو رہے ہو، اب معلوم ہوا کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، تم تو بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو، تم نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا؟ تم نے یہ نور کہاں سے حاصل کیا؟ جہاں سے تم نے یہ نور حاصل کیا ہے اس آفتاب کے پاس ہمیں بھی لے چلو، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے، وہ اور ان کے گھر کے چودہ یا بیس افراد مسلمان ہو گئے۔

مولانا روم مثنوی میں لکھتے ہیں:

تیغ حلم از تیغ آہن تیز تر
بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر

یعنی حلم کی تلوار لوہے کی تلوار سے زیادہ تیز ہے، بلکہ سینکڑوں لشکر سے بڑھ کر باعث فتح وظفر ہے۔

لوہے کی تلوار تو صرف ایک کو ذبح کرتی ہے اور اس کے استعمال سے اتنے مسلمان نہیں ہوتے، مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب بردباری اختیار کی، صبر وتحمل سے کام لیا تو کتنے افراد مسلمان ہو گئے، آج بھی اس کی ضرورت ہے کہ ہم اسلامی اخلاق وخصائل اختیار کریں تو اغیار بھی متاثر ہوں۔

آج بھی اسلامی تعلیم پیش کرنیکی ضرورت ہے

آج بھی اسلامی تعلیم پیش کرنے کی ضرورت ہے، اسلامی اخلاق پیش کرنے کی ضرورت ہے معلوم ہوا کہ اسلام دہشت گرد مذہب نہیں ہے، اسلام کے اندر صلح ہے، اسلام کے اندر حلم ہے، اسلام کے اندر انسانیت ہے، اس کے اندر اُنس ہے، اس کے اندر اخلاق ہے، اس کے اندر محبت ہے، اپنے معاملات سے ثابت کرو کہ ہم اللہ سے ڈرتے ہیں، اپنے اخلاق سے ظاہر کرو کہ ہم کسی ذات پر یقین رکھتے ہیں، اپنے اعمال سے ثابت کرو کہ ہم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں، کسی کے ساتھ ہم جور وظلم کا معاملہ نہیں کرتے، کسی کیساتھ ہم زیادتی نہیں کرتے، میرے دوستو! یہ اسوہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ان سب پر عمل کر کے دکھلا دیا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کو سیکھا اور ساری دنیا میں انہوں نے دین کو پھیلا دیا، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی ان کو عظمت و رفعت اور عزت عطا فرمائی اور آخرت کیلئے بھی انہیں فوز وکامرانی کی خوش خبری سنائی ...... رضی اللہ تعالیٰ عنہم ......۔

اسلام اخلاق سے پھیلا ہے

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند نے ایک مستقل کتاب ''اشاعت اسلام'' اس پر تحریر فرمائی ہے کہ اسلام تلوار

سے نہیں پھیلا بلکہ اخلاق کے ذریعہ پھیلا ہے۔ اسلامی تعلیمات کو پیش نظر اور ملحوظ رکھنا ہے، اس پر ہمیں خود بھی عمل کرنا ہے، جذبات میں آکر ہم اسلامی تعلیمات کو چھوڑ نہیں سکتے، یہ اسلامیت کا ہی نہیں بلکہ انسانیت کا بھی تقاضا ہے کہ ہم اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کریں، اخلاق کا معاملہ کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

بہرحال میں کہہ رہا تھا کہ سمع بھی ایک عمل ہے جیسے نطق ایک عمل ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو ہم سمجھیں آپ کے دین کو ہم سمجھ کر اس پر عمل کریں، انشاء اللہ یہی عافیت کا وسیلہ اور امن و امان کا ذریعہ ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، ﴿وَمَا اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِیۡنَ﴾ [سورۂ انبیاء:۱۰۷] یعنی آپ کو سارے عالم والوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

تر ہوئی باراں سے سوکھی زمین
یعنی آئے رحمۃ للعالمین

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا ساری دنیا کو تر کر دینا ہے، اخلاقی سوتے خشک ہو چکے تھے، آپس میں میل محبت، الفت ختم ہو چکی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبیلوں میں الفت پیدا کر دی جن میں صدیوں سے دشمنی چلی آرہی تھی، خود قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖ

اِخْوَاناً ﴾ [سورۂ آل عمران: ۱۰۳] یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت سے تم لوگ بھائی بھائی بن گئے۔

میرے بزرگو دوستو! اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہر قسم کے مضامین بیان فرمائے ہیں۔ ہم دیکھیں تو ہر آیت کا ایک فیض ہے، ہر آیت کا ایک علم ہے، ہر آیت کی ایک معرفت ہے۔ جتنا ہم اس پر غور کریں گے، جتنا ہم سوچیں گے اور جتنا ہم اپنائیں گے اور عمل کریں گے انشاء اللہ ہمارا راستہ اتنا ہی صاف ہوتا چلا جائیگا۔

آج جو کلام پاک سنایا گیا اس میں ایسی ایسی سورتیں تلاوت کی گئیں جو انتہائی متأثر کرنے والی ہیں، سب سورتیں ایک سے بڑھ کر ایک، اور ہر ہر آیت دل کو دہلا دینے والی ہے، دل کے اندر رقت در رقت پیدا کرنے والی ہے، کاش ہم لوگ ان آیات سے اثر لیتے۔

کفار پر سب سے زیادہ شاق آیت

علماء نے لکھا ہے کہ فرمان الٰہی ﴿ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَاباً﴾ [سورۃ النبأ: ۳۰] (یعنی مزہ چکھو کہ ہم تم کو سزا ہی بڑھاتے چلے جائیں گے) کافرین پر سب سے سخت آیت ہے۔ ہم کو تو یہ معلوم بھی نہیں کہ کافروں کیلئے یہ سب سے سخت آیت ہے، اسلئے کہ جب ان سے کہا جائیگا کہ عذاب چکھو تو وہ خوشامد کریں گے کہ ہم کو عذاب نہ دیا جائے، چونکہ حق تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا ہوگا کہ ان کو عذاب کا مزہ

چکھانا ہے تو ان کی خوشامد کا کچھ اثر نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ عذاب کا کم یا ختم ہونا تو درکنار ہم تمہارے عذاب ہی کو بڑھاتے رہیں گے، اسکے بعد کفار بالکل ناامید ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ آیت کافروں پر سخت نہ ہوگی تو کون سی آیت سخت ہوگی۔

دنیا کی سرکشی آخرت کی پستی کا باعث ہے

اس آیت سے قبل جہنم اور جہنمیوں کا تذکرہ ہے، وہ آیت یہ ہے ﴿اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَاداً لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰباً﴾ (سورۃ النبأ:۲۲) جس میں بتلایا گیا ہے کہ جہنم طغیان اور سرکشی کرنے والوں کیلئے گھات لگائے بیٹھی ہے، کس قدر ڈرنے کی بات ہے، مجھے یاد ہے کہ فجر کی نماز میں امام صاحب نے جب اس آیت کی تلاوت کی تو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی بہت زور کی چیخ نکل گئی، مگر افسوس کہ ہم لوگوں پر ان آیات کا اثر نہیں ہوتا، بلکہ آج کل لوگ تو تمرد و طغیان اور سرکشی کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ ہم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے، لیکن وہاں جانے کے بعد سب سے زیادہ کمزور یہی لوگ ثابت ہوں گے، اس دن سب سے زیادہ پست یہی سرکش لوگ ہوں گے، یہاں جتنی سرکشی ہوگی اتنی ہی وہاں پستی اختیار کرنی پڑے گی، آج جتنی پستی اختیار کی جائیگی اتنی ہی بلندی اللہ تعالیٰ وہاں عطا فرمائے گا، حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا ﴾ [قصص ر۵] [اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین میں زور گھٹایا جا رہا تھا

ہم ان پر احسان کریں] یعنی ہم قوم موسیٰ پر رحم کرنے والے تھے، احسان کرنے والے تھے۔ پس جو یہاں بیجا قوت پر غرور کرے گا تو اللہ تعالیٰ وہاں اس کو ضعیف فرمائیں گے، کمزور کریں گے، پست فرمائیں گے بلکہ یہیں پر بہتوں کی کمر توڑ دیتے ہیں، بہتوں کے سروں کو کچل دیتے ہیں اور وہاں یعنی آخرت میں تو کیا کچھ ہوگا اللہ ہی جانے!

امام غزالی رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی

میرے دوستو بزرگو! کتنی دہلا دینے والی آیتیں ہیں، کفار کچھ سنتے ہی نہیں، ان آیات پر چونکہ ان کا ایمان نہیں تو اسلئے ان پر اثر بھی نہیں، لیکن مؤمنین صادقین کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ کفار کے متعلق جو آیات ہیں وہی ان سے ڈرتے لرزتے اور کانپتے ہیں۔ غالباً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب تم کلام پاک کی تلاوت کرو اور کفار کا بیان آئے تو یہ نہ سمجھو کہ کفار کیلئے ہے بلکہ تم خود اس سے متأثر ہو، تلاوت کے وقت یہ نہ سمجھیں کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے اور یہ کفار کے بارے میں ہے اور یہ یہود کے بارے میں ہے بلکہ تم خود ڈرو کہ کہیں یہ صفات ہمارے اندر تو نہیں، اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو کہ اے اللہ! ہم کو ہدایت دیجئے تاکہ ہم ان گمراہیوں میں مبتلا نہ ہو جائیں جس کا یہ عذاب ہے، یقیناً یہ ڈرنے کا موقع ہے اسلئے کہ کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ ان کیلئے جہنم کا عذاب ہے، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس میں مبتلا کر دیئے جائیں، اور ہم بھی ہدایت سے نکل کر گمراہی نہ

اختیار کر لیں، اسلئے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ان گمراہیوں سے پناہ میں رکھے۔ آمین

ترتیل کے ایک معنی

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے بارے میں آتا ہے کہ تلاوت کے دوران جب دوزخ کا ذکر آتا تھا تو اس سے پناہ مانگتے تھے، ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً﴾ کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ دوران تلاوت جب ان آیات پر پہنچتے تو ٹھہر جاتے تھے اور اللہ کی پناہ مانگتے تھے، یا اللہ! جہنم سے پناہ دیجئے۔ کون شخص ہے جو اس زمانہ میں یہ کرتا ہو؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو معصوم ہیں، آپ کا کتنا بڑا درجہ ہے، سید الانبیاء والمرسلین ہیں، لیکن اس کے باوجود تلاوت کا یہ انداز تھا کہ جب تلاوت فرماتے تھے اور جہنم کا ذکر آتا تھا تو ٹھہر کر دوزخ سے پناہ مانگتے تھے، اور جب جنت کا ذکر آتا تھا ٹھہر کر جنت کا سوال کرتے تھے، یہ تلاوت تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی، یہ حقیقی تلاوت ہے، جس کے ہم مکلّف ہیں۔

ذرا توجہ سے تلاوت کرو!

تلاوت تو ہم کر ہی رہے ہیں تھوڑا سا اس کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہئے کہ تلاوت دل لگا کر سنت کے مطابق کریں، ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے اخیر زمانہ میں اسی پر بیان کرتے رہے کہ تلاوت تو

کرتے ہی ہو ذرا توجہ سے تلاوت کرو تاکہ تمہاری تلاوت میں روح پیدا ہوجائے، تمہاری تلاوت میں حقیقت پیدا ہوجائے، اپنی تلاوت میں قلب کو شریک کرو، سوچو اور تصور کرو کہ یہ حق تعالیٰ کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ یہ سب قرآن واحادیث سے ثابت ہے کوئی نئی بات نہیں کہی جارہی ہے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرماتے تھے تو معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت تھی، پھر امت کیلئے ضروری ہے کہ اس سنت پر عمل کرے وہ اس کی مکلّف ہے۔

تلاوت میں اگر جہنم کا ذکر آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پناہ چاہی، کیا (نعوذ باللہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جہنم میں جائیں گے، نہیں، بالکل نہیں، وہ تو بالکل پاک وصاف ہوکر آئے، بالکل معصوم ہیں، اس کے باوجود پناہ مانگتے تھے، کتنی آیتیں ہیں، کتنی احادیث ہیں، کتنے استعاذے ہیں، کتنے سوال ہیں جن کا کوئی احصاء نہیں کرسکتا، اس بنا پر یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعی معجزہ ہی ہے کہ اتنی مشغولیت ومصروفیت کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر شعبے میں سینکڑوں احادیث موجود ہیں، اخلاق کے بارے میں دیکھئے، دعا کے بارے میں دیکھئے، پوری حصن حصین دیکھئے، کتنی دعائیں ہیں، حالانکہ وہ تو چھانٹ چھانٹ کر لکھی گئی ہیں ورنہ اور بھی دعائیں ان کے علاوہ بہت زیادہ منقول ہیں۔ پھر اس کے بعد احکام کی تبلیغ، آیات کی تفسیر، تمام چیزیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، آیتوں کی تفسیر بھی ثابت ہے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ

عنہما اس میں ممتاز ہیں، یقیناً رأس المفسرین کہلانے کے لائق ہیں۔

قوم ہے قرآن سے قرآن رخصت قوم گم

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہر قسم کے مضمون بیان فرمائے اور سب کا فیض الگ، سب کا نورا لگ، سب کا نفع الگ، اس میں بہت سی چیزیں سمجھ میں نہیں آتیں، نہ آئے سمجھ میں، الٓمٓ کو تو مولوی لوگ بھی نہیں سمجھ سکتے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور راز ان حروف مقطعات کے معانی بتلائے گئے تھے، تو سب باتوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا، علماء بھی ان حروف مقطعات کے معانی سمجھنے سے قاصر ہیں، لیکن بہت سے مضامین ایسے ہیں جن کو ہم سمجھ سکتے ہیں، اس بنا پر اس کی طرف التفات وتوجہ ہونی چاہئے تا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کا ترجمہ اور اس کی تفسیر امت میں آوے۔ جب تک امت قرآن شریف سے لگی لپٹی رہے گی اس وقت تک کامیابی میسر ہوگی، چنانچہ مشہور شاعر اکبر حسین الہ آبادی نے بہت ہی عمدہ کہا ہے ؎

قوم ہے قرآن سے قرآن رخصت قوم گم
صوم ہے ایمان سے ایمان رخصت صوم گم

روزہ ایمان سے ہے ایمان نہیں تو روزہ بھی نہیں، قوم قرآن سے ہے قرآن نہیں تو قوم بھی نہیں۔ یعنی روزہ میں جب تک ایمان نہ ہوگا اس کا اعتبار نہیں اسی

طرح قوم کیساتھ اگر قرآن کی تعلیمات نہیں تو پھر قوم کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔

مؤمنین پر سب سے زیادہ شاق آیت

دوستو! میں اس پر بیان کر رہا تھا کہ کفار پر سب سے زیادہ اشد اور شاق آیت ﴿ فَذُوقُوا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَاباً ﴾ ہے۔ اور مؤمنین پر سب سے زیادہ شاق آیت ﴿ كِرَاماً كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ (انفطار:۱۱) ہے، یعنی جو کچھ تم کرتے ہو کراماً کاتبین اس کو جانتے ہیں۔ جو تنہائی میں کرتے ہو وہ بھی جانتے ہیں، ستر پردوں کے اندر ستر کمروں کے اندر اگر کوئی کام کرو گے تو اس سے بھی باخبر ہیں، ہر جگہ فرشتے موجود ہیں، ان کیلئے دروازہ کی ضرورت نہیں، پس جو علانیہ کرتے ہو وہ بھی جانتے ہیں، اور جو پردہ میں کرتے ہیں اس کو بھی جانتے ہیں، بس یہ استحضار ہو جانا چاہئے کہ فرشتے ہمارے اعمال کو جانتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں، یہ ہمارا ایمان اور عقیدہ ہونا چاہئے کہ ہم جو کر رہے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے، یہ ہمارے بزرگوں کی تعلیم ہے، ایسی چیزوں پر ان کی زیادہ نگاہ ہوتی ہے، کیونکہ وہ خود عمل کرنا چاہتے ہیں اور آخرت کو پیش نظر رکھنا چاہتے ہیں، اس لئے اپنے متعلقین سے بھی یہی چاہتے ہیں اور اسی کی تعلیم دیتے ہیں۔

سب سے زیادہ پُر امید آیت

میرے دوستو! سورۂ والضحیٰ میں یہ آیت ہے ﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ

فَتَرْضیٰ﴾ حضرت جعفر فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کے نزدیک سب سے ارجیٰ آیت، سب سے زیادہ امید والی آیت ﴿ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ ہے، لیکن ہم اہل بیت کے نزدیک سب سے ارجیٰ آیت ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضیٰ﴾ ہے۔ [اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی نعمتیں عطا فرمائیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔] تفسیر قرطبی میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اذاً واللہ لا ارضیٰ و واحد من امتی فی النار'' [قرطبی ۶۵/۲۰] یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں جب تک میرا کوئی امتی رہے گا میں راضی نہیں ہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوگا انشاء اللہ۔ لہٰذا سب سے زیادہ امید والی آیت ہمارے نزدیک یہ ہے۔

روحانی مزے قلب کو سرشار کر دیتے ہیں

یہ قرآن کی باتیں ہیں، قرآن کریم میں کیسی کیسی آیتیں ہیں، ان آیتوں کو سننے سے دل میں ایک خاص قسم کا لطف بھی پیدا ہوتا ہے، حلاوت بھی ملتی ہے، قرآن میں کیا مزہ نہیں ہے؟ اس کے علوم میں کیا مزہ نہیں ہے؟ اس کے معانی میں کیا مزہ نہیں ہے؟ بہت کچھ مزے ہیں، روحانی مزے ہیں، اس کے سامنے جسمانی ولسانی مزے کی کیا حقیقت ہے، لذیذ سے لذیذ کھانا حلق کے نیچے گیا اور اسکا مزہ ختم، لیکن روحانی مزے ایسے ہیں کہ وہ قلب کو سرشار کر دیتے ہیں، ان کی خوشبوئیں دل ودماغ کو بالکل معطر ومسرور اور منشرح کر دیتی ہیں۔ علمی باتوں کے

سننے سنانے سے اللہ تعالیٰ دل و دماغ میں ایک فرحت عطا فرماتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے "اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر" [متفق علیہ، مشکوٰۃ: ۴۹۵] کہ جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ہوں گی جنہیں نہ کسی آنکھوں نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی بشر کے قلب پر اس کا خطرہ گذرا ہوگا۔

صوفیہ کی تحقیق

بعض صوفیہ یہ کہتے ہیں کہ "ما لا عین رأت" کا مطلب یہ ہے کہ وہاں جنت میں ایسی خوبصورت چیزیں ہوں گی کہ دنیا میں ایسی حسین صورتیں نہ دیکھی ہوں گی اسی طرح "ولَا اذن سمعت" کا مطلب یہ ہے کہ وہاں جنت میں ایسے نغمے ہوں گے کہ یہاں دنیا میں کانوں نے ویسے نغمے نہ سنے ہوں گے اور "ولا خطر علی قلب بشر" کا مطلب یہ ہے کہ وہاں حق تعالیٰ ایسے ایسے علوم و معارف عطا فرمائیں گے کہ کبھی کسی بشر کے قلب پر اس کا ورود نہیں ہوا ہوگا۔

پس میرے دوستو! اللہ نے ہم کو قرآن جیسی نعمت عطا فرمائی، تو قرآن کریم سے ہمارا تعلق صرف رسمی نہیں ہونا چاہئے بلکہ حقیقی تعلق ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے، ہمارے بزرگوں نے خاص طور پر حضرت مرشدی مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے تو اس پر بہت زور دیا ہے اسی بنا پر میں یہ بیان کرر رہا ہوں۔

ہمارا اور آپ کا عقیدہ

جہنم کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کا ذکر فرمایا ہے، اور ان کیلئے انواع و اقسام کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے، مستقل کئی آیات تک اس کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا وَ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا وَّ كَاْسًا دِهَاقًا لَايَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴾ خدا سے ڈرنے والوں کیلئے بیشک کامیابی ہے یعنی باغ اور انگور اور نوخاستہ ہم عمر عورتیں ہیں اور لبالب بھرے ہوئے جام شراب، وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ۔ اس کے اخیر میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴾ یعنی یہ دن حق ہے، سو جس کا جی چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنا رکھے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، متوہم نہیں ہے بلکہ یقینی چیز ہے۔ ہمارا آپ کا مسلک تو یہ ہے ''الجنة والنار مخلوقتان'' یعنی جنت اور جہنم دونوں پیدا ہو چکی ہیں، فی الحال موجود ہیں، حدیثوں میں آیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان الجنة تزخرف لرمضان من رأس حول الی حول '' [رواہ البیہقی ،مشکوۃ ۱۷۴] یعنی جنت رمضان المبارک کیلئے ایک سال سے دوسرے سال تک سجائی جاتی ہے، کتنا شرف ہے جنت کا، اور پھر اس کے ساتھ رمضان کا جوڑ بھی لگایا کہ جنت کو رمضان کیلئے سجایا جاتا ہے، تو میرے دوستو! جنت بھی پیدا شدہ ہے اور جہنم بھی، چنانچہ فرما رہے ہیں ﴿ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ﴾ یہ

حق دن ہے، مشکوک دن نہیں ہے، متوہم دن نہیں ہے، مظنون یعنی گمان والا دن نہیں ہے بلکہ حق دن ہے، بالکل یقینی دن ہے، ﴿ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴾ جو شخص چاہے وہاں ٹھکانہ بنالے، وہاں ٹھکانہ بنانے کیلئے یہیں سے درخواست دینی پڑے گی، یہیں سے مٹیریل بھیجنا پڑے گا، اس کا مٹیریل دنیا میں ہے، "نعمت الدار الدنیا لمن تزود منها لآخرته " [احیاء العلوم ۴/۱۹] یعنی دنیا اس شخص کیلئے بہترین جگہ ہے جو اس دنیا سے آخرت کیلئے تحفہ تیار کرے۔ یعنی دنیا میں عمل کریں گے تو آخرت میں اس کا اجر و ثواب ملے گا۔

پورے دین کا خلاصہ

میرے دوستو! مؤمن تو ڈرتا ہی رہتا ہے۔ حضرت فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مؤمن کھجور بوتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے کہ اس کے خلاف کانٹا نہ سامنے آجائے اور منافق کانٹا بوتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ ہم کو چھوارہ مل جائیگا، ہم کو تو ڈرنا ہی ہے، اس دن کا یقین کرنا ہے، اس دن کی ہولناکیوں سے پناہ مانگنا ہے اور اس دن کی نعمتوں کا سوال کرنا ہے، پورے دین کا خلاصہ یہی ہے کہ قیامت کے دن ہم سرخ رو ہو جائیں، اللہ کے یہاں جو ہولناک عذاب ہے اس سے بچ جائیں اور جنت میں داخلہ ہو جائے، مؤمن اسی کو بڑی کامیابی سمجھتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ﴾ [آل عمران: ۱۸۵] یعنی جو شخص دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو وہ پورا کامیاب ہوا۔

وہاں تو ”کن فیکون“ والا معاملہ ہے

حدیثوں میں آتا ہے ”فلو ان تنیناً منها نفخت فی الارض ما انبتت خضراء“ [ترغیب ۴/۲۶۵] کہ وہاں کا سانپ اگر ایک مرتبہ دنیا میں پھنکار دے تو یہاں کبھی بھی گھاس نہیں اُگے گی۔ اور اب تو یہ سب باتیں سمجھ میں آنے والی ہیں کیونکہ ایسے ایسے بم ایجاد کر لئے ہیں کہ اگر کہیں گرا دیئے جائیں تو سالہا سال تک وہاں پر زندگی کے آثار نیست و نابود ہو جائیں، اگر اللہ کے عذاب میں یہ اثر و ضرر ہو تو کون سی تعجب کی بات ہے؟ پہلے تو سمجھنے میں کچھ دقت ہوتی تھی، مگر اب تو امریکہ کا صدر کہتا ہے کہ ایک گھنٹہ میں ساری دنیا کو نیست و نابود کر سکتا ہوں تو اگر اللہ تعالیٰ ایک آواز میں ساری دنیا کو نیست و نابود کر دے تو اس میں کون سے تعجب کی بات ہے، مگر ان منکرین و ملحدین اور ان بڑے بڑے سائنس دانوں کو سمجھ میں نہیں آتا، کہتے ہیں کہ یہ دنیا کیسے نابود ہو گی؟ ایک معمولی سا زلزلہ آ جاتا ہے تو شہر کے شہر ختم ہو جاتے ہیں، نیست و نابود ہو جاتے ہیں، جب اللہ ایک شہر کو نیست و نابود کر سکتا ہے تو اگر سارے عالم کو ایک آن میں ختم کر دے تو اس میں کون سے تعجب کی بات ہے اس لئے کہ وہاں تو ”کن فیکون“ والا معاملہ ہے کہ کہا اور ہو گیا۔

ہماری آزادی اور بیباکی کا علاج

قیامت کے دن کا یقین سب سے بڑی بات ہے، اسلام کے عقائد میں نہایت اہم عقیدہ ہے پس اگر ہمارا یہ عقیدہ مضبوط ہے تو پھر ہم کو یہ مستحضر ہو گا کہ

ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونا ہے، اپنے ہر ہر عمل کا جواب دینا ہے، ہر ہر بات کا جواب دینا ہے، تو پھر مجال نہیں کہ کوئی لغو بات کر سکے، غلط قدم اٹھا سکے، آج جتنی بے عنوانیاں اور آزادیاں ہیں یہ سب اسی بنا پر ہیں کہ قیامت کا جو استحضار ہونا چاہئے وہ نہیں ہے، روایتوں میں آتا ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اول صلاح ھذہ الامة الیقین والزھد" [رواہ البیہقی، مشکوٰۃ ۴۵۰] یعنی اس امت کی بہتری یقین اور زہد میں ہے۔ لہٰذا یقین کا کمزور ہو جانا، یقین کے اندر ضعف کا پیدا ہو جانا یہ کوئی کم خطرناک بات نہیں ہے، اس کی وجہ سے آدمی عمل میں بیباک ہو جاتا ہے، جس کو جو چاہے کہہ دیتا ہے، کسی بات کی پروا نہیں کرتا۔

سمندر میں ڈال دیا جائے تو وہ گندہ ہو جائے

دوستو! اپنے گھر والوں کی اصلاح سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے "عن عائشة رضی اللہ عنھا قالت قلت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم حسبك من صفية كذا وكذا تعنی قصيرة فقال صلی اللہ علیہ وسلم لقد قلت كلمة لو مزج بها البحر لمزجته" [رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ۴۱۴] یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہ تو نہایت پستہ قد ہیں تو فرمایا اے عائشہ! تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں ڈال دی جائے تو گندہ ہو جائے۔ دیکھئے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اس موقع پر خاموش نہیں رہے بلکہ اصلاح فرمائی۔ اپنے گھر والوں کی اصلاح میں رعایت نہ فرمائی، مگر آج اس کا اہتمام نہیں ہے۔ جب ایک بم سے سمندر زہر آلود ہوسکتا ہے تو اگر ایک کلمہ میں اللہ تعالیٰ یہ صفت دے دے تو کون سے تعجب کی بات ہے؟ پس جس کو یہ بات مستحضر ہوگی وہ بات کرنے میں کس قدر احتیاط کریگا۔

شب قدر کی تعلیم

شب قدر کی مقدس رات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اگر معلوم ہو جائے کہ آج شب قدر ہے تو میں کیا پڑھوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شب میں یہ دعا پڑھتی رہو "**اللهم انك عفو تحب العفو فاعف عني**" اے اللہ! آپ معاف کرنے والے ہیں اور معافی کو پسند کرتے ہیں، مجھے معاف کردیجئے۔ غور فرمایئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی، یہ نہیں کہ تم میری بیوی ہو، تم کو کیا ضرورت ہے کچھ پڑھنے کی۔ جایا کرو، نہ تلاوت کی ضرورت، نہ دعا کی ضرورت اور نہ التجا کی ضرورت نہیں ابلکہ معافی طلب کرنے کی تعلیم دی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ بہت بڑی صوفیہ تھیں

ایک عالم تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق انہوں نے اچھا بیان کیا کہ وہ عالمہ تھیں، فقیہہ تھیں، محدثہ تھیں، اور ان کی شان میں بہت اچھی باتیں بیان

کیں، میں نے کہا کہ یہ سب تو تھیں ہی لیکن وہ بہت بڑی صوفیہ بھی تھیں۔

اس کی تائید میں یہ واقعہ کافی ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بہت عرصہ بعد ان کی وفات ہوئی، مرض الموت میں مبتلا تھیں، حضرت ابن عباسؓ عیادت کے لئے حاضر ہوئے، انہوں نے اجازت چاہی تو فرمایا کہ ان کو اجازت نہیں ہے لوگوں نے کہا کہ بیت نبوی کے چشم و چراغ ہیں لہٰذا انہیں اجازت مرحمت فرمایئے، فرمایا کہ وہ آئیں گے تو میری تعریف کریں گے، اگر وہ اس شرط پر آنا چاہیں کہ میری تعریف نہ کریں گے تو اجازت ہے، بہرحال وہ تشریف لے گئے مگر جاتے ہی تعریف شروع کردی کہ آپ یہ ہیں اور آپ وہ ہیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ تعریف کریں گے، میں یہ چاہتی ہوں کہ بھولی بسری ہوکر اللہ کے یہاں حاضر ہوں۔ حضرت مریم علیہا السلام نے بھی یہی کہا تھا کیونکہ ان پر ایک الزام تھا اس بنا پر انہوں نے کہا تھا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تو کچھ بھی نہ تھا، یہ ان کے نفس کی انتہائی فنائیت کی بات تھی، اپنے کو کچھ نہیں سمجھتی تھیں، کہتی تھیں کہ ”وددت انی کنت نسیًا منسیًا“ [رواہ البخاری:۱۸۶] میں نسیاً منسیاً ہوکر حق تعالیٰ سے ملنا چاہتی ہوں، کوئی میرا نام بھی نہ جانے، یہی تو تصوف ہے، اپنے مراتب اور کمالات کی طرف سے نظر کا ہٹانا یہی تصوف ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فنائیت و معرفت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں غایت درجہ فنائیت و معرفت تھی جس

کا اندازہ آپ کے اس قول سے ہوتا ہے جسے امام بخاریؒ نے نقل فرمایا ہے:

”ان عائشة رضی الله عنها اوصت عبدالله بن الزبیر رضی الله عنه لاتدفنی معهم وادفنی مع صواحبی بالبقیع لَا ازکّی به ابداً“ [بخاری: ۱/۱۸۶]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (انتقال کے وقت) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو وصیت کیا کہ مجھے ان لوگوں (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) کے ساتھ مت دفن کرنا بلکہ میری سوکنوں کے ساتھ دفن کرنا، میں نہیں چاہتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری بھی تعریف ہوا کرے۔

کون یہ نہیں چاہتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہو جائے، لیکن ان کا حال دیکھئے، کتنی بڑی بات فرمائی، ہم لوگ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غیر محرم وہاں مدفون تھے اس لئے انہوں نے دفن ہونا پسند نہیں فرمایا، لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ تواضع و فنائیت کی وجہ سے اور اپنی سوکنوں پر برتری کے خوف کی وجہ سے ایسا نہیں چاہتی تھیں۔

میرے دوستو! کتنی بڑی بصیرت اور معرفت کی بات ہے، میں تو کہتا ہوں کہ جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی عارفہ تھیں، عالمہ تھیں، فقیہہ تھیں، محدثہ تھیں، مفسرہ تھیں وہیں بہت بڑی صوفیہ بھی تھیں، صوفی کی جو خاص شان ہے فنا اور بقا، ان تمام چیزوں سے وہ متصف تھیں، یہ سب باطنی چیزیں بھی صحابۂ کرامؓ نے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی تھیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فنائیت کو دیکھئے کہ آپ نے تو اپنے ہاتھ پیر کا بھی مالک اپنے کو نہیں ٹھہرایا بلکہ اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا ”اللھم ان قلوبنا و جوارحنا بیدك لم تملکنا منھا شیئا فإذا فعلت ذلك بنا فکن انت ولیھا“ [کنز العمال ۲/ ۱۸۲] یعنی اے اللہ! ہمارے قلوب اور اعضاء تیرے قبضہ میں ہیں، تو نے ہمیں اختیار کامل نہیں دیا ہے ان میں سے کسی چیز پر، پس جب تو نے ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے تو تو ہی ہمارا مددگار رہے۔

بہرحال میں کہہ رہا تھا ﴿ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰباً ﴾ اس یوم حق کا استحضار اور یقین ہوگا تو پھر آدمی بولنے میں بھی احتیاط کرے گا، چلنے میں بھی احتیاط کرے گا، اس بنا پر قیامت کا یقین اور اس کا استحضار بہت ضروری ہے، اس کا مراقبہ کرنا بہت مفید ہے، اس سے ہمارے اعمال کے اندر سدھار پیدا ہوگا، ہمارے اعمال کے اندر اعتدال پیدا ہوگا، گناہوں سے بچنے میں آسانی ہوگی، ایک بدنظری پر اگر اللہ پکڑ لے تو کوئی چھڑا سکتا ہے؟ کوئی نہیں چھڑا سکتا۔

چھوٹے گناہ کو چھوٹا سمجھ کر مت کرو

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صغائر سے بھی بچو، چھوٹے گناہ کو چھوٹا سمجھ کر مت کرو، ورنہ اللہ پکڑ لے گا تو کوئی نہیں چھڑا سکتا، محلات اور بنگلوں کو جلانے کے لئے ایک معمولی چھوٹی سی چنگاری بھی کافی

ہے، صغیرہ پر اگر اللہ گرفت فرمالے اور جہنم میں بھیج دے تو کوئی کیا کرسکتا ہے، وہاں کسی کی کچھ نہ چلے گی ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوم لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار﴾ اللہ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ بتلاؤ آج کے دن کس کا ملک ہے، خود فرمائیں گے وہ تو اللہ واحد قہار کا ملک ہے، کوئی چوں نہیں کرسکتا، نہ حضرت جبرئیل، نہ حضرت میکائیل، کوئی کچھ نہیں بول سکتا، وہاں کوئی مجازی مالک بھی نہیں ہوں گے، اور یہ مجازی بادشاہ اور یہ مجازی وزیر اور صدر، ان کا بھی کہیں نام ونشان نہیں ہوگا۔ بس اللہ ہی اللہ ہوگا۔

طاعات سے رغبت اور معاصی سے نفرت کیونکر؟

میرے دوستو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آخرت کا پورا نقشہ کھینچ دیا ہے، جنت کا نقشہ بھی سامنے رکھ دیا ہے اور جہنم کا بھی، کوئی نبی ایسا نقشہ نہیں کھینچ سکتا تھا، بس نبی نے اسی کی تشریح کی جو قرآن میں اللہ نے بیان کیا ہے کیونکہ یہ غیب کی چیز تھی، سوائے خدا کے کوئی بیان ہی نہیں کرسکتا تھا، کیا جنت کا ذکر کوئی سائنس داں، کوئی منطقی، کوئی فلسفی بیان کرسکتا ہے؟ کوئی بیان نہیں کرسکتا، یہ اللہ تعالیٰ ہی نے بیان کیا کہ جنت کو بالکل سامنے کردیا ہے، دوزخ کو بالکل سامنے کردیا ہے، تاکہ جنت کا شوق پیدا ہوجائے جس سے طاعات کی طرف رغبت ہوجائے اور دوزخ کا خوف پیدا ہوجائے تاکہ معاصی سے نفرت ہوجائے۔

میرے دوستو! جب آپ اس جنت کو سوچو گے تو یقینی طور پر طاعات کی

طرف رغبت پیدا ہوگی اور جب جہنم کو سوچو گے تو یقینی طور پر معاصی سے نفرت پیدا ہوگی، طاعت کی طرف رغبت اور معاصی سے نفرت کا یہ بہترین علاج اور تدبیر ہے اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزولِ کتاب

دوستو اور بزرگو! حفاظ تلاوت کرتے ہیں، ماشاء اللہ اچھا پڑھتے ہیں، اس کا اثر بھی ہوتا ہے، مجھ کو تو یہ خیال ہوتا ہے کہ ہر ہر آیت کو اصلاح کیلئے بیان کرتے رہنا چاہئے، چنانچہ علماء کو بھی قرآن کے علوم سے مناسبت پیدا کرنا چاہئے اور اس کو جتنا عام کیا جائے گا اتنی ہی اللہ کی رحمت نازل ہوگی، حدیث میں آتا ہے "لله اشد اذنا الى الرجل الحسن الصوت بالقرآن يجهر به من صاحب القينة الى قينته" [ابن ماجہ/۹۵] یعنی قرآن کی اچھی اور بلند آواز سے تلاوت کرنے والے کی طرف اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ توجہ کرتا ہے جتنا ایک امیر آدمی اپنی مغنیوں کی غنا کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اللہ کو اپنا کلام سننا بہت ہی زیادہ پسند ہے، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ صحیح طور سے دل لگا کر تلاوت کریں، کسی چیز کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ایک ایک حرف پڑھنے کا ثواب ہے، ایک حرف پر دس نیکی کا ملنا معمولی بات نہیں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام کے بارے میں بھی نہیں فرمایا تو دوسروں کے کلام کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے، اس بنا پر اس کلام سے ہم کو تعلق پیدا کرنا چاہئے، اس سے ہم کو اثر لینا

چاہئے، ذوق پیدا کرنا چاہئے، اللہ ہم سب کو اسکی توفیق دے، رمضان شریف کا مہینہ ہے، قرآن شریف کے متعلق بہت کچھ بیان کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآنی علوم سے مناسبت پیدا فرمائے، اقبالؔ نے کتنا عمدہ شعر کہا ہے حالانکہ وہ انگریزی داں تھے ؎

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

حضرت حسینؓ سے زیادہ ظلم کس پر ہوا ہے؟

جب اللہ کی طرف ذکر و شغل اور تلاوت کے ذریعہ متوجہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ علوم کو منکشف فرمائے گا، کسی نے علامہ اقبال سے پوچھا کہ حضرت حسینؓ سے زیادہ کسی پر ظلم ہوا ہے؟ کہا ہاں، دریافت کیا کس پر؟ کہا قرآن پر، ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کو یہ بات بہت پسند تھی، بار بار اس کا ذکر فرماتے تھے۔

قرآن کریم کی طرف سے بے اعتنائی، بے توجہی بہت ہی خطرناک بات ہے، اللہ ہم سب کو اسکی طرف متوجہ کر دے، اس سے ذوق اور مناسبت دے تاکہ ہمارے مقامات سلوک تمام ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

دعا کیجئے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، وَالصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ

الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَعَلٰی اٰلِـهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب ، اللهم ثبت قلبى على دينك اللهم ثبت قلبى على دينك، اللهم انى اسئلك اليسر و المعافاة فى الدنيا والآخرة ، اللهم انى اسئلك المعافاة، اللهم انى اسئلك العفو والعافية ، اللهم انى اسئلك العافية و دوام العافية والشكر على العافية ،

اے اللہ! قرآن پاک سے ہم کو مناسبت پیدا فرما، اے اللہ! اس کا ذوق وشوق پیدا فرما، اے اللہ! اس کی تلاوت کی توفیق مرحمت فرما، شب وروز تلاوت کی توفیق مرحمت فرما، یہ مہینہ تلاوت کا ہے، خوب تلاوت کی ہم کو توفیق عطا فرما، حقیقی تلاوت کی توفیق عطا فرما، دل لگا کر تلاوت کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! اس کے علوم ومعارف سے ہمارے سینوں کو منور وروشن فرمادیجئے، یا اللہ! ہم کو صحیح یقین مرحمت فرمادیجئے، کلام اللہ کے کلام اللہ ہونے پر صحیح یقین عطا فرمایئے، اس کی ہر ہر آیت پر یقین عطا فرمایئے، یا اللہ! اپنے فضل وکرم سے ہم میں قرآن کا ذوق پیدا فرمایئے، یا اللہ! قرآن شریف وحدیث کو اپنا پیشوا بنانے کی توفیق مرحمت فرمایئے، یا اللہ ان دونوں کے انوار میں ہمیں مقاماتِ سلوک طے کرنے کی توفیق مرحمت فرمایئے، یا اللہ! اس کا نفع دنیا میں بھی عطا فرمایئے اور آخرت میں بھی عطا فرمایئے،

یااللہ! اپنی رضا اور خوشنودی سے ہم کو مشرف فرمایئے، یااللہ! دنیا میں ہمارے سامنے بہت سی پریشانیاں اور بہت سی مشکلات ہیں اس کلام پاک اور رمضان شریف کی برکت سے ان پریشانیوں کو دور فرمایئے، مشکلات کو آسان فرمایئے، یااللہ! ہمارے دین کو محفوظ فرمایئے، ایمان کو محفوظ فرمایئے، ہمارے بچوں کی حفاظت فرمایئے، دین مستقیم پر ان کو دائم وقائم رکھئے، یااللہ! دین اور ایمان کی دولت سے انہیں بہرہ ور فرمایئے، کوئی بھی تعلیم ہو یااللہ! دین واسلام سے ان کو خالی نہ فرمایئے، محروم نہ فرمایئے، یااللہ! اس دین اسلام کو قیامت تک آن بان اور شان وشوکت کے ساتھ باقی رکھئے اور اس کو ترقی عطا فرمایئے، اپنے کلمہ کو بلند فرمایئے، دین کو عام وتام فرمایئے، یااللہ! رمضان شریف کے جو روزے ہم رکھ رہے ہیں ان روزوں کو قبول فرمایئے، قرآن پاک کی برکت ہمیں عطا فرمایئے۔ آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

﴿وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾

اعمال صالحہ

میں مسابقت

اگر نخواستے داد ندادے خواست
اگر وہ دینا نہ چاہتے تو طلب بھی پیدا نہ کرتے۔

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء مسجد دار العلوم کنتھاریہ، بھروچ گجرات

فہرست مضامین

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَشَرِيْكَ لَهٗ ، وَ نَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا، أَمَّابَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ، لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

دوستو بزرگو اور عزیزو! ظاہر بات ہے کہ آج ہم لوگ لیلۃ القدر کے قوی احتمال کی بنا پر حاضر ہوئے ہیں، یقینی لیلۃ القدر تو نہیں کہا جاسکتا لیکن قوی احتمال ہے کہ آج لیلۃ القدر ہے، زیادہ اقوال ستائیسویں شب کے بارے میں ہی ہیں، لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں دائر ہے، یعنی ۲۱ رویں، ۲۳ رویں، ۲۵ رویں، ۲۷ رویں اور ۲۹ رویں شب میں سے کسی بھی شب میں یہ

دائر ہوسکتی ہے، انہوں نے متعین نہیں فرمایا، دیگر متعدد احادیث سے دیگر متعدد راتوں کا بھی علم ہوتا ہے، بہرحال ستائیسویں متعین ومتقین نہیں ہے البتہ محتمل ضرور ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو لیلۃ القدر کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے، ہم تو یہی طلب لے کر آئے ہیں، گمان غالب لے کر آئے ہیں کہ آج لیلۃ القدر ہے، اس بنا پر اتنے لوگ جمع ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ اس تمام مجمع کے ہر ہر فرد کو اس شب کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے، کیونکہ اس رات کی بڑی فضیلت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری ایک سورت ہی اس سلسلہ میں نازل فرمادی، اس سے بڑھ کر اس کی اہمیت اور فضیلت کیا ہوسکتی ہے۔

اعمال صالحہ میں مسابقت محمود و مطلوب ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں بروایت مجاہد ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک عابد بنی اسرائیل کا ایسا تھا کہ رات بھر عبادت کرتا تھا اور دن بھر جہاد کرتا تھا، اور ایک ہزار مہینے اس نے اسی عبادت میں گذار دیئے، چونکہ ان کی عمریں بھی طویل ہوا کرتی تھیں، اسلئے صحابۂ کرامؓ کو یہ خیال ہوا کہ پھر تو یہ لوگ ہم سے عبادت میں بڑھ جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس امر میں مسابقت جائز ہے، کھیل میں مسابقت کی کوئی اہمیت نہیں لیکن عبادت میں اور دینی کاموں میں مسابقت کا جذبہ محمود ہی نہیں بلکہ شرعاً مطلوب ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾[سورۂ حدید/۱۹] یعنی طلب مغفرت میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اعمال صالحہ میں، اذکار الٰہیہ میں اور اوراد و وظائف میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش اور سعی ہونی چاہئے، یہ عنداللہ محمود و پسندیدہ ہے، یہ عجیب بات ہے کہ جو چیز محمود نہیں ہے اس میں تو ہم لوگ مسابقت کرر ہے ہیں، میچ خوب دیکھ رہے ہیں اور کھیل رہے ہیں، لیکن جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ﴿وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴾[مطففین/۲۶] [اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہئے] اس میں مسابقہ نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر تنافس کرنا چاہتے ہو تو اعمال صالحہ میں تنافس کرو اور اس میں دوسروں سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ میں بڑھنے کی کوشش کرنا، جدو جہد کرنا مرغوب و مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کو محمود ہے۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لا حسد الا فی اثنین رجل اٰتاه الله مالاً فسلطه علی هلكته فی الحق ورجل اٰتاه الله الحكمة فهو يقضی بها ويعلمها" [متفق علیہ، مشکوٰۃ/۳۲] دو شخصوں کے بارے میں حسد یعنی رشک کرنا ٹھیک ہے، ایک تو وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا چنانچہ وہ اس علم کے مطابق حکم کرتا اور اسے دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی تعریف علماء یہ کرتے ہیں کہ کسی کی نعمت و دولت کو دیکھ کر قلب میں

جلن کا پیدا ہونا اور اس کے ضیاع کو چاہنا، اس کیلئے سازش کرنا۔ تو سن لو یہ بہت بڑا اور برا مرض ہے، لیکن اس کے بارے میں حدیث ہے کہ دو آدمیوں کے بارے میں حسد کرنا جائز ہے، اس بنا پر ہمارے علماء اس کا ترجمہ حسد سے نہیں کرتے بلکہ رشک اور غبطہ سے کرتے ہیں، مطلب یہ کہ تم دو آدمیوں کے بارے میں رشک کر سکتے ہو کہ ہم ان سے بڑھ جائیں ایک تو وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہے اور وہ اس مال کو کار خیر میں صرف کرتا ہے، دوسرے وہ شخص جس کو اللہ نے علم دیا ہے اور وہ اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچا رہا ہے، اپنے وعظ و بیان کے ذریعہ، یا اپنی تقریر و تحریر کے ذریعہ، پس اگر کوئی شخص یہ تمنا کرے کہ اللہ تعالیٰ اگر مجھے اس سے زیادہ مال دے تو میں بھی اللہ کی راہ میں اس سے زیادہ صرف کروں تو یہ جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص یہ تمنا کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے علم کی یہ نعمت عطا کرے تو میں بھی یہ سب خدمات انجام دوں تو یہ جائز ہی نہیں بلکہ محمود و پسندیدہ ہے اسلئے کہ یہ "سابقوا الی الخیرات" میں داخل ہے۔

صابر و شاکر بننے کا نسخہ

دین کے بارے میں مسابقت کرنا اور ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنا یہ بہت بڑی بات ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خصلتان من کانتا فیه کتبه الله شاکراً صابراً من نظر فی دینه الی من هو فوقه فاقتدی به ونظر فی دنیاه الی من هو

دونه فحمد الله على ما فضله الله عليه ''[رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ۴۴۸/۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس کے شاکر اور صابر ہونے کا فیصلہ فرمادیگا، جو شخص اپنے دین میں اپنے سے بڑوں کو دیکھے اور اس کی پیروی کرے، اور دنیا میں اپنے سے کمتر کو دیکھے اور اللہ کی حمد بیان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے۔ یعنی آدمی صابر وشاکر ہو ہی نہیں سکتا جب تک کے دنیا کے بارے میں اپنے سے کمتر کو نہ دیکھے اور دین کے بارے میں اپنے سے برتر کو نہ دیکھے۔ دین کے بارے میں اپنے سے برتر کو دیکھنا چاہئے تاکہ دین میں ترقی کی رغبت وشوق ہو اور دنیا کے بارے میں اپنے سے کمتر کو دیکھنا چاہئے تاکہ قناعت کی صفت پیدا ہو۔

اگر یہ چیز پیدا ہو جائے تو واقعی دل میں اطمینان پیدا ہو جائے، یہ سب جو پریشانیاں ہم لوگوں کی ہیں وہ حرصی اور طمعی ہیں، اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمایا ''اللهم انى أسئلك نفساً بك مطمئنة تؤمن بلقائك و ترضى بقضائك و تقنع بعطائك'' [کنز العمال ۱۹۸/۲] اے اللہ! میں آپ سے ایسا نفس چاہتا ہوں جو آپ سے مطمئن ہو اور آپ کے قضا پر راضی ہو اور آپ کے عطا پر قناعت کرے۔ جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قضا اور عطا پر رضا کی دولت سے نواز دے گویا کہ اسے سب کچھ دے دیا، اور وہ مطمئن ہو جائیگا، ورنہ تو کروڑ روپیہ کسی کے پاس ہو اور اس کا نفس مطمئن نہ ہو اور نہ حاصل شدہ نعمت پر راضی ہو تو اسے کچھ بھی حاصل نہیں۔ وہ خائب وخاسر ہے، بہت خسران اور گھاٹے میں ہے۔

دنیا میں انہماک کا نتیجہ

میں دیکھتا ہوں کہ جو کم کاروباری ہوتے ہیں وہ تو دین اور دینداری کی طرف آ بھی جاتے ہیں اور جب ان کا کاروبار پھلتا اور پھیلتا ہے تو اتنا ہی دین سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے یہاں کے لوگ بمبئی، کانپور میں تجارت کے سلسلہ میں گئے تو ان میں کچھ حفاظ بھی تھے ان کا سب سے پہلے دین کا نقصان یہ ہوا کہ انہوں نے تراویح پڑھانا چھوڑ دیا، کاروبار میں ایسا لگنا کہ دین کا نقصان ہو جائے ایک مؤمن کو گوارا نہیں ہونا چاہئے، ہم سب لوگوں کو اس پر غور کرنا چاہئے اور اس سے غایت درجہ پرہیز کرنا چاہئے، اسلئے کہ یہ بہت ہی گھاٹے کا سودا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

اپنے نفس سے کبھی غافل نہ ہونا چاہئے

اپنے نفس کے کید و مکر سے غفلت کسی صورت میں جائز نہیں ہے، اس وقت بھی غفلت جائز نہیں جبکہ میں دینی وعظ بیان کر رہا ہوں، یعنی اس وقت بھی اپنے نفس کی طرف نگاہ ہونی چاہئے کہ عجب نہ پیدا ہو، کبر نہ پیدا ہو، خود بینی اور انانیت کے مرض میں مبتلا نہ ہوں، ہر وقت اپنے نفس پر کڑا نگراں ہونا چاہئے، جب تک ایسا نہ بنے گا اس وقت تک اصلاح نہیں ہو سکے گی، اس بنا پر دنیا میں بھی آدمی کو ہر وقت پُر حذر اور چوکنا رہنا چاہئے کہ ہمارا یہ کاروبار جو بڑھ رہا ہے تو ایسا تو نہیں ہے کہ یہ ہمیں اللہ سے دور کر رہا ہے، دین سے دور کر رہا ہے، یہ سب معلوم ہونا چاہئے

اور پیش نظر رہنا چاہئے۔

غفلت کا انجام

اپنی اصلاح سے کبھی غافل نہیں رہنا چاہئے ورنہ تو اس کا سنگین انجام ہوتا ہے جیسا کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے "ان اناسا من عرينة قدموا المدينة فاجتووها فبعثهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فى ابل الصدقة وقال اشربوا من ألبانها وأبوالها فقتلوا راعى رسول الله صلى الله عليه وسلم واستاقوا الابل وارتدوا عن الاسلام فاتى بهم النبى صلى الله عليه وسلم فقطع ايديهم وارجلهم من خلاف وسمر اعينهم وألقاهم بالحرة" [ترمذی ۱/۲۱]

یعنی عرینہ کا ایک گروہ مدینہ پہنچا، ان کو مدینہ کی آب وہوا موافق نہ آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ کے اونٹوں میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اونٹوں کے دودھ اور پیشاب پیو، پس ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے اور اسلام سے مرتد ہو گئے۔ چنانچہ ان لوگوں کو پکڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں خلاف جانب سے کاٹے اور ان کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائی ڈالی اور ان لوگوں کو سخت گرم علاقہ میں ڈال دیا۔ دیکھئے! ان حضرات نے اپنی اصلاح نہیں کی اور اپنے نفس کو غفلت میں رکھا تو

اس کا انجام بد سے بدتر ہوا کہ ایمان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا اور جان بھی گنوائی۔

اللہ کی حکومت ذاتی ہے

ہمارے بڑوں نے یونہی نہیں فرمایا کہ سنت کی بھی تم حفاظت کرو، اگر سنت میں تہاون اور سستی وکسلمندی کرو گے تو فرض کے ترک میں مبتلا کر دیئے جاؤ گے۔ اور جو شخص فرض کے ترک میں مبتلا ہو اس سے کفر ہو جانا کیا بعید ہے، بہت سنبھل کر قدم رکھنا، پھونک پھونک کر قدم رکھنا، اللہ تعالیٰ کا یہ دین ہے، اگر تم بے نیاز ہو تو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ بے نیاز ہے، سب کو جہنم میں ڈھکیل دیگا کسی کی پرواہ نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث قدسی نقل فرماتے ہیں "یا عبادی لو ان اولکم واٰخرکم وانسکم و جنکم کانوا علی اتقیٰ قلب رجل واحد منکم ما زاد ذالك فی ملکی شیئاً یاعبادی لو ان اولکم واٰخرکم وانسکم و جنکم کانوا علی افجر قلب رجل واحد منکم ما نقص ذالك فی ملکی شیئاً" [رواہ مسلم، مشکوٰۃ ۲۰۳] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سارے عالم کے لوگ تقویٰ پر ہو جائیں تو میری حکومت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، اور سارے عالم کے لوگ فاسق وفاجر ہو جائیں تو ہماری حکومت میں کوئی کمی نہیں آئیگی۔ الیکشن سے ہماری حکومت نہیں ہے، فوج سے ہماری حکومت نہیں ہے، ہماری حکومت تو ذاتی ہے، جیسے اللہ کا وجود واجب الوجود ہے اسی طرح اس کی حکومت اور سلطنت کو کوئی ٹس سے مس نہیں کرسکتا، وہ

ہمارے ماننے نہ ماننے پر موقوف نہیں ہے، اللہ کا حکم اپنی جگہ پر ایک حقیقت ہے، ہماری سعادت ہے کہ ہم شہادت دیں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت ہماری سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہے، اللہ پر احسان نہیں ہے بلکہ اللہ کا کرم ہے کہ انہوں نے شہادت کی توفیق دی۔

بہرحال میرے دوستو! میں یہ کہہ رہا تھا کہ صحابۂ کرامؓ کو یہ خیال ہوا کہ بنی اسرائیل کے عابدین رات میں عبادت کرتے تھے اور دن میں جہاد کرتے تھے اور ان کی عمریں بھی طویل لہٰذا یہ تو ہم سے عبادت میں بڑھ جائیں گے، اس قسم کا جب خیال آیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمائی کہ تم امت محمدیہ میں سے ہو، لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے محبوب ہیں ان کی امت بھی محبوب ہے، میں تمہیں ہرگز ان سے کمتر نہیں کروں گا، تم کو نوازوں گا اور بخشوں گا، تم بڑے سعادت مند ہو "**اذا سخر الله اناسا لسعید فکلهم سعداء**" اللہ تعالیٰ جب کسی سعید کیلئے لوگوں کو مسخر کرتا ہے تو سب کے سب سعید اور نیک بخت ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کا ہر فرد آفتاب و مہتاب تھا، تمام کے تمام چمکتے ستارے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی کتنے وقیع اور پیارے الفاظ میں تعریف فرما رہے ہیں "**أصحابی کالنجوم فبأیهم اقتدیتم اهتدیتم**" [رواہ رزین، مشکوٰۃ ر ۵۵۴] ہمارے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جس کی بھی تم اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

پس اے لوگو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

کے طفیل میں ہمیں ایک ایسی رات سے نوازا جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، یہ اللہ کی نہایت عظیم نعمت ہے۔

اعمال صالحہ میں مسابقت کا جذبہ

میرے دوستو! صحابہ کرام کے دل میں داعیہ اور جذبہ ہوتا تھا کہ عبادت میں ہم سے کوئی بڑھنے نہ پائے، اور یہ داعیہ وجذبہ محمود ہے، مشکوٰۃ ص/۵۵۵ پر ایک حدیث درج ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اعلان کیا کہ کار خیر میں زر ورقم کی ضرورت ہے۔ جس کی جتنی خواہش ہو لے آؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخلصین سے مالی ضرورت کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔ اب سنئے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ آج ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھنے کا اچھا موقع ملا ہے، چنانچہ گھر میں جتنا سامان تھا اس کا نصف لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا، اسی طرح صدیق اکبرؓ نے بھی جو کچھ سامان گھر میں تھا لا کر پیش کردیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا عمر اپنے اہل خانہ کیلئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! گھر کا آدھا سامان چھوڑ آیا ہوں، ابوبکر صدیقؓ سے دریافت کیا کہ تم اہل خانہ کیلئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا کہ گھر میں اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑ کر آیا ہوں باقی سب لے کر آیا ہوں اور خدمت اقدس میں پیش کردیا۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد، مشکوٰۃ ۵۵۵)

دیکھئے! اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ

میں آدھا مال پیش کر کے حضرت ابو بکرؓ سے بڑھ جاؤں گا، دل میں یہ خیال آنا یہی مسابقہ ہے اور بڑھنے کا داعیہ و جذبہ پیدا ہونا یہی روحانی اور عبادتی میچ ہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ اس روحانی اور عبادتی میچ میں آگے بڑھ گئے، انہوں نے یہ میچ جیت لیا، اسی لئے تو اللہ نے آپ کو صدیق بنایا، اور اسی لئے آپ کے بارے میں مشہور ہے "**افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ابو بکر الصدیق**" انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین اور افضل ترین شخص ابو بکر صدیق ہیں۔

میرے دوستو! حضرت عمرؓ نے چاہا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بڑھ جائیں، بڑھ نہیں سکے یہ دوسری بات ہے لیکن ان کے ذہن میں یہ بات تو آئی، تو امور خیر میں بڑھنے کی خواہش اس سے ثابت ہوتی ہے، یہ چیز مذموم نہیں بلکہ محمود و مطلوب ہے، اللہ کو یہ چیز پسند ہے، اس بنا پر ہمارے اندر بھی یہ داعیہ اور جذبہ پیدا ہو تو بہت ہی غنیمت ہے، اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہمارے دل میں یہ جذبہ اور داعیہ پیدا ہو کہ ہم تلاوت میں آگے بڑھ جائیں، ذکر اللہ میں آگے بڑھ جائیں، اسی طرح اللہ کے راستہ میں ہم خرچ کرنے میں بڑھ جائیں، جس طرح ہم نوافل بدنیہ میں اضافہ چاہتے ہیں اسی طرح نوافل مالیہ میں بھی بڑھنے کی کوشش کرنا چاہئے، اگر مال میں تمہیں وسعت ہو تو مال جتنا پہلے خرچ کرتے تھے اس سے زیادہ اس ماہ مبارک میں خرچ کرو، رمضان المبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوا کے جھونکوں سے بڑھ کر سخی ہو جاتے تھے، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں ہے "**کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس بالخیر وکان**

اجود ما یکون فی رمضان کان جبرئیل یلقاه کل لیلة فی رمضان یعرض علیه النبی صلی الله علیه وسلم القرآن فاذا لقیه جبرئیل کان اجود بالخیر من الریح المرسلة "[متفق علیہ، مشکوٰۃ/۱۸۳] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں خیر و بھلائی کے معاملہ میں بہت سخی تھے اور خصوصاً رمضان میں تو بہت سخاوت کرتے تھے۔ رمضان کی ہر شب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور آپؐ ان کے سامنے قرآن پڑھتے، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات کے وقت آپ کی سخاوت ہوا کے جھونکوں سے بھی بڑھ جاتی تھی۔

نیز ترمذی میں ایک روایت ہے "ان رجلا جاء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فسأله أن یعطیه فقال ماعندی شیئ لکن اتبع علیّ فاذا جاء نی شیئ قضیته فقال عمر یا رسول الله صلی الله علیه وسلم قد أعطیته ما کلف الله ما لا تقدر علیه فکره النبی صلی الله علیه وسلم قول عمر فقال رجل من الانصار یارسول الله صلی الله علیه وسلم انفق ولاتخف من ذی العرش اقلالاً فتبسم و عرف البشر فی وجهه لقول الانصاری ثم قال بهذا امرت "[شمائل ترمذی/۲۴] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آئے اور کچھ مانگا، آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کچھ باقی نہیں رہا (جو تجھ کو کچھ دے سکوں) لیکن تو میرے نام سے خرید لے جب ہمارے پاس آئیگا ادا کردیں گے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول

اللہ! جو چیز آپ کی قدرت میں نہ ہو حق تعالیٰ نے مکلّف نہیں فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوئی۔ پھر انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ خوب خرچ کیجئے اور مالک عرش سے کمی کا اندیشہ نہ فرمایئے، آپ نے تبسم فرمایا اور آپ کے چہرہ مبارک پر بشاشت نمایاں ہوئی اور فرمایا میں اسی کا مامور ہوں۔

اللہ تعالیٰ جس کو جتنا چاہے عطا کر سکتا ہے، اگر کسی کو نہیں دیتا ہے تو یہ اس کی مصلحت ہے لیکن اللہ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے۔ ﴿مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ [النحل/۹۶] [جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائیگا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کبھی ختم نہ ہوگا۔]

میرے دوستو! ان چیزوں میں مسابقت ہونی چاہئے، یہ اچھی چیز ہے، خوب سمجھنا چاہئے، یہ ریاء نہیں ہے، سمعہ نہیں ہے، یہ تو ہونا ہی چاہئے، اسی سے آدمی بڑھتا ہے ترقی کرتا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس رات کو فضیلت والی بنایا ہے، بہت قدر و منزلت والی بنایا ہے، ہزار مہینے سے بہتر یہ رات ہے، ہزار مہینے کے ۸۳/سال اور چار مہینے ہوتے ہیں۔ پھر بہتر ہونے کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شب قدر میں عبادت کیلئے کھڑا رہا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔ [بخاری و مسلم]

کسی چیز کے حصول کیلئے طلب وخواہش شرط ہے

اب اس رات میں ہمارے آپ کے دل میں اللہ سے مانگنے اور عبادت کرنیکی خواہش ہونی چاہئے، طلب وخواہش بہت بڑی نعمت ہے، اگر طلب ہوگی تو انشاء اللہ ضرور ملے گا، اور اسی طلب ہی میں تو آپ لوگ یہاں آئے ہیں، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ دینا چاہتے ہیں کیونکہ طلب بھی اسی نے پیدا فرمائی ہے ۔

اگر نخواستے داد نداد ے خواست

یعنی اگر وہ دینا نہ چاہتے تو طلب بھی پیدا نہ کرتے۔

میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

پس یہ ہماری طلب بھی کسی کی دَین وعطیہ ہے، ورنہ آج دیکھئے! باہر نکل جائیے کہ کیا کیا لوگ کرر ہے ہیں، ہاں! البتہ جتنے لوگ یہاں جمع ہیں ہم انہیں بھی بہت زیادہ سمجھتے ہیں، اس کو اللہ کا فضل سمجھتے ہیں، لیکن یہاں بھروچ میں جتنی ہماری آبادی ہے اس کے حساب سے کم ہی ہیں، سارے کنتھاریہ بستی کے لوگ آجائیں تو اس سے زیادہ ہو جائیں، جبکہ کہاں کہاں سے لوگ آتے ہیں تب اتنے لوگ ہیں، میرے دوستو! طلب کی کمی ہے، جن لوگوں کو اللہ یہاں لاتا ہے ان پر اللہ کا فضل ہے، اس زمانہ میں دین کی باتوں کو سننے اور اس پر عمل کرنے کا دل کے اندر

جذبہ اور داعیہ کا پیدا ہو جانا بہت بڑی نعمت اور دولت ہے، ورنہ یہ بے طلبی کا زمانہ ہے، غفلت کا زمانہ ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا، آخرت یاد دلا دیا، آخرت کو پیش نظر کرا دیا وہ بہت ہی خوش نصیب ہیں، انہوں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی دنیا تو فانی ہے اور آخرت باقی ہے ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُوْسٰى﴾ [الاعلیٰ/ ١٦] تم ترجیح دیتے ہو دنیوی زندگی کو حالانکہ اخروی زندگی اچھی بھی ہے اور باقی بھی ہے، اور یہ صرف قرآن کریم میں نہیں ہے بلکہ پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں بھی یہ مذکور تھا، صحف ابراہیم علیہ السلام میں بھی لکھا ہوا اور صحف موسیٰ علیہ السلام میں بھی لکھا ہوا ہے، ایک ہی مشکوٰۃ نبوت سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام گفتگو کرتے ہیں، جیسا کہ جب پاور سے روشنی جلیں گی تو سب کی سب ایک ہی قسم کی تو ہوں گی، اسی طرح تمام انبیاء اللہ کی طرف سے مبعوث تھے تو وہ ایک ہی قسم کی تعلیمات پیش کرتے تھے، اسلئے تمام انبیاء کی تعلیمات یکساں ہیں، بعض جزئیات میں فرق ہوسکتا ہے لیکن کلیات کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، تمام انبیائے کرامؑ توحید، رسالت اور بعث بعد الموت یعنی قیامت کی تعلیم دیتے رہے، وحدانیت کے سلسلہ میں مشہور مقولہ ہے "وحدوا الله فان التوحيد رأس الطاعات" اللہ کی توحید اختیار کرو، سب سے بہترین چیز توحید ہی ہے، سب سے بڑی نعمت توحید ہی ہے، جس کو اللہ نے توحید دے دیا گویا کہ سب کچھ دے دیا۔

میرے دوستو! بعض اپنے آپ کو عقلمند کہنے والے راہ سے ہٹ گئے اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ بنا دیا، وہ احمق یہ نہیں سمجھتے کہ جو پیدا ہو وہ کیسے الٰہ بن سکتا ہے، ہمارا عقیدہ تو یہی ہے: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ [سورہ اخلاص] [اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے وہ اللہ تعالیٰ ایک ہے وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہم سر ہے۔] یعنی وہ تو خالق ہے، نہ وہ تمہارا والد ہے نہ والدہ۔ اور یہ بیوقوف لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہتے ہیں کہ پیدا ہوئے ہیں، ان کی والدہ مریم علیہا السلام ہیں اور پھر بھی الٰہ کہتے ہیں، بلکہ اب تک ان کے یہاں یہ طے نہیں ہوسکا کہ الٰہ کہیں یا بشر، ان کا بیٹا کہیں یا کیا کہیں۔

اعمال کی قبولیت کا مدار

میرے دوستو! اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہم کو توحید کی قیمتی دولت سے سرفراز فرمایا، یہ بہت بڑی دولت ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ توحید مذہب اسلام میں آنکھ کی پتلی کی حیثیت رکھتا ہے، اسی سے تمام چیزیں نظر آتی ہیں، اسی طرح ہمارے دین اسلام میں تمام اعمال کا دارومدار بھی توحید پر ہی ہے، اگر توحید نہ ہو تو پھر سارے اعمال اکارت، توحید نہیں تو پھر کچھ نہیں، میرے دوستو! ایمان کی حفاظت کی سخت ضرورت ہے، ایمان کو بچائے رکھو اور محفوظ رکھو سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ یہی پوچھیں گے کہ کیا لائے ہو۔ منکر نکیر بھی پہلا سوال یہ کریں گے کہ تمہارا رب کون ہے؟

کیا یہی تمہاری توحید ہے!

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا اور اللہ کے حضور پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا لائے ہو؟ اب وہ سوچنے لگے کہ کیا پیش کروں، سوچا نماز کو پیش کردوں پھر معاً خیال آیا کہ ہماری نماز اس لائق نہیں، نہ وضو ٹھیک کیا نہ دیگر ارکان صحیح ادا کئے اسلئے اسے کیا پیش کریں، پھر اسی طرح دیگر ارکان یعنی روزہ زکوٰۃ اور حج کا خیال آتا گیا اور ہر ایک کے بارے میں یہی رائے قائم ہوئی کہ کوئی چیز پیش کرنے کے لائق نہیں، اخیر میں یہی مناسب سمجھا کہ توحید کو پیش کردوں، چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ! کوئی عمل تو نہیں ہے البتہ میں توحید لے کر آیا ہوں، کہا گیا کہ کیا یہی تمہاری توحید ہے کہ ایک دن دودھ پیا اور تمہارے پیٹ میں درد شروع ہوگیا تھا تو کہا کہ دودھ سے پیٹ میں درد ہوا، یہ توحید ہے؟ تم کو کہنا چاہئے تھا کہ اللہ کی مشیت وقضا نے درد پیدا کیا، دودھ نے نہیں۔ بس پھر خاموش ہوگئے، اب کھڑے ہیں کہ کیا پیش کریں، پھر عرض کیا کہ اے اللہ! میں کچھ نہیں لے کر آیا بالکل بے بس اور خالی ہاتھ آیا ہوں، آپ کے فضل کا میں امیدوار ہوں، بس اتنا کہنا تھا کہ بخشش ہوگئی اور چھٹکارا پالیا۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی دعویٰ نہیں چلے گا، وہاں تو فنائیت چلے گی، وہاں تو عاجزی چلے گی، سب کچھ کرنے کے بعد کچھ نہیں، یہاں تو کچھ ہی کرنے کے بعد آدمی سب کچھ ہوجاتا ہے، وہاں سب کچھ کرنے کے بعد کچھ نہیں ہوتا، یعنی دعویٰ

کمال وغرور سے پاک رہتا ہے، پس اللہ تعالیٰ کے راستہ میں فنا ہے پستی ہے، ترک دعویٰ ہے، اس سے آدمی کمال تک پہنچتا ہے۔ غرض وحدانیت بہت بڑی دولت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو اس کی توفیق دے کہ ہم طریق کو سمجھیں اور اس کے مطابق چل کر اللہ تک پہنچیں۔

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام

اسکے بعد رسالت کا نمبر آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بندوں تک اپنے پیغام کو پہنچانے کیلئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل انبیاء کرام اور مرسلین کو بھیجتے رہے ہیں، توحید کے بعد رسالت کا عقیدہ ایک اہم اور بنیادی عقیدہ ہے، اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی، حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کا ایک بہت ہی عمدہ شعر اس سلسلہ میں ہے ۔

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

اس شعر میں کتنے اچھے انداز میں رسالت کی اہمیت کو ظاہر فرمایا، اللہ تعالیٰ حضرت مولاناؒ کی قبر کو نور سے منور فرمائے۔ آمین

اسی طرح قیامت کا بھی عقیدہ ہے، جتنے انبیاء کرام آئے انہوں نے توحید کو بیان کیا، رسالت کو بیان کیا اور قیامت کو بیان کیا، جزئیات میں کچھ مختلف رہے ہیں لیکن ان عقائد میں سب متفق ہیں، چونکہ سب مشکوٰۃ نبوت سے بولتے ہیں اس

لئے سب کی صدا ایک ہی ہوتی ہے، چاہے ابراہیم علیہ السلام ہوں چاہے موسیٰ علیہ السلام ہوں چاہے عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا پھر خاتم الانبیاء جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے آ کر توحید اور شرک کی بحث کو مکمل کر دیا، عیسیٰ علیہ السلام نے آلاء اللہ یعنی اللہ کی نعمتوں کی بحث کو مکمل کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام کے ساتھ ساتھ موت اور مابعد الموت کی بحث کو مکمل کر دیا، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان ہے، موت و مابعد الموت کو کسی نبی نے اتنا بیان نہیں کیا تھا جتنا آپ نے بیان کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کا استحضار

موت کی یاد بہت سی روحانی بیماریوں کیلئے علاج ہے، موت نصیحت اور عبرت ہے، اس بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أكثروا ذكر هاذم اللذات أي الموت" [رواہ الترمذی والنسائی، مشکوۃ ر ۱۴۰] لذات کو توڑنے والی چیز کو کثرت سے یاد کرو اور وہ موت ہے۔ موت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب سمجھایا ہے اس کو مستحضر رکھو گے تو تمہارے اندر کبر نہیں آئیگا، غفلت نہیں پیدا ہوگی۔ حدیث میں آیا ہے "عن ابن عباسؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يهريق الماء فيتيمم بالتراب فاقول يارسول الله! ان الماء منك قريب فيقول ما يدريني لعلي لا ابلغه" [رواہ فی شرح السنہ، مشکوۃ ر ۴۵] نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے نکلتے اور فوراً تیمّم فرما لیتے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! پانی تو موجود ہے، آپ نے تیمّم کیوں فرمایا؟ آپؐ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ یقین نہیں تھا کہ میں پانی تک پہنچ پاؤنگا اس بنا پر تیمّم کرلیا۔ دیکھئے! میرے دوستو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کا کتنا استحضار تھا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے سو دینار میں ایک مہینے کے وعدے پر کنیز خریدی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسامہ کی حالت پر تعجب کرو کہ زندگی کا بھروسہ ایک دن کا نہیں اور ایک مہینہ کے وعدہ پر کنیز خریدی ہے۔ یہی طول امل ہے، جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے احیاء میں اس کی صراحت کی ہے "والذی نفسی بیدہ ما طرفت عینای الا ظننت ان شفری لایلتقیان حتی یقبض اللہ روحی ولا رفعت طرفی فظننت انی واضعہ حتی اقبض ولا لقمت لقمۃ الا ظننت انی لا اسیغھا حتی اغص بھا من الموت" [رواہ ابن ابی الدنیا والطبرانی] [احیاء العلوم ۴/۴۴۳] اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے جب بھی آنکھیں کھولیں اس گمان کے ساتھ کھولیں کہ پلکیں بند کرنے سے پہلے میری روح قبض کرلی جائیگی اور جب بھی میں نے آنکھیں اوپر اٹھائیں یہ سوچ کر اٹھائیں کہ انھیں نیچے کرنے سے پہلے میری روح قبض کرلی جائیگی اور میں نے جب بھی کوئی نوالہ اٹھایا اس خیال کے ساتھ اٹھایا کہ اس کے نگلنے سے پہلے میری موت آجائیگی۔

چنانچہ حادثات میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے، ایک لمحہ کا بھی موقع نہیں ملتا، جس کا

ہم آپ عامۃً مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، ہمارے یہاں ایک ڈاکٹر تھا اس کو ہارٹ اٹیک ہوا، اور اس کو معلوم تھا کہ ہارٹ کی دوا یہاں ہی رکھی ہوئی ہے، اسلئے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا دوا اٹھانے نہیں پایا تھا کہ وہ مر گیا۔ میرے دوستو! ایک آن کی بھی کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا، اس بنا پر موت کا استحضار بہت ہی ضروری ہے یہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور سے بھی بتلایا اور قولی طور سے بھی بتلایا، اپنے قال اور حال سے ہمارے لئے ایک نمونہ پیش فرمادیا، کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ انبیائے کرام علیہم السلام جو بات فرماتے ہیں وہ ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوتی ہیں، جزئیات میں فرق ہے لیکن کلیات کے اعتبار سے سب ایک ہیں، اور ہر ایک کی ایک الگ شان ہے، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں قدر مشترک تمام چیزیں ہی پائی جاتی ہیں لیکن اس میں بھی موت اور مابعد الموت کو خوب بیان فرمایا اور اس باب کی گویا تکمیل فرمادی۔

قدر کے مختلف معانی

بہر حال میں ذکر کر رہا تھا کہ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ چونکہ بڑی قدر و منزلت والی رات ہے اس بنا پر اس کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے، یہ تو ہم اور آپ سب جانتے ہی ہیں، مگر ایک بات اور امام رازیؒ نے خاص طور سے لکھی ہے کہ جو اس رات میں عبادت کر لیتا ہے تو قابل قدر ہو جاتا ہے اس وجہ سے اسے لیلۃ القدر کہا جاتا ہے۔ کتنی عمدہ بات ہے، یہ بھی قول

ہے کہ قدر سے مراد تقدیر ہے، تقدیر کے جتنے صحیفے ہیں وہ سب اسی رات میں فرشتوں کو سپرد کئے جاتے ہیں، عمر کے بارے میں، رزق کے بارے میں اور دیگر مختلف امور کے بارے میں، گویا پورے سال کا پروگرام اس وقت فرشتوں کو سپرد کیا جاتا ہے۔

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

اس کے بعد ارشاد باری ہے: ﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ﴾ فرشتے اور روح الامین اس رات میں نازل ہوتے ہیں۔ لکھا ہے کہ سدرۃ المنتہٰی پر جتنے فرشتے ہیں ان سب کو لے کر حضرت جبرئیل علیہ السلام شروع رات ہی میں نیچے آجاتے ہیں اور جو کوئی بھی اس رات میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے، ذکر و تلاوت اور مناجات میں مشغول رہتا ہے اس سے ملاقات کرتے ہیں اور اس کیلئے دعاء کرتے ہیں، کتنی بڑی سعادت کی بات ہے، اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے، رات کو اللہ کی عبادت کیلئے جاگنا یہ بہت بڑی خوش نصیبی اور سعادت کی بات ہے، اور خاص طور سے آج کے اس پرفتن دور میں جبکہ فتنے اڑ اڑ کر پہنچ رہے ہیں، دوسرے بہت سے لوگ بھی راتوں کو جاگتے ہیں لیکن ان کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے وہ ٹی وی کیلئے جاگتے ہیں کرکٹ کھیلنے اور دیکھنے کیلئے جاگتے ہیں اس طرح رات کے دو دو تین تین بجے تک خرافات میں پڑے رہتے ہیں، اور اب تو یہ حال ہوگیا ہے کہ کسی کے یہاں عشاء کے بعد جانا بھی

مشکل ہوگیا ہے کیونکہ اکثر لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں اور اس ٹی وی کی بیماری سے دوچار ہیں، اچھے اچھے لوگ دیکھتے ہیں، اسلئے ہم نے تو عشاء بعد جانا ہی چھوڑ دیا۔

میرے دوستو! رات کو پورے گھر کے افراد جاگتے ہیں اور حیا سوز مناظر دیکھتے ہیں پھر دو تین بجے جاکر سوتے ہیں تو کیسی فجر اور کیسی تلاوت قرآن، ہم لوگ جب کبھی دیر سے سوتے ہیں تو اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے، پھر یہ ٹی وی والے تو دل و دماغ سے بالکل تھک جاتے ہیں یہ کیا اٹھیں گے، اصل سنت تو یہی ہے کہ عشاء کے بعد سو جاؤ اور تہجد میں اٹھ جاؤ، لیکن اگر کوئی دینی کام میں مشغول ہے، مسئلے مسائل میں لگا ہوا ہے، تعلیم و تبلیغ میں لگا ہوا ہے تو اس کیلئے گنجائش ہے۔ لیکن فجر کا اہتمام بلکہ تہجد کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ **"عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عبد اللہ! لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترک قیام اللیل"** [متفق علیہ، مشکوٰۃ/۱۰۹] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ! فلاں شخص کی طرح مت ہو جا کہ وہ تہجد پڑھتا تھا پھر تہجد پڑھنا چھوڑ دیا۔ لکھا ہے کہ صوفیہ اور عشاق کیلئے تہجد براق ہے، جیسے براق پر بیٹھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کیلئے تشریف لے گئے تھے تو تہجد کی نماز کیلئے آدمی جب اٹھتا ہے تو بہت تیز رفتاری سے اللہ کی طرف جاتا ہے۔ میرے دوستو! تہجد ضرور پڑھنا چاہئے، صرف رمضان ہی میں نہیں بلکہ عام دنوں میں بھی عادت ڈالنی چاہئے، سب لوگ آج کی اس مبارک شب میں ارادہ کرلیں کہ ہم ضرور اس کی کوشش کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز توفیق ملے گی۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

بغیر مناجات اور بغیر سحر گاہی کے کچھ نہیں ملتا نیز مشہور ہے کہ ''من طلب العلیٰ سھر اللیالی'' یعنی جس کو بلندی چاہیئے وہ راتوں میں بیدار رہے۔ کچھ پانے کیلئے کچھ کھونا پڑتا ہے، ہمیشہ کی راحت کیلئے ہمیں عارضی راحت کو تھوڑا سا قربان کرنا پڑیگا۔ ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

رات کے پچھلے حصہ میں کچھ دولت لٹتی رہتی ہے
جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے جو جاگتا ہے سو پاتا ہے

اور اگر کوئی خاص بات کہنی ہوتی یا کوئی خاص مضمون بیان کرنا ہوتا تو ہم کو تہجد کے وقت ہی عموماً بلاتے تھے، ہم لوگ چونکہ گھر کے تھے، فرماتے تھے کہ دیکھو یہ بات پہلے میں نے اپنے سے کہا پھر اب تم لوگوں سے کہتا ہوں اب تم جا کر خانقاہ والوں سے کہو۔ دیکھو! تبلیغ کی یہ ترتیب ہے، قرآن کریم میں بھی اسی ترتیب کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿یٰٓأَیُّھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَاراً﴾ [التحریم/٦] [اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ] پہلے اپنے آپ کو بچانا ہے پھر اہل وعیال کا نمبر آتا ہے اس کے بعد اپنے قریبی رشتہ داروں کا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ [الشعراء/٢١٤] [اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔] آج باہر کی بڑی فکر ہوتی ہے اپنے گھر

سے بالکل بیگانے بنے پھرتے ہیں، اول اپنی اصلاح کرنی ہے پھر گھر والوں کی پھر باہر والوں کی۔ ترتیب تو یہی ہے کوئی مانے یا نہ مانے۔

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ آج کی شب اس کا ارادہ کرلیں کہ ہم تہجد کی پوری پوری کوشش کریں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے، عام طور سے اس کی طرف سے بے اعتنائی ہورہی ہے، بلکہ فجر کی نماز میں بھی بہت لوگ نہیں رہتے، ایک دفعہ میں نے کسی سے کہا کہ بھائی وہ فجر کے بعد بیان میں نہیں نظر آتے کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ بیان تو کیا وہ نماز میں ہی نہیں آتے۔ سنئے! یہ حالات ہیں خاص لوگوں کے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

میرے بزرگو دوستو! تہجد کی نماز بہت بڑی نعمت اور دولت ہے، تہجد کہتے ہی ہیں جہد یعنی مشقت کو، اس کیلئے اٹھنے میں بڑی مشقت ہوتی ہے لیکن جو اٹھ جاتا ہے تو اس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ "**فاصبح نشیطاً طیب النفس**" [متفق علیہ، مشکوٰۃ/۱۰۸] وہ نشیط القلب اور پاک نفس والا ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے اور اس میں تنافس کی بھی توفیق دے تاکہ ہماری مناجات، ہماری دعا، ہمارا ذکر اور ہماری تسبیح وغیرہ ہمارے نامۂ اعمال میں زیادہ سے زیادہ لکھی جاوے۔

استغفار کے فوائد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**طوبیٰ لِمن وجد فی صحیفته استغفاراً کثیراً**" [رواہ فی شرح السنۃ، مشکوٰۃ/۲۰۶] مبارکباد ہے اس شخص کیلئے جس

کے نامۂ اعمال میں استغفار کی کثرت ہو، استغفار بہت بڑی دولت ہے، جب آدمی استغفار کرتا ہے تو بہت سی بلائیں دور ہو جاتی ہیں، بہت سے غیب کے دروازے اس پر کھول دیئے جاتے ہیں، رزق وسیع ہو جاتا ہے، اپنے گناہوں کا استحضار جتنا زیادہ ہوگا، مغفرت کی طلب جتنی زیادہ ہوگی اللہ تعالیٰ کو ایسا آدمی اتنا ہی پسند ہوگا۔

چند صاف صاف باتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما اوحى اليّ ان اجمع المال واكون من التاجرين ولكن اوحى اليّ ان سبح بحمد ربك وكن من السجدين واعبد ربك حتى يأتيك اليقين**" [مشکوۃ/۴۴۲] کہ دیکھو! مجھ کو اللہ تعالیٰ نے کہیں نہیں کہا کہ مال جمع کروں اور کاروباری بن جاؤں بلکہ یہ وحی بھیجی ہے کہ پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہوں اور نماز پڑھنے والوں میں رہوں اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہوں یہاں تک کہ موت آجائے۔

اس بنا پر میرے دوستو! میں نے یہ چند باتیں صاف صاف بیان کر دیں، اول درجہ عالم میں بھیجے جانے کا عبادت کا ہے اور پھر ثانوی درجہ دوسری چیزوں کا ہے، میں آپ حضرات کو صاف صاف دین کی باتیں پیش کر رہا ہوں، کسی سے مرعوب ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، اسلئے کہ ہمارے پاس کتاب اللہ ہے، سنت

رسول اللہ ہے، جو بہترین قوت ہے پھر کسی سے مرعوب ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، بنیادی چیز یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت کو مقدم کریں، دنیا میں چاہیں جتنی ترقی کرلیں، جتنی تجارت کو بڑھالیں لیکن اللہ کو نہ بھولیں، اس کے احکام کو نہ بھولیں، تجارت دین کے منافی نہیں ہے دونوں ساتھ ساتھ بھی چل سکتے ہیں، یہ بھی لوگ کہتے ہیں کہ کاروبار کے ساتھ ہم اللہ کو کیسے یاد کرسکتے ہیں؟ حضرت تھانویؒ نے بڑی عمدہ مثال سے اس کی تفہیم فرمائی ہے فرمایا کہ اگر کسی بستی میں طاعون آیا ہوتو کیا اس کی وجہ سے کوئی دوکاندار دوکان پر جانا چھوڑ دیتا ہے؟ نہیں برابر دوکان کھولتے ہیں، لیکن دل میں یہ خوف رہتا ہے کہ اس طاعون میں میں مبتلا نہ ہوجاؤں، میرے گھر والے کہیں مبتلا نہ ہوجائیں، اسی طرح سب کام کرو لیکن دل میں یہ رہے کہ ہوسکتا ہے کہ میرے کسی کام سے اللہ ناراض ہوجاوے، ایسی غفلت ہوجاوے جس سے اللہ ناراض ہوجاوے، بڑی عمدہ مثال پیش فرمائی۔

میرے دوستو! یہ دنیا دارالمحن اور دارالابتلاء ہے، لیکن ہم اس میں عبادت کرتے ہیں تو بہترین گھر بھی ہے: "نعمت الدار لمن تزوّد منها لآخرته" [احیاء العلوم ۴/۱۹] یہ دنیا بہترین گھر ہے لیکن اس کیلئے جو یہاں سے توشہ لے جائے، یہیں پر تو سب کچھ ہوتا ہے، بیت اللہ یہاں پر ہے اسلئے حج یہیں پر ہوتا ہے، مساجد یہیں پر بنائی جاتی ہیں جہاں عبادت کی جاتی ہے اسلئے دنیا کو مطلقاً مذموم نہیں کہا جاسکتا، لیکن اس میں اتنا انہماک جس سے آدمی آخرت فراموش کرجائے یہ بیشک برا ہے۔

دنیا کی مثال

دنیا میں بقدر ضرورت منہمک ہونا تو ٹھیک ہے لیکن اسی کو مشغلہ بنالینا مناسب نہیں بلکہ یہ دین سے غفلت کا بلکہ اس کے ضیاع کا سبب بن جاتی ہے اس کی مثال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دی ہے "قال النبی النبی صلی الله علیه وسلم ان مما ینبت الربیع ما یقتل حبطا او یلم الا آکلة الخضر اکلت حتی امتدت حاصرتا ما استقبلت عین الشمس فثلطت وبالت ثم عادت فاکلت وان هذا المال حضرة حلوة فمن اخذه بحقه و وضعه فی حقه فنعم المؤنة هو ومن اخذه بغیر حقه کان کالذی یأکل ولا یشبع ویکون شهیدا علیه یوم القیامة "[متفق علیہ، مشکوۃ ر ۴۴۰]

موسم بہار جو سبزہ اگا تا ہے وہ جانور کے پیٹ کو پھلا کر مار دیتا ہے یا مرنے کے قریب پہنچا دیتا ہے، کھانے والے جانور نے اس سبزہ کو اس طرح کھایا کہ اس کی دونوں کوکھیں پھول گئیں تو وہ سورج کے سامنے بیٹھ گیا اور پھر پتلا گوبر اور پیشاب کر کے چراگاہ کی طرف گیا اور سبزہ چرنے لگا اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا ہر مال وزر بڑا سرسبز تروتازہ اور نرم دلکش ہے لہذا جو شخص دنیا کے مال کو حق کے ساتھ حاصل کرے اور اس کو حق میں صرف کرے تو وہ مال اس کیلئے بہترین مددگار ثابت ہوتا ہے اور جو شخص اس کو حق کے بغیر حاصل کرے تو وہ اس شخص کی طرح ہے

جو کھاتا رہتا ہے اور شکم سیر نہیں ہوتا اور مال قیامت میں اس کے بارے میں گواہ ہوگا۔

عام لوگوں کا تو یہی حال ہے کہ بعض لوگ کمانے میں ایسے منہمک ہو جاتے ہیں کہ حق اور ناحق بالکل بھول جاتے ہیں لیکن پھر توبہ کر کے اللہ سے اپنے معاملہ کو درست کر لیتے ہیں۔ بعضے وہ ہوتے ہیں جو دنیا کے اندر ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ اللہ ہی کو بھول جاتے ہیں، دین کے دشمن ہو جاتے ہیں اور انجام کار مرتد ہو جاتے ہیں، ایسی دنیا اور ایسا انہماک کس کام کا، ایسی تجارت اور ایسا کاروبار کس کام کا۔

مسابقت کا ایک اور واقعہ

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ صحابہ کرامؓ کو اس کا جذبہ اور داعیہ پیدا ہوتا تھا کہ عبادت میں کسی طرح آگے بڑھ جائیں، وہ چاہتے تھے کہ اللہ کا قرب حاصل کر لیں، اور قرب کیلئے عبادت کرنا ضروری ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ غریب اور نادار صحابہ حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ مالدار لوگ ہم سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں، (یہ بھی اسی قسم کی بات ہے کہ وہ لوگ ان کو بڑھتے دیکھ رہے تھے لیکن مال کے اعتبار سے نہیں بلکہ دین کے اعتبار سے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ مالدار لوگ تو ہم سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور ہم لوگ تو محض ذکر و شغل میں رہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیسے؟ فقراء صحابہ نے عرض کیا وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں، وہ لوگ روزہ رکھتے ہیں جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں اور یہ

لوگ اس کے علاوہ اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرتے ہیں اور ہم اپنی ناداری کی وجہ سے خرچ نہیں کر سکتے۔ اور یہ لوگ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم نہیں کر سکتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایسے اعمال نہ بتاؤں جن کے ذریعہ تم لوگ سبقت کرنے والوں کو پکڑ لو اور دوسرے لوگوں سے بڑھ جاؤ اور تم سے کوئی افضل نہ ہوگا مگر وہ شخص جو اسی طرح پڑھے جس طرح تم لوگوں نے پڑھا ہے۔ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر تینتیس تینتیس بار پڑھا کرو، اب جب معلوم ہوا تو خوش ہو گئے اور خوب پڑھنے لگے کہ اب ہم تسبیح پڑھ پڑھ کر ان لوگوں سے آگے بڑھ جائیں گے، خوب پڑھنا شروع کیا، کوئی بات تو پوشیدہ نہیں رہتی، چنانچہ ان لوگوں کو بھی معلوم ہو گیا اور وہ لوگ بھی پڑھنے لگے، وہ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ وظیفہ تو وہ لوگ بھی پڑھنے لگے تو پھر ہم سے آگے بڑھ جائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا عمدہ جواب دیا: **ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء** [متفق علیہ، مشکوۃ ۸۹/] یہ اللہ کا فضل ہے اگر مالداروں کو دینا ہی چاہتا ہے تو تم کیوں ان کے پیچھے پڑ گئے ہو، اللہ ان کو مال بھی دیتا ہے اور مزید برآں عبادت کی توفیق بھی دیتا ہے، تم لوگ اللہ کی اس تقسیم سے کیوں ناخوش ہوتے ہو۔

اعتدال سے خروج نہیں کرنا چاہئے

بہر حال میرے دوستو! اعمال میں تنافس اور تسابق ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم

سب کو اس کی توفیق مرحمت فرماوے، مالی انفاق میں بھی، نوافل کے پڑھنے میں بھی، ذکر و شغل میں بھی، ہاں اتنا ضرور ہے کہ اپنی صحت کا ضرور خیال رکھنا چاہئے، کیونکہ زمانہ عموماً کمزوری کا ہے، ضعف دماغ کا ہے، اگر بہت زیادہ مراقبہ کروگے بہت زیادہ ذکر بالجہر کروگے تو پھر دماغ پر اثر ہو جائیگا، اور کسی درجہ میں ذکر بالجہر کی گنجائش تو ہے لیکن ذکر بالضرب بالکل نہ کریں۔ اس سے نقصان ہوتا ہے۔

جیسے ہمارے یہاں ایک آدمی (خانقاہ کنتھاریہ میں) ایسا ہی کرتے ہیں میں انہیں منع کرتا رہتا ہوں، میں کہتا ہوں کہ بھائی لوگ جب سنیں گے تو سمجھیں گے کہ مولانا کے پیچھے ہی ایسا ذاکر رہتا ہے تو مولانا نے ہی بتلایا ہوگا، جبکہ ہم لوگ اس کے سخت مخالف ہیں، ہم یہ کہتے ہیں کہ بالجہر کر سکتے ہو وہ بھی بالجہر مفرط نہ ہو بلکہ معتدل ہو، ہمارے حضرت بھی بتلاتے تھے لیکن بالضرب نہیں، ضرب کی وجہ سے دماغ پر اثر ہو جاتا ہے، اس بنا پر بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس طریق میں آئے اور انہوں نے اعتدال سے خروج کیا تو دماغ خراب ہو گیا اور وہ پاگل ہو گئے۔

میرے دوستو! اس بنا پر بہت سے مجاہدات اس زمانہ میں متروک ہو گئے ہیں، جیسے بہت سی حکیمی دوائیں متروک ہو چکی ہیں، اس کو اس زمانہ میں استعمال نہیں کر سکتے، اسی طرح صوفیا کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ وہ فی زمانا متروک ہیں، ان کو عمل میں نہیں لایا جاتا، کیونکہ لوگ برداشت نہیں کر پائیں گے اور بھاگ جائیں گے۔

بہر حال اعمال میں مسابقت ہے لیکن اتنا نہیں کہ دل و دماغ کو متاثر کر لو،

اپنی استعداد کو دیکھو، اپنے شیخ سے پوچھو، اپنے بھائیوں سے مشورہ کرلو، اپنے معالج سے مشورہ کرلو کہ ہم اتنا ذکر کر سکتے ہیں یا نہیں، عام طور سے ذکر کی وجہ سے خشکی پیدا ہو جاتی ہے جس کی بنا پر آدمی جتنا کرتا تھا اتنا بھی نہیں کر پاتا۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ رات عنایت فرمائی بہت ہی خوش نصیبی کی بات ہے کہ ہم لوگ ستائیسویں رات تک پہنچے ہیں، بھائی! آپ لوگ تو ماشاء اللہ تندرست ہیں، اللہ اور تندرستی عطا فرمائے، لیکن ہمارا مسئلہ ذرا نازک ہے، کچھ عمر کا تقاضا کچھ طبیعت کی ناسازی اور کچھ دوسرے نامساعد حالات ایسے تھے کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ اس شب تک پہنچ پاؤں گا، لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے یہاں تک پہنچا دیا، الحمد للہ قرآن کریم کا بھی ختم نصیب ہوا اور ایک سنت ادا ہوگئی، الحمد للہ ایک آیت بھی ہم لوگوں سے نہیں چھوٹی، ایک تراویح سفر میں ہوئی تھی اس کے بقدر قرآن کریم سورت پہنچ کر مولانا اسماعیل صاحب نورنگ والے کے یہاں تراویح میں حافظ صاحب سے سن لیا اور جہاں تک ہوسکا توجہ ہی سے سننے کی کوشش کی ہے، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ پوری توجہ سے سنا ہے لیکن حتی الامکان کوشش کی ہے، اس میں جو کمی و کوتاہی ہوئی اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں، اسلئے کہ اعمال کے حقوق کو ادا کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، بس اللہ تعالیٰ کچھ ادا کرا دے تو اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اے اللہ آپ نے ہم کو کھڑے رہنے کے لائق بنا دیا اس پر ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں، کیونکہ ہمارے ہی ساتھی ایسے بھی ہیں کہ وہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے، بیٹھ کر پڑھتے ہیں، بلکہ بعض تو بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے، تو

یہ شکر کا مقام نہیں ہے؟ صحت کسی کے پاس زیادہ ہے، مال کسی کے پاس زیادہ ہے تو یہ قابل شکر ہے، بہر حال ہم ستائیسویں شب تک پہنچ گئے دعا کیجئے کہ بقیہ رمضان بھی خیر وبرکت کے ساتھ پورا ہو جائے، روزے پورے ہوں، تراویح پوری ہوں، اللہ تعالیٰ قبول بھی فرمائے۔

ایک خاص نصیحت

اب ایک نصیحت خاص طور سے کرنا ہے، میرے دوستو! اس ماہ مبارک میں کچھ نہ کچھ سب ہی نے کیا ہے، چونکہ اتنا بڑا مجمع ہے اسلئے کہنا ضروری ہے کہ اسکے بعد بھی ذکر، تلاوت وغیرہ کا معمول جاری رکھیں، میں ہر سال کہتا ہوں، اس سال بھی کہہ رہا ہوں کہ اپنے معمول کو جاری رکھیں، یہ نہیں کہ اس وقت تین تین چار چار پاروں کی تلاوت روزانہ کر لی اور پھر بالکل غائب، ابھی تو بعضے ناظرہ خواں بھی روزانہ پورا پورا قرآن پڑھ لیتے ہیں، تو یہ رمضان کی برکت ہے، لیکن اب رمضان کے بعد بھی کچھ نہ کچھ جاری رکھیں، اس کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے، عید کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رکھنا ہے، پورا نہیں تو کم از کم آدھا پارہ ہی پڑھ لیں، علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ کم سے کم دو مہینے میں ایک قرآن ختم ہونا چاہئے، اس حساب سے آدھا پارہ روز تلاوت ہونی ہی چاہئے، عام طور سے مشائخ ایک پارہ بتاتے ہیں، لیکن اگر آدھا پارہ پر بھی عمل ہو گیا تو دو مہینے میں ایک قرآن ختم ہو جائیگا، قرآن سے مناسبت رہے گی، دیکھئے! ہم رمضان میں قرآن پڑھتے ہیں تو ابتدا

میں رفتار کم رہتی ہے لیکن جب دو اور تین ختم ہو جاتے ہیں تو پھر تلاوت میں روانی آجاتی ہے، پہلے پچیس منٹ میں ختم ہوتا تھا تو اب روانی کے بعد بیس منٹ میں ختم ہو جاتا ہے، اس بنا پر کوشش کریں کہ جو بھی ذکر و شغل ہیں ان کو معمول میں رکھیں، تا کہ اس کی برکات ملتی رہیں، جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”احب الأعمال الی اللہ ادومھا وان قل“ [متفق علیہ، مشکوٰۃ ر ۱۱۰] یعنی اللہ تعالیٰ کو پابندی والے اعمال زیادہ پسند ہیں چاہے کم ہوں۔

بخاری شریف کی آخری روایت اور ہم!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی اچھی بات فرمائی ہے، عامۃً یہ روایت سب ہی سنتے ہیں بخاری شریف کی آخری روایت ہے ”کلمتان حبیبتان الی الرحمن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم“ [بخاری] دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ کو بہت محبوب ہیں اور زبان پر بہت ہلکے پھلکے ہیں اور میزان میں بہت بھاری ہیں وہ دو کلمے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ہیں۔ اب اس حدیث پر کون عمل کریگا صرف بخاری شریف ختم کے جلسہ پر ہم جمع ہو جاتے ہیں چاہے ایک لاکھ کا مجمع ہو چاہے پچاس ہزار کا، کوئی سمجھتا ہے کوئی نہیں، مولوی حضرات تو خوب سند پر بحث کر لیتے ہیں، وزن پر بھی خوب بحث کرتے ہیں، مگر بہت سے لوگ تو ان مباحث کو سمجھتے ہی نہیں، میں لندن گیا تھا وہاں بھی میں نے کہا کہ بھائی! مجھے وزن وغیرہ پر زیادہ

بحث نہیں کرنا ہے کیونکہ اب تو بالکل اظہر من الشمس ہو چکا ہے، اب تو ہوا کا وزن ہو رہا ہے، پانی کا وزن ہو رہا ہے، بلڈ پریشر کا وزن ہو رہا ہے، کون کون سے وزن ہو رہے ہیں اب کسی کو شبہ نہیں رہا کہ اعمال کا وزن کس طرح ہوگا، سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ جو احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان کو عمل میں لایا جائے، وہاں بہت سے علماء تھے میں نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ کتنے لوگوں کا اس پر عمل ہے؟ کون لوگ ہیں جو سو مرتبہ ہی پڑھ لیتے ہیں؟ میں نے یہ علم کی بڑائی کی وجہ سے نہیں کہا بلکہ ان سب میں عمر میں بڑا تھا اور دوسرے عموماً سب چھوٹے ہی تھے اس لئے پوچھ لیا۔

میرے بزرگو دوستو! عملی قدم اٹھانا ہے، اللہ کو راضی کرنا ہے، اللہ تمہارے عمل کو دیکھے گا، رسول دیکھے گا، مؤمنین دیکھیں گے، جیسا کہ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ﴿قُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَ رَسُوۡلُهٗ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ سَتُرَدُّوۡنَ اِلٰى عَالِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ [التوبة ۱۰۵] یعنی اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ عمل کئے جاؤ سو ابھی دیکھ لیتا ہے تمہارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان اور ضرور تم کو ایسی ذات کے پاس جانا ہے جو تمام کھلی اور چھپی چیزوں کا جاننے والا ہے۔

اگر اچھے اعمال ہیں تو مؤمنین دیکھیں گے اور تم کو نیک اور صالح کہیں گے، اگرچہ ہمیں اس کیلئے نہیں کرنا ہے کہ لوگ اچھا کہیں، لیکن مؤمنین تو نیک آدمی کی شہادت دیتے ہی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روایت نقل کرتے ہیں "قال

رسول الله صلى الله عليه وسلم ايما مسلم شهد اربعة بخير أدخله الله الجنة قلنا وثلاثة قال و ثلاثة قلنا واثنان قال واثنان ثم لم نسئله عن الواحد "[رواہ البخاری، مشکوۃ ۱۴۵/۵] یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مسلمان کے واسطے چار شخص خیر کی شہادت دیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریگا۔ ہم نے کہا اگر تین آدمی شہادت دیں تو؟ فرمایا کہ اگر تین گواہی دیں تو بھی، ہم نے کہا اگر دو گواہی دیں تو؟ فرمایا اور دو بھی، پھر ہم نے ایک کے متعلق نہیں پوچھا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہے" اذکروا محاسن موتاکم " [ترمذی/۱۹۸] یعنی اپنے موتی کے محاسن بیان کرو۔ ان کے نقائص کو بیان نہ کرو، جب مرنے والا مرگیا تو اب اس کی برائی کیا کرتے ہو، کوئی فائدہ ہے؟ اس کے محاسن بیان کروگے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا۔ اچھے اعمال کرنا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے جو آخرت پر ایمان رکھتا ہو، دین پر ایمان رکھتا ہو، اللہ اور اسکے رسول پر ایمان رکھتا ہو، اس سے غفلت بہت تعجب کی بات ہے۔

بہرحال یہ رات بہت ہی مبارک رات ہے، اس میں اللہ تعالیٰ بہت کچھ نازل فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو اس سے محروم نہ فرمائیں، حدیث میں آتا ہے "وفيه ليلة خير من الف شهر من حرمها فقد حرم الخير كله ولايحرم خيرها الاّ كل محروم "[ابن ماجہ/۱۱۹] یعنی ماہ رمضان میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے جو شخص شب قدر کے فیوض سے محروم ہوگیا صحیح معنوں میں وہی محروم ہے۔ ایک حدیث صحیح مسلم میں حضرت عثمان

بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت سے بہت ہی تسلی کی ہے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا" سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من صلى العشاء في جماعة فكانما قام نصف الليل ومن صلى الصبح في جماعة فكانما صلى الليل كله "[مسلم ۱/ ۲۳۲] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جماعت سے عشاء کی نماز پڑھی اس نے آدھی رات کا قیام کیا اور جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لی اس نے پوری رات کا قیام کیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے والا انشاءاللہ شب قدر کے فیوض سے محروم نہیں رہیگا۔بہر حال جہاں تک ہو سکے کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے، اور بعد کیلئے بھی کوشش کرتے رہنا چاہئے، حدیث میں آتا ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قال حين يصبح وحين يمسى سبحان الله وبحمده مأة مرة لم يأت احد يوم القيامة بافضل مما جاء به "[متفق علیہ، مشکوۃ / ۲۰۰] کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص صبح وشام کے وقت سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتا ہے قیامت کے دن اس سے افضل عمل لے کر کوئی نہیں جائیگا۔اب دیکھئے! کیا مشکل ہے، میرا خیال ہے کہ دو تین منٹ میں آدمی پڑھ سکتا ہے لیکن اس کی طرف بالکل توجہ نہیں، بڑے افسوس کی بات ہے، لوگ کہتے ہیں کہ فرصت نہیں ہے، خوب فرصت ہے، سڑکوں پر کھڑے ہو کر گپ شپ لگانے کی خوب فرصت ہے، گھنٹوں اس میں ضائع کر دیتے ہیں لیکن پانچ منٹ اللہ کیلئے فارغ نہیں کرتے، اللہ کی تسبیح وتحمید کیلئے

فرصت نہیں ہے تعجب کی بات ہے! میرے دوستو! اپنے وقت کو کارآمد بناؤ، اپنے وقت کو فاسد نہ کرو، یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کے متعلق بھی قیامت میں سوال ہوگا، اور اپنے قلب کو بھی فاسد مت کرو، اس میں ذرا بھی ریب اور غبار نہ آنے دو، ورنہ تو ایمان خطرے میں پڑ جائیگا، قلب کو صغائر سے بھی بچاؤ، غلط خیالات سے بھی بچاؤ، وساوس سے بچاؤ، اور یہ سب ذکر اللہ سے ہوگا، اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے، تجربہ کر کے دیکھ لو، چند مرتبہ درود شریف پڑھنے سے بھی اطمینان نصیب ہو جاتا ہے، مسجد نبوی میں عرب حضرات آجاتے ہیں، کوئی پریشانی ہوتی ہے تو وہاں پہنچ کر درود شریف پڑھتے ہیں ان کو اطمینان اور سکون ہو جاتا ہے، اس سے بڑھ کر کیا وظیفہ ہو سکتا ہے، صلی اللہ علی النبی الامیِ، پڑھنے میں کتنا وقت لگا، اللھم صل علی محمد النبی الأمی وعلیٰ آلہ وسلِّم تسلیما، پڑھنے میں کتنی دیر لگی، چالیس احادیث جو روز سنائی جاتی ہیں ان میں بہت سے چھوٹے چھوٹے درود شریف ہیں آدمی انہی کی مشق کرلے وہی پڑھتا رہے انشاء اللہ العزیز تمام خیرات و برکات اسکو حاصل ہو جائیں گے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ہم کو جو کچھ بھی ملا ہے درود شریف ہی سے ملا ہے، ہمارے بزرگوں کا درود شریف پڑھنے کا بہت معمول رہا ہے، حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ کم سے کم تین سو مرتبہ یومیہ درود شریف پڑھنا چاہئے، اسی طرح استغفار بھی کرتے رہنا چاہئے، استغفراللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ، کتنا آسان وظیفہ ہے، اسی طرح سید الاستغفار کی بھی بہت فضیلت ہے بخاری شریف

میں ہے کہ جو شخص اسے صبح میں پڑھے اور شام ہونے سے پہلے اس کا انتقال ہوجائے تو وہ جنتی ہے اسی طرح جو شام میں پڑھے اور صبح ہونے سے پہلے اس کا انتقال ہوجائے تو وہ جنتی ہے، سید الاستغفار یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔ (رواہ البخاری، مشکوۃ: ۲۰۴)

ترجمہ: اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور میں تیرا ہی بندہ ہوں اور جہاں تک مجھ سے ہوسکا تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں، میں نے جو گناہ کئے ان کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، میں تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں، لہٰذا مجھے بخش دے کیونکہ تیرے علاوہ کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔

بہرحال جتنی باتیں کہنی تھیں کہہ دیں، دیر بھی ہوگئی ہے، بہت سے لوگوں کو دور بھی جانا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس رات کی قدر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، اللہ تعالیٰ یہ شب ہمارے لئے مقدر فرمائے، اس کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے، ہم کو خوب ذکر و مناجات کی توفیق مرحمت فرمائے لغویات سے ہماری پوری حفاظت فرمائے، لایعنی باتوں سے حفاظت فرمائے۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

دعا کیجئے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، وَالصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَعَلٰى اٰلِـهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

اَللّٰـهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْماً كَثِيْراً وَّ لَايَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَ ارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك أنت الوهاب ،اللهم الف بين قلوبنا واصلح ذات بيننا ، واهدنا سبل السلام ونجنا من الظلمات الى النور و جنبنا الفواحش ماظهر منها و مابطن ، اللهم بارك لنا فى اسماعنا و ابصارنا وقلوبنا و ازواجنا و ذرياتنا و تب علينا انك انت التواب الرحيم ـاللهم اٰت نفسى تقوٰها و زكّها انت خير من زكّٰها ، انت وليّها و مولاها ـ

یا اللہ! ہم لوگوں کی مغفرت فرما، یا اللہ! سب لوگوں کیلئے جنت میں داخلہ کا فیصلہ فرما، یا اللہ! ہر قسم کی عافیت عطا فرما، یا اللہ! اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! ہماری مشکلات کو آسان فرما، تمام مصیبتوں اور بلاؤں سے ہماری حفاظت فرما، یا اللہ! آسمانی اور زمینی جو بھی بلائیں ہیں ان سب سے ہماری

حفاظت فرما، یا اللہ! ہمیں اپنی عبادت کی، اپنے ذکر وفکر کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! ہمارے قلوب کو اپنے ذکر سے معمور فرما، یا اللہ! اپنے ذکر سے ہمارے قلوب کو منور فرما، یا اللہ! اپنے فضل وکرم سے ہر قسم کی خیر اور بھلائی عطا فرما، یا اللہ! ہم کو نیک اعمال کی توفیق مرحمت فرما، اعمال صالحہ کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! اخلاص سے ان کو انجام دینے کی توفیق عطا فرما، یا اللہ! اپنی رضا اور خوشنودی کیلئے ہم کو کام کرنے کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت عطا فرما، یا اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے اعمال سے خوش فرما دیجئے، یا اللہ! ہمارے اعمال سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف اور اذیت نہ پہنچے، یا اللہ! اپنے فضل وکرم سے ہر قسم کی عافیت عطا فرما، ظاہری اور باطنی سنتوں پر عمل کی توفیق عطا فرما، یا اللہ! ہم کو اور ہمارے تمام بچوں کو دیندار بنا، متقی اور پرہیزگار بنا، یا اللہ! جو حضرات بھی یہاں تشریف لائے ہیں انہیں ہر قسم کی بھلائی عطا فرما، ان کی تمام حاجتوں کو پوری فرما، یا اللہ! جو بیمار ہیں ان کو شفا عطا فرما، جو مقدمات میں پھنسے ہوں انہیں بری فرما، جو مقروض ہیں انہیں قرض کے بوجھ سے سبکدوش فرما، یا اللہ! طرح طرح کی پریشانیوں کا لوگ ذکر کرتے ہیں، یا اللہ! ان کی پریشانیوں سے انہیں نجات نصیب فرما، جن لوگوں نے مجھ سے دعا کیلئے کہا ہے یا لکھا ہے ان کے جائز مقاصد کو پورا فرما، جو آفات وبلایات ہیں ان سے محفوظ فرما، یا اللہ! اس شب کے فیوض وبرکات سے مالا مال فرما، یا اللہ! قرآن پاک ختم ہوا ہے، جن لوگوں نے ختم کیا ہے ان کو بھی جزاء خیر مرحمت فرما، یا اللہ! ہم سے سننے

میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں انہیں معاف فرما، یا اللہ! قرآن پاک کو ہمارے سینوں میں بسا دے، یا اللہ! اس پر عمل کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! قرآن پاک کی تلاوت کی توفیق دے، اپنے ذکر و شکر کی توفیق دے اور اس تلاوت سے ہمارے قلوب میں بہار پیدا فرما، یا اللہ! ہمارے فکر و غم کا اسے علاج بنا دے، اسے دوا بنا دے، قرآن پاک سے صحیح مناسبت پیدا فرما، یا اللہ! اس کی تلاوت سے، اس کے ترجمہ سے، اس کی تفسیر سے ہم میں طلب پیدا فرما، یا اللہ! اپنے علماء سے ہمیں رجوع کرنیکی توفیق مرحمت فرما، اور صحیح دین سیکھنے کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! سنت کے مطابق نماز پڑھنے کی، حج کرنیکی، روزہ رکھنے کی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! تمام ارکان اربعہ کو پورے پورے طریقہ سے خلوص کیساتھ ادا کرنیکی توفیق مرحمت فرما، یا اللہ! ہمارے ایمان کو مضبوط فرما، یا اللہ! ہمارے رسالت کے عقیدہ کو مضبوط فرما، قیامت کا پورا پورا یقین عطا فرما، یا اللہ! جنت اور دوزخ کا پورا پورا یقین عطا فرما، یا اللہ! جنت کے داخلہ کو ہمارے لئے منظور فرما، دوزخ سے ہم کو نجات عطا فرما، یا اللہ! اس کے دھوئیں سے اس کی آگ سے ہماری، ہمارے بچوں کی اور پوری امت مسلمہ کی حفاظت فرما، یا اللہ! کوتاہیوں کو معاف فرما، یا اللہ! دین حق پر قائم رہنے کی توفیق مرحمت فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

مطبوعات مکتبہ دار المعارف
شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی
اقوال سلف (چھ جلدیں)
تربیت اولاد کا اسلامی نظام
(اردو، انگریزی، گجراتی، بنگلہ)
وصیۃ الآداب
فیضان محبت (شرح عرفان محبت)
گلدستۂ اذکار
(ریاض السالکین فی احادیث سید المرسلین)
(اردو، انگریزی)
معارف صوفیہ
نقوش و آثار مفکر اسلام
الافاضات الاحسانیۃ (مجموعہ مواعظ)
تذکرۂ مصلح الامت
زیارت حرمین شریفین
طہارت قلب
ہدایات نافعہ (اردو، انگریزی)
گناہوں کا وبال اور اس کا علاج
شرح صدر
جامع الحقوق
چند وصیتیں
(اردو، انگریزی، گجراتی)
حقیقی حج (اردو، انگریزی، گجراتی)
نکاح کی شرعی حیثیت
(اردو، انگریزی، گجراتی)
درس قرآن (اردو، انگریزی)
امت کی مایۂ ناز شخصیت
(مولانا علی میاں)
امت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت
(مولانا ابرار الحق صاحب)
عقائد، فرائض مع وظائف و نصائح
حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی
روح البیان (۳ جلدیں)
اخلاق سلف
کمالات نبوت (زیر طبع)
عرفان محبت (مثل مطبوعات)
مولانا محبوب احمد صاحب ندوی
مشائخ نقشبندیہ مجددیہ
احسن السیر
(اردو، انگریزی، گجراتی)
شیخان (عیان تجربیان)
تصفیۃ القلوب ملقب بہ شغلائے دل
(اردو، گجراتی)
مولانا سعید احمد ندوی قاسمی
الاربعین (چالیس حدیثیں)
دیگر حضرات کی تصانیف
دینی نصاب (۲ جلدیں)
احادیث سلوکیہ
تسہیل قصد السبیل (اردو، گجراتی)
علامات قیامت (اردو، انگریزی، گجراتی)
تذکیر آخرت
جامع الاحکام
سو درود و سلام کا مقبول وظیفہ
مکتوب گرامی امام غزالی
اشک ندامت
میرے مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز
اعتراف ذنوب (زیر طبع)
تالیفات مصلح الامت
(مکمل ۹ جلدیں) (مثل مطبوعات)
MAKTABA DARUL MAARIF
639/B, Wasiabad Allahabad U.P.
خادم مکتبہ: محمد عبد اللہ قمر الزماں قاسمی الہ آبادی
Ph.: 0532-2550438 Mob: 9450581807